افغانستان میں میرے بیس برس کا سلسلہ

حیات نادر

(شاہ غازی شہید)

مع

سوانح برادران (غازی شاہانہ)

و

سیرت اعلیحضرت محمد ظاہر شاہ (دام ملکہ)

محمد حسین خان سابق رئیس تجاریات عمومی افغانستان

مطبوعہ نادر پریس جالندھر

رمضان مبارک ۱۳۵۲ھ
سنہ ۱۹۳۳ء

دیباچہ

امیر تیمور اور رابرٹ بروس کے قصوں میں مکڑی کے جالے کا توارد ہے کہ
دونوں نے اس کو بنتے اور بار بار بگڑنے پر پھر تنتے دیکھکر ہاری ہوئی ہمت کو پھر باندھا
ان سے اعظم وجود کو اسی مکڑی کے جالے نے بچایا۔ جسے غار کے منہ میں دیکھکر
قاتل واپس چلے گئے۔ ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت۔ ایسی ضعیف
چیز اتنے بڑے امور کا موجب ہو سکتی ہے۔

اعلیحضرت غازی محمد نادر شاہ شہید کی حیات ایسے ہی عزائم سے بھری ہے
اقبال ادبار، آگے بڑھنا پیچھے ہٹنا اور پھر کر د فران کی مجموعی زندگی میں اور نیز ہر ایک
معرکے میں نمایاں ہیں۔ مسافرت سے مراجعت پر فوجی مناصب کو یکے بعد دیگرے
حاصل کرتے سمت جنوبی کی بغاوت کو فرو کر کے سپہ سالار بنتے ہیں۔ یہ پہلا اقبال
یعنی محنت و زحمت کا نتیجہ ہے۔ پھر سخت قید میں پڑ کر نکلتے ہی محاربۂ انگریز پر اقدام
کرتے ہیں اور ٹھل کو فتح کر کے دشمن سے اپنی بہادری تدبیر اور عسکری مہارت کی داد لیتے
ہیں۔ یہ آپ کا دوسرا عروج ہے جس میں اپنے ملک کے لئے استقلال حریت کر

منار یادگار کا خراج وصول کرتے ہیں۔ وزارتِ حربیہ سے استعفیٰ ادبار کا آغاز ہے
جس سے ہٹ کر پھر بڑھتے ہیں اور سفارتِ فرانس پر مقرر ہو کر پھر ایسے عزلت گزیں
ہوتے ہیں کہ صیادِ تاریخ آپ کو عنقا سمجھکر دامِ یک قلم سمیٹ لیتا ہے۔

انقلاب کے وقوع پر آپ سفر کے علاوہ سخت مرض کی حالت میں اٹھتے ہیں
اور بیکسی و ناداری کے باوجود جمعیت فراہم کرتے ہیں جس کے بکھرنے پر پھر اتحاد قائم
کرتے ہیں۔ لڑائیوں میں شکستیں کھاتے ہیں۔ اپنی اور اپنے خاندان کی ہلاکت کو متواتر
سامنے دیکھتے قربان کرنے کی نذر مانتے ہیں تاکہ ان کے صدقے سے ہی وطن و دیار
آزاد و آباد ہو جائے۔ ان سب مراحل میں آپ کے برادرانِ شجعان جیسے جنگِ انگریز
میں شامل تھے اب بھی ہمہ تن شریک ہیں اور معاونت و فداکاری میں کوئی دقیقہ اٹھا
نہیں رکھتے۔ آخر کر و فر سے کابل فتح کرتے ہیں مگر قلعہ مسخر نہیں ہوتا جب تک کہ
اپنے عزیزوں پر گولہ باری نہیں کرتے۔ اب جولیس سیزر کی تخت نشینی کا اعادہ ہوتا ہے
آپ بہ اصرار بادشاہی سے انکار کرتے اور ملت بالحاح تکرار سے التجا کرتی ہے۔ انجام کار
وحشی بردوش کا نمونہ بھی نمودار ہو جاتا ہے۔

چار سال کی سلطنت اعلیحضرت غازی محمد نادر شاہ کے لئے پھولوں کی سیج نہیں
تھی جو آپ ایک دم بھی آرام کر سکتے اور نہ ہی استراحت آپ کا نصب العین تھا۔ ملک
چوروں کی دستبرد اور غارتگری سے تباہ ہو چکا تھا اس کو از سر نو علم و عرفان، صنعت و حرفت

اور تجارت و زراعت سے معمور کیا۔ خلفائے راشدین اور بعض بزرگ سلاطین نے تھوڑے عرصے کی شاندار حکومت سے جاودانی شہرت ترکے میں چھوڑی ہے۔ ایک انگریز ادیب کہتا ہے کہ خوبی سے جینا ہی زندگی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے البتہ ان باتوں کی تصدیق ہو جائیگی۔

اگرچہ میری کتاب "انقلاب افغانستان" میں بعض واقعات درج ہو چکے تھے مگر مختلف مقامات میں منتشر ہونے کے سبب اور تسلسل بیان کے لئے مکرر تحریر کرنے پڑے۔

(چونکہ ہندوستان میں سنہ عیسوی مروج ہے اور افغانستان میں سنہ ہجری شمسی۔ اسلئے دونو مناسب مواضع پر مرقوم ہوئے۔ ثَلٰثَ مِاٴَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ تین سو برس میں نو یعنی سو میں تین زیادہ کئے جائیں تو قمری حساب ہو جاتا ہے۔)

باب اوّل
اعلیحضرت محمد نادر خاں شاہ غازی شہید کی
پہلی مسافرت کے بعد تدریجی فوجی ترقیات

فصل اوّل

حقیقی قصے کا لطف

کابلی محاورے کے رو سے انگریزی قوم گویا کھیل کود پر فقط ایمان لا چکی ہے
مگر آیت کے مطابق کہ لَیْسُوْا سَوَآءً سب اہلِ کتاب یکساں نہیں ہیں
سر آرتھر ہیلپس نے لہو و لعب پر عجب فقرے کسے ہیں۔ اکثر لوگ شطرنج اور تاش
میں منہمک ہو کر کاغذی یا چوبی بادشاہ اور پیادوں اور سواروں کی چالوں اور
رفتاروں سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اُن کی زد و کوب اور ہار جیت کے تماشے میں
غرق ہو کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ کیا جیتے جاگتے انسانوں کی کشمکش
لڑائی جھگڑے اور تنازع فی البقا کے معرکے کوئی دلچسپی اور مرغوبیت نہیں رکھتے؟
سلطنتوں کا عروج و زوال وزرا کا کمال و ادبار ملتوں کا پامال ہونا یا بنی نوع کے
لہو میں تیر کر ساحل تسلط پر پہنچنا کیا ایسے دلکش یا دلشکن مناظر ہیں جو ان مصنوعی
اور مفروضی بازیوں میں اشتغال کی فراغت یا رغبت ہو سکے؟

دلیل پیش کی جاتی ہے کہ ان کھیلوں سے دماغی قوت و لطافت نشو و نما

پاتی ہے۔ لارڈ کرزن جب سیاحت کے دوران میں کابل پہنچا تو محمد خان لنگڑے نے اسے شطرنج میں پیہم شکستیں دیں اور امیر عبدالرحمٰن خان کے ساتھ بھی اس کا ایسا ہی غالبانہ سلوک تھا۔ اس کی یہ مہارت صرف کشت و مات تک ہی محدود تھی امورِ مملکت میں وہ دخل کے قابل ہی نہیں تھا حالانکہ شاہ اور وائسرائے سیاسی الجھنوں میں پھنستے تھے۔ ان کی خط و کتابت کے حکیمانہ لطیفے مطالعے کی محنت کا خوش ثمرہ بخشتے ہیں۔

سوائے ادبی مثالوں کے شطرنج سے اور کیا دماغی تفنن پیدا ہو سکتا ہے اور یہی اس کی قلیل آگاہی کا فائدہ ہے مثلاً ۔

سفلہ را بیدست و پای خضر راہِ راستی است
این پیادہ کجروی نگزید تا فرزیں نشد

ہمارے قصے کے لئے یہ شعر ایک خشتِ بنیاد ہے۔ ایک مجہول آدمی رتبے کو پہنچ کر اکثر تعدی کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی اس کی بربادی کا موجب بنتا ہے مگر اس انجام سے قبل اس کی کارروائیاں جہاں مضحکہ خیز ہیں وہاں اس کے ہاتھوں خلقِ خدا کی فریادیں اشک ریز بھی ہیں۔ ایک نمونہ بچہ سقا ہی لیجئے اور چھوٹے پیمانے پر ہر جگہ ایسے لوگ نکل پڑتے ہیں جن کا مشاہدہ اور جن کے حالات کا مطالعہ کیا بے جان اور بے حس بازیچوں سے کم کشش رکھتا ہے؟

ہربرٹ سپنسر ایک دیہاتی سردار کے ساتھ بلیرڈ کھیلتے ہار گیا۔ حریف نے رعونت

دکھائی تو بولا کہ ہر ہنرمندانہ کھیل کے ساتھ تھوڑی واقفیت منور دل کو زیب دیتی ہے
مگر تمھارے جیسی کمالیت ضائع شدہ جوانی پر دلالت کرتی ہے۔ کرکٹ وغیرہ کے
مقابلے کا میدان تماشا بینوں سے پٹا پڑتا ہے حالانکہ ان میں عارضی افسری و ماتحتی اور
ظاہری مار پیٹ کے سوا حقیقت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

ڈراموں اور ناولوں میں بھی سراسر تصنع اور تخیل ہوتا ہے۔ ایک شخص اپنے قیاس
کے مطابق اور اپنے تجربوں مشاہدوں اور پڑھی یا سنی سنائی باتوں کا بتنگڑ بنا کر کہانی
گھڑ دیتا ہے اور لوگ اسے مزے لے لے کر مطالعہ یا ملاحظہ کرتے ہیں حالانکہ دنیا میں
واقعی رومانس موجود ہے۔ جہان کے تھیٹر میں بقول شیکسپیئر ہر شخص قصے کی زنجیر میں ایک
کڑی ہے۔ ہر حلقہ فرد بھی ہے جس سے طرفہ امور صادر ہوتے ہیں۔ اس کے سوانح
میں سنسنیاں پیدا ہوتی ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کبھی سرور و فرحت کا سماں
بندھ جاتا ہے اور کبھی یاس و حسرت کی گھڑیاں طاری ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کی تدبیر و
صلاح سے ظلمات دور اور مطلع نور نمودار ہوتا ہے۔ کیا یہ حقیقی داستان کمتر موجب
التفات ہے بہ نسبت فرضی ڈھکوسلوں کے جن میں لوگ رات دن مشغول رہتے
اور وقت و نقد صرف کرتے ہیں؟ ہم ایسا سچا جیتا جاگتا سلسلۂ واقعات پیش کرتے
ہیں جس میں عبرت و نصیحت مضبوطی سے قائم ہے اور اس کے ساتھ عداوت و جہالت کی
جھنکار بھی ہے جس سے حبل متین کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس مجادلے میں جو

حق و باطل کے درمیان ہر جگہ جاری ہے اور جس کی فتح و ہزیمت میں ہزاروں آدمی ہلاک اور اتنے ہی سرشار ہوتے ہیں۔ بول آخر سچ کا بالا ہوتا ہے۔

• اس تماشا گاہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ امر مدنظر رکھنا شرط ہے کہ دنیا کے تمام کاروبار علت و معلول اور سبب و نتیجے پر قائم ہیں۔ عام طور پر کبھی چرخ کی سفلہ پروری کا بہانہ بے سببی قرار دیا جاتا ہے اور کبھی سبب سوزی سے سوفسطائی سوائی ہو جاتا ہے۔ فی الحقیقت بندہ اپنے اختیار سے زندہ نہیں ہوا اور نہ ہی اس کے اعمال کے صلے میں اسے وجود جیسی بے بہا نعمت ملی۔ پھر بھی زندگی پاتے ہی خیر و شر کا انجام ملاحظہ ہونے لگتا ہے۔ بلکہ اتنی وسعت پکڑ جاتا ہے کہ موت کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے مثلاً خضر دو یتیموں کا خزانہ دیوار پاٹ کر سمیٹتا ہے تاکہ بالغ ہو کر اسے بے کم و کاست وصول کریں اور اس کا باعث یہ بتایا گیا کہ ان کا باپ صالح شخص تھا کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ جب والدین کی جسمانی مشابہت اولاد میں پائی جاتی ہے۔ ان کی مضبوطی اور بلند قامت سے بچے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح نیک افعال کا بیج ان کے بعد بھی پھل لاتا ہے۔ یہ بھی سبب سازیوں میں داخل ہے جنگل میں دیار اور بلوط کے درخت ایک دوسرے کے ساتھ تناوری اور بلندی میں ہمسری کر رہے ہیں۔ اسی طرح باغ میں میوہ دار اشجار ایک دوسرے سے سرسبزی اور ثمر رسانی میں سبقت لے جا رہے ہیں۔ چشم حاضرین کو یہ مرقع سدا بہار دکھائی

دیتا ہے کیونکہ خزاں دور ہے اور خشکی و بربادی کے کرم آنکھ سے اوجھل ہوتے ہیں نشو و نما سے پہلے یہ بتانا مشکل ہے کہ فلاں درخت شہتیروں کے قابل ہوں گے یا چولھے کے اور بعض جوان کے سائے میں زرد ہو رہے ہیں ممکن ہے دھوپ اور ہوا کھا کر قوی ہیکل اور بارآور ہو جائیں مگر عموماً پشتو کے سعدی حمید کا شعر صادق آتا ہے کہ نازنین لڑکا ادب حاصل نہیں کرتا اور سائے کی کھجور میں پھل نہیں لگتا ؎

نازدلے زوئے نہ اخلی ادب + او دسورے نخل نہ نیسی رطب

ھو الذی انبتکم من الارض نباتاً اُسی خدا تعالیٰ نے تمھیں نباتات کی طرح زمین سے اگایا ؎

از نباتی چوں بحیواں افتاد + نامدش حال نباتی ہیچ یاد
جز ہماں میلے کہ دارد سوئے آں + خاصہ در وقت بہار ضمیراں

عظیم الشان بادشاہ راحت و نعمت کی عادت سے ضعف پذیر ہو کر مغلوب و منکوب ہو جاتے ہیں اور وہ لائق جوان جو زحمت و مشقت میں پرورش پا کر آمادۂ مقاومت ہوتے ہیں گمنامی کی تاریکی سے نکلکر ظفر کی درخشاں نامداری حاصل کرتے ہیں۔ پھر اگر صلاح و معدلت سے آراستہ ہوں تو ایوانِ تاریخ میں طاق شہرت پر اپنے مفید آثار ہمیشہ کے لئے یادگار چھوڑتے ہیں۔ برعکس اس کے اگر ظلم و نفس پرستی سے سروکار رکھیں تو یہی تذکاران کے ترکے میں سیاہ دھبا رہ جاتا ہے +

فصل دوم

اعلیٰحضرت محمد نادر خان کے آباواجداد اور ہندوستان میں ورود

افغانستان کی تاریخ کے وہ اوراق پلٹو جو معرفت کردگار کے دفاتر ہیں اور ذرا اٹھارھویں صدی عیسوی کی طرف رجوع کرو۔ محمود خان اور اشرف خان قندھار میں رہتے ہیں ایک معزز خاندان کے افراد ہیں مگر کسی کو گمان بھی نہیں کہ یہ غلزئی افغان یکے بعد دیگرے ایران کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر اپنے سکے چلائیں گے

سکہ زد از مشرق ایران چو قرص آفتاب ؎ شاہ محمود جہانگیر سیادت انتساب

ز لطف شاہ اشرف حق اشعار ؎ بزر نقش شد سکہ چار یار

پھر ان کے عہد میں نادر نامی افشار قوم کا ایک جوان سرکش ہمراہیوں کی جماعت

ے کر اطرافِ ملک میں لوٹ مار کرتا ہے۔ اس کی بابت بھی وہم نہیں ہو سکتا کہ نہ صرف ایران بلکہ افغانستان اور ہندوستان پر اپنا تسلط جمائے گا اور اس کا نام نامی اتنا مشہور ہوگا کہ نجیب اشخاص بھی اپنے فرزندوں کو اس کے نادر ت سمات اسم سے موسوم کریں گے اور ان میں سے ایک آخر اپنی شجاعتِ شاذ اور مساعی جانباز سے ملت افغان کو ظالموں کے پنجے سے چھڑا کر اپنے ملک کو دوبارہ آباد کریگا۔

پہلے نادر شاہ کے زمانے میں ملتان کا ایک افغان احمد خان نام قندھار میں مقید ہے۔ اس کے متعلق بھی کسی کو خیال تک نہیں کہ بڑا ہو کر مرہٹوں کو شکست دے گا اور احمد شاہ درانی کے لقب سے ایران ترکستان افغانستان اور ہندوستان کے ایک حصے پر حکومت کرے گا۔ پھر کس کو گمان تھا کہ اس کے پڑ پوتے کی بیٹی کے بطن سے وہی نادر دُرِ شاہوار پیدا ہوگا جس کی چمک دمک سے افغانستان کا ظلمتکدہ بقعۂ انوار بن جائے گا۔

لارڈ بالفور نے قدیم مقولے کی تردید کی ہے کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی ہے حالانکہ اختلافات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو انسانوں اور اس کے اعضا و افعال میں فطرتاً قائم ہیں واقعات و سوانح لوٹ لوٹ کر گھومتے ہیں۔ ہندوستان میں لاکھوں افغان آباد ہیں اور ہزاروں یہاں آتے اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اس آخری گروہ میں آج سے تقریباً نصف صدی پہلے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے جو کئی گردشوں کے بعد شاہِ

افغان ہو جاتا ہے۔ اس کے بجائی صدر اعظم وزیر جنگ اور سفیر اور اعیان مملکت بنتے ہیں اور ان کے چچیرے رشتہ دار بھی وزارت اور مرتبت کے معراج کو پہنچے ہیں۔ ان کا عالی نصب حسب ذیل ہے :

شجرۂ برزہ

وزیر پائندہ خاں

وزیر فتح خاں ۔ امیر دوست محمد خاں ۔ سردار سلطان محمد خاں طلائی وغیرہم

سردار عبدالقدوس خاں اعتماد الدولہ صدر اعظم ۔ سردار زکریا خاں ۔ سردار یحییٰ خان ۔

وزیر اکبر خاں وغیرہم امرا

سردار محمد آصف خان ۔ سردار محمد یوسف خاں

سردار محمد سلیمان خاں وزیر ۔ سردار احمد شاہ خاں وزیر دربار وغیرہم

سردار محمد عزیز خاں ۔ سردار شاہ ولی خاں ۔ سردار محمد ہاشم خاں ۔ سردار شاہ محمود خان
سفیر شہید (فاتح کابل) ۔ (صدر اعظم) ۔ (وزیر جنگ)

اعلیحضرت محمد نادر خاں شاہ غازی وشہید (اور انکے فرزند ارجمند شاہ محمد ظاہر خان)

شجرۂ متذکرہ میں اشارہ ان اکابر کی طرف ہوا ہے جو موجودہ شاہی خاندان کے ساتھ مربوط و منوط ہیں وزیر پائندہ خاں کے بیٹے سارے کے سارے ہی شجاعت شہامت اور حکومت میں افغانستان کی تاریخ میں بے مثل حیثیت رکھتے ہیں۔ وزیر فتح خاں رح فی الحقیقت بادشاہی کرتے تھے اور ان کے بھائی بھی اپنی اپنی جگہ خود مختار تھے۔ ایک بھائی سردار محمد عظیم خاں کشمیر میں حکمرانی کرتے تھے۔ دوسرے بھائی سردار سلطان محمد خاں طلائی پشاور کی حکومت پر متعین تھے۔ ان کے بیٹے بھی بہت نامور شخص ہوئے جن میں سے سردار عبدالقدوس خاں امیر عبدالرحمٰن خان کے اعتماد الدولہ اور ایشک آقاسی تھے اور شاہ سابق امان اللہ خان کے برائے نام صدر اعظم تھے۔ دوسرے سردار ذکریا خاں اور سردار یحییٰ خاں جن کو انگریزوں کی تنبیہ سے بلا کر امیر یعقوب خاں کے ساتھ معاہدہ کیا۔ جب انگریزی سفیر قتل ہو گیا اور انگریز افغانستان میں داخل ہو کر لوگر کے قریہ خوشی میں پہنچے تو امیر انکے پاس جا حاضر ہوئے اور زیر حراست رکھے گئے۔ سرداران موصوف نے خوانین اور مشائخ کے ساتھ متحد ہو کر جہاد کا ارادہ کیا اور جوش و خروش اور ذوق و شوق سے لڑائی کی تیاریاں اور زور آزمائیاں شروع کیں۔

سردار یحییٰ خاں کی بیٹی امیر یعقوب خاں کے حرم میں تھی۔ دوسرے بھائی سردار ذکریا خاں کے بیٹے کی نامزدگی شہزادی کے ساتھ کنایۃً قرار پا چکی تھی۔ سردار یحییٰ خاں کی زوجہ وزیر اکبر خاں کی بیٹی تھیں جن سے سردار محمد یوسف خاں متولد ہوئے۔ ان کی

شرافت تمام شاہی خاندان میں دوبالا ہوگئی اور ان کی نجابت کو چار چاند لگ گئے۔ جیسے ملکۂ وکٹوریہ کی قیصر وغیرہ کے ساتھ قرابت کا اثر یورپ کی سیاسیات پر پڑتا تھا افغانستان کی بعض خواتین ویسے ہی رسوخ بلکہ بیشتر تدبر سے صلح و جنگ میں حصہ لیتی رہی ہیں جن میں وزیر اکبر خاں کی والدہ کو اپنے یگانہ فرزند کے بخارا کی قید سے نکلوانے کا فخر حاصل ہے۔ انکے نام کابل کابل میں مشہور رہے۔ وزیر اکبر خان کی بیٹی نے جب امیر انگریزوں کے پاس نظر بند تھے۔ رشتہ داری اور وفاشعاری کے پاس سے اور نیز خانہ جنگی کی تباہیوں کے انسداد کے لئے متوقع داماد کو کچھ تحائف دے کر بادشاہی خسر کی خدمت میں بھیجا۔ اس کی اطلاع غازیوں کو ہوگئی اور سردار زکریا خاں کو سب نے مورد ملامت قرار دیا۔ ہر چند وہ اور سردار یحییٰ خاں اس خانگی واقعے سے بے خبر تھے مگر جمعیت میں پھوٹ پڑ گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونو سرداروں کو بھی ہندوستان آنا پڑا۔ یہاں امیر کے ساتھ ویسی ہی ان کی ناموافقت رہی جیسی کابل میں ان کی سیاسی نقل و حرکت کے ساتھ شرکت نہیں تھی۔ اگرچہ ایک شہر میں مقیم تھے۔ مگر کبھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔

سردار محمد آصف خاں اور سردار محمد یوسف خان فرزندان سردار یحییٰ خاں بہت متدین ملت دوست اور وطن خواہ مسلمان تھے۔ انہوں نے اپنے فرزندوں کو اس امید پر کہ جلدی افغانستان میں واپس جانا ہوگا سکولوں میں داخل نہیں کیا اور

گھر پر ہی ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرایا۔ اس میں یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں
بالکل ہندوستان سے مانوس ہو کر اور انگریزی اثرات سے مرعوب بن کر اپنے
وطن ہی کو فراموش نہ کر دیں اور اس کی ترقی سے مایوس نہ ہو جائیں جیسا کہ بعض فرماں روا
کی اولاد پر یہ گمان ٹھیک نکلا۔ پھر مذہب کا بھی لحاظ تھا کہ مبادا جدید اور بے لگام
تعلیم سے آزادی اور گمراہی کی طرف رخ کر لیں۔ البتہ دیوبند کے علما و عوارفیت
کی صحبت نے ایک طرف اور منصوری میں قابل انگریزوں کے اختلاط نے دوسری
جانب اس خاندان کے افراد پر مشرق و مغرب کا ملا جلا اور معتدل اثر ڈالا۔ سوائے
جنگلوں اور پہاڑوں میں سورج بنسی بن باسیوں کی طرح سیر و سیاحت اور صید و
شکار کے جس سے وہ اپنی چستی اور توانائی قائم رکھتے۔ ان کو اور کوئی مشغلہ نہیں تھا۔
قبیح عادات اور شنیع اطوار سے انہیں نفرت دلائی جاتی۔ اہل و صالح اصحاب
کی مجلس کے بغیر اور کسی تماشے ناٹک ناچ وغیرہ میں جانے کی ان کو سخت ممانعت
تھی حتیٰ کہ ایسے ہندوستانی شرفاء سے بھی کنارہ کش رکھے جاتے جو عیش و عشرت
میں مصروف ہو کر ناز و نعم کے لوازم بگڑ رہے تھے۔ اسی معقول و مقبول پرورش کا انجام
یہ ہوا کہ اس خاندان کے سب ارکان رشد و ہدایت کے مجسمے اور مردانہ خصائل کے
پتلے ہیں۔ کوئی معیوب لت اور بری خصلت ان میں پائی نہیں جاتی۔

سردار محمد آصف خاں اور سردار محمد یوسف خاں باوجود اس کے کہ مسافرت میں

دنیاوی راحت میسر تھی اور وطن میں دینی طمانیت کے علاوہ جان کے لالے پڑے رہتے تھے پھر بھی وہاں کے کانٹے وہاں کے سیاہ کنوئیں ان کو ڈرانے کی بجائے خلش اشتیاق کو بڑھاتے تھے ؎

خوشا عشرت سرائے کابل و دامانِ کوہسارش ✽ کہ ناخن بر دلِ گل میزند مژگانِ ہر خارش

شاہ شجاع کی تمنا بلند نہیں تھی اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ - زمین کی طرف جھکتا رہا اور ہوائے نفس کی پیروی کی ؎

گرمیٔ ہندم دل و جاں را بسوخت ✽ جنت کابل وطنم آرزوست

سرداران ممدوح کو ڈیرہ دون کی سرسبزی و شادابی اور کوہ منصوری کی سردی و خوشگواری میں ہر چند ظاہری تکلیف و شکایت کوئی نہیں تھی اور افغانستان میں جان جوکھوں کا سامنا تھا پھر بھی وہ اپنا گھر تھا اسے آباد کرنا اور اسی میں رہ کر خاک ہونا مضر غربت کے آرام پر مرجح سمجھا گیا۔

امیر عبد الرحمن خاں کا زمانہ ہے جس کی ہیبت سے در و دیوار کانپتے ہیں۔ خوانین اور سرداروں کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ جو سر اٹھا وہ بار دوش نہ رہا۔ جو گردن نکلی اڑائی گئی۔ مفرورین ہند در روس امیر یعقوب خاں۔ سردار ایوب خاں اور سردار اسحق خاں وغیرہ کے ساتھ خط و کتابت کا شبہ مرگ کا پروانہ تھا۔ انگریزی سفارت خانے کے آس پاس گویا عزرائیل پر پھڑپھڑاتا تھا۔ کوئی نزدیک پھڑکا اور وہ جھپٹا۔ ذرا سے

شک پر کہ خارجی سلطنت کے ساتھ راہ و رسم ہے ہزاروں آدمی راتوں رات موت کے گھاٹ اتارے جاتے اور فرمان میں یہ الفاظ صادر ہوتے کہ جہنم واصل کردو۔ اسی لئے امیر مرحوم کی تاریخ وفات ایک ولیر ملا نے "آتش دوزخ" سے نکالی تھی۔ الغرض ان دہشتناک حالات میں مشہور و معروف سرداروں کا جو امیر یعقوب خاں کے ساتھ قرابت رکھتے اور ایک جگہ ان کے نزدیک انگریزی عملداری میں سکونت پذیر ہیں افغانستان میں معاودت کا قصد بڑی ہی عالی ہمتی اور اولوالعزمی، وطن دوستی اور دینداری کا نشان تھا

فصل سوم

خاندانِ جلیلہ کی وطن میں مراجعت اور درباری ملازمت

بیسویں صدی عیسوی کا سپیدہ دم ہے کہ یہ خاندان شام غربت سے کوچ کر کے کابل میں وارد ہوتا ہے۔ عرضِ راہ میں حکومت کی طرف سے استقبالِ شایاں ادا ہوتا ہے اور اعزہ و اکابران کی شان کے مطابق پزیرائی کرتے ہیں۔ عزت محبت اور تپاک سے ان کے رہنے سہنے کا انتظام ہوتا ہے۔ ان کا گھر بار اور املاک واراضی جو سرکار کے قبضے میں تھی واپس ان کے حوالے کی جاتی ہے۔ امیر عبدالرحمٰن خاں بڑا آدم شناس بادشاہ تھا۔ اس لیے ان دونو سرداروں محمد آصف خاں اور محمد یوسف خاں کو اپنے بڑے شہزادے کی مصاحبت پر مقرر کیا اور اس عہد وعہدے کو انہوں نے ایسا سنبھالا اور نبھایا کہ باوجود شاہی تلون کے اس کے اخیر دم تک کوئی رخنہ اور خلل پیدا نہوا۔

محمد سلیمان خان بن سردار محمد آصف خاں کو جو سردارزادوں میں سب سے بڑے تھے۔ بڑی ملکہ کے بیٹے سردار محمد عمر خاں کی صحبت میں رکھا تاکہ ان سے ہوشمندی سیکھے جو اس کی پیشانی میں مقدر ہی نہیں تھی۔ امیر حبیب اللہ خاں کے وقت میں آپ ملٹری

سکرٹری (ایشک آقاسی نظامی) ہوئے۔ پھر ہرات کے گورنر (نائب الحکومہ) بنے
اور اپنی خاندانی روش کے مطابق روشن خیالی رعیت پروری اور صلاح و تقویٰ سے کام
کرتے رہے یہانتک کہ امان اللہ خاں کے جلوس پر آپ کو محبوس کیا گیا مگر بعد میں
وزیر معارف مقرر ہوئے۔ اس حیثیت میں بھی بڑی متانت ہمت اور علم دوستی سے اپنا
فرض بجا لاتے رہے۔ اخیر میں قطغن و بدخشاں کے نائب الحکومہ ہوئے۔ رعایا اُن سے
البتہ خوش تھی اور یہ حالت اس آیت پر عمل کرنے سے منتج ہوتی ہے فادخلی فی
عبادی وادخلی جنتی۔ میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ چنانچہ آپ نے رحلت
فرمائی تو دوسرا حصہ صادق آیا میرے بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

آپ کے رشید فرزندوں میں سے سردار احمد علی خان پہلے تو امان اللہ خان کی سلطنت
میں بیکار رہے مگر آخر ضرورت کے وقت آپ کو غزنی کا حاکم مقرر کیا۔ انقلاب کے مصائب
جھیلنے کے بعد آپ اول فرانس میں پھر لندن میں سفیر ہوئے اور اب وزارت معارف کے
عالی منصب پر فائز ہو کر ملت کی ترقی کے مقدم مسائل میں مشتغل ہیں۔ ان کے بھائی سردار
علی شاہ خاں امان اللہ خاں کی حکومت میں منضبط طور پر تربیت پانے کے بعد کرنیل ہوئے
اور اب عسکری ادارے میں سکرٹری ہیں۔ انقلاب میں آپ کی خدمات حیرت انگیز ہیں جو
ان کو ہیرو کا مرتبہ بخشتی ہیں جیسا کہ بیان ہوگا۔

ان کے چچا سردار احمد شاہ خاں امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں سر سرپچور رہے

(ہزارہ میرزادوں کے درباری افسر) اگرچہ بڑی محنت اور شرافت سے ایفائے وظیفہ
کرتے رہے مگر امان اللہ خاں کا سارا وقت ان سے کوئی کام نہ لیا گیا محض مصاحبت
کے فخر پر ٹرخایا گیا - حسرت خدمت میں انقلاب کے منہ میں داخل ہوئے مگر خوش بختی
سے جلدی نکل گئے کیونکہ بچہ سقانے آپ کو خام طمعی سے قاصد بنا کر یورپ روانہ
کیا تاکہ وہاں سے سردار محمد نادر خاں کو آنے کی ترغیب دیں - اس زمانہ صعوبت
کے گزرنے پر آپ وزیر دربار مقرر ہوتے اور شہزادہ محمد ظاہر خاں کے خسر بھی بنے -
اس ازدواج کا نتیجہ ایک فرزند ارجمند ہوا - آپ نہایت سرگرمی سے اپنی گذشتہ
عہد کی عطالت کی تلافی کر رہے ہیں -

سردار محمد یوسف خاں کے بڑے بیٹے سردار محمد عزیز خاں کو امیر حبیب اللہ خاں
کے عہد میں فارین سکرٹری (ایشک آقاسی خارجہ) کا منصب عطا ہوا - امان اللہ خاں
کے وقت آپ فرانس میں سفارت کے مستشار اور طلبہ کے مفتش مقرر ہوئے -
جہاں بڑی سختی سے ان کے اخلاق کی نگرانی فرماتے رہے - انقلاب کے بعد شاید اسی
نازک خدمت کے صلہ میں آپ کو برلن کے سفیر کی حیثیت میں ایک شقی القلب تعلیمیافتہ
افغان نے شہید کر دیا - مجھے اس قاتل کے لڑکپن کا علم ہے کہ اس کی طینت میں
قلنت تھی اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تربیت چھوٹی عمر کی عادات کو بدلے - مرحوم
سردار بہت صالح اور کریم النفس تھے - اہل ہند کی ہجرت کے ہنگامے میں آپ نے

بہت ہمدردی سے کام کیا تھا اور اس مجلس کے صدر تھے جو مہاجرین کی خبرگیری
کے لئے قائم ہوئی تھی۔ موجودہ سلطنت میں آپ روس کے پایہ تخت میں افغانی سفیر تھے
جہاں اپنا فرض بخوبی ادا کرکے جرمنی کی سفارت پر مقرر ہوئے تھے۔

ان کے بھائی سردار محمد ہاشم خاں سردار شاہ ولی خاں اور شاہ محمود خاں کا ذکر
خود اس کتاب میں اکثر جگہ آئے گا۔ ابتدائی زمانے میں سردار محمد ہاشم خاں امیر
حبیب اللہ خاں کے دربار میں سرسرورس مقرر ہوئے یعنی شریف زادوں کے ایک
گروہ کے سرگروہ جو درباری خدمات پر متعین تھے۔ پھر صوبہ ہرات کی افواج کے
نائب سالار ہوئے جہاں آپ نے بہت سی اصلاحات کیں خصوصاً سپاہیوں کو چوری
اور ڈاکے سے روک کر قواعد حربیہ میں مشغول کیا۔ سردار شاہ ولی خاں پہلے حبیب اللہ خانی
دربار میں رکاب باشی حضور یعنی ان سرداروں کے جو بادشاہی معیت میں رہتے افسر تھے
سردار شاہ محمود خاں کی خدمات سرداران حضوری کے عہدے سے آغاز ہوتی ہیں یعنی دربار میں خانہ زادوں کی
جماعت انکی ماتحت تھی۔ ان بھائیوں کی ہمشیرہ عفت و عصمت امیر حبیب اللہ خاں کے عقد نکاح میں آئیں
اور سردار اسد اللہ خاں باہمہ رشادت و شمائل حسنہ اس ازدواج کا گوہر آبدار ہے۔ کیونکہ
اس نے اپنے دادا اور ان کے بھائی کی روشن آغوش میں پرورش پائی ہے۔

فصل چہارم

امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں نادر خانی زینہ ترقی — کرنیل برگیڈیر اور جرنیل

سردار محمد نادر خاں بیس سالہ جوان ہیں اور یہ نوجوانی اور ماقبل طفولیت سب ہندوستان میں گذری ہے۔ چونکہ بچپن سے افغانی محاربات کے قصے سنتے ہیں جن میں یہ خاندان خود شریک رہا ہے محمد نادر خاں کو فوجی ملازمت کا خیال دامنگیر ہے۔ جس کے حصول کے لئے وہ مستعد اور کوشاں ہیں تاکہ نظر شاہانہ کے انتخاب میں آجائیں چنانچہ کابل میں پہنچنے کے دو سال بعد درباری رسالے میں کرنیل مقرر ہوتے ہیں۔ ان کے ماتحت سوار جو بادشاہی اردلیوں کی حیثیت میں حاضر دربار رہتے ہیں۔ تھوڑی مدت کی نئی افسری سے تمام فوج میں منظم اور ممتاز نظر آنے لگتے ہیں۔ اس منصب کے فرائض کو دو سال اتنی محنت و زحمت سے بجالاتے ہیں کہ بادشاہ اور اور معاصرین سب تحسین کرتے ہیں۔ اس کے صلے میں برگیڈیر کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور

تمغۂ خدمت بھی عنایت کیا جاتا ہے۔ آپ درباری عسکر کا امتیاز رکھتے تھے مگر بجائے تعیش کی طرف میلان کے اس سے یہ فائدہ اٹھاتے رہے کہ بادشاہ کے قرب وجوار میں جو لائق اشخاص جمع ہو کر اپنا خلاصۂ ہنر و فن پیش کرتے رہتے ہیں ان سے فوجی معلومات فراہم کرتے سیاحوں سے استفسار کر کے نظامی امورات کی ترقیوں سے آگاہ ہوتے اور ہر ممکن ذریعے سے حربی معاملات کی جدید ترین باتیں دریافت کر کے ان کو عملاً اپنے زیر دست افسروں اور سپاہیوں کو بتاتے۔

۱۹۰۹ء میں جب امیر حبیب اللہ خان نے ہندوستان میں سیاحت کی تو برگیڈیر محمد نادر خاں نمائندۂ عسکری کی حیثیت میں ہمرکاب تھے۔ نہ صرف افغانی دستۂ فوج کو شاندار اور باوقار حالت میں دکھاتے رہے بلکہ انگریزی افواج کے اجتماع و انضباط کے نکات کو خود بھی بنظر امعان دیکھتے رہے جو پشاور سے لے کر آگرہ تک آن بان کے ساتھ نمائش کرتی تھیں۔ اس سفر سے جو سبق حاصل کئے ان کو یاد کرنے اور دہرانے کا موقع ایک سال بعد افغانستان کے دورے میں ملا جو امیر موصوف نے بڑے تزک واحتشام سے سرانجام دیا تھا۔ قندھار، ہرات غزنی ترکستان وغیرہ سب جگہوں کی چھاؤنیوں کا ملاحظہ اور فوجوں کا معائنہ کیا اور سارے نظام کے متعلق واقفیت حاصل کر کے صدر مقام میں لوٹ کر اس کا اصولی اور اصلاحی انتظام شروع کیا۔ ہندوستان اور افغانستان کی سیر و سیاحت میں جو جدت و فعالیت

آپ سے ظاہر ہوئی۔ اس کے اجر میں دو سال کی لگاتار مشقت و مساعی کے بعد جرنیلی کا مرتبہ عطا ہوا۔

افغانستان میں ضرب المثل ہے کہ فوج چڑیا کی مانند اگر مضبوط پکڑی جائے تو چیخ اٹھتی ہے اور ڈھیلی چھوڑی جائے تو ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ جرنیل محمد نادر خاں اسے آراستہ و پیراستہ کرنا چاہتے ہیں جس کے لئے قواعد و ضوابط کی عملی زحمات لازم ہیں۔ چونکہ دوسرے افسر بےخبر و غافل ہیں اور ان کی فوجیں آرام سے دن بسر کرتی ہیں اس لئے ان کے قریب ہی انہی کے بھائی بند ضبط و ربط سے طبعاً بگڑتے ہیں پھر بعض فوجی دستے مثلاً پلٹن محمدی اور اردل سینہ زوری اور خودسری میں مشہور تھے۔ دیرینہ خدمات کے سبب جن کی روایات تازہ رکھتے نئے افسروں کی اطاعت سے جی چراتے۔ اسی طرح قومی پلٹنیں جو دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتے غیرت سے لڑتی تھیں امن کی حالت میں ذرا سی تحریک پر بغاوت پر اتر آتی تھیں۔ ان پر نئی تعلیم و قواعد کا بوجھ شاق تھا جیان کو ہر تابی اور بلوے پر اکساتا تھا۔ سعدی نے عسکری نصائح میں فرمایا ہے ؎ کہ تنگ آید ش دور رفتن ز تیر برادر بچنگال دشمن اسیر۔ مگر افغانوں کی خصوصیات میں کسی قدر دوسروں سے تفاوت ہے۔ اس لئے یہ سب مفید او رمعاً مضر جمعیتیں اصلاح نظام کی سدراہ تھیں جو ہمارے نوجوان جرنیل کو کھٹکتی تھیں اور ایک وقت آئے گا

کہ ان کو آہستہ آہستہ برطرف کرکے ان کی بجائے ایسی سپاہ بھرتی کریگا جو تربیت پذیر ہو مگر ابھی اختیار و استطاعت نہیں اس لئے حزم و احتیاط سے کام لیتا ہے۔ بتدریج کہنہ گرگوں کو دوسری پلٹنوں میں بکھیرتا ہے تو وہاں بھی تکبرو رعونت کا بیج بوتے ہیں اس لئے موقع پاکر موقوف کرتا جاتا ہے۔ قومی دستوں میں دوسرے قبائل کے آدمی داخل کئے جاتے ہیں اور سپاہیوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔

اس مشکل کے علاوہ سخت تر رکاوٹیں بھی ہیں۔ اول خود بادشاہ کا مزاج نازک ہوتا ہے اور پھر بادشاہوں میں فرق بھی ہے چنانچہ کابل کے ایک آزمودہ کار بوڑھے نے نصیحت کی تھی کہ امیر عبدالرحمٰن خان بادشاہ تھا اور امیر حبیب اللہ خاں شہزادہ ۔ لوگ اُس سے خوف کھاتے تھے حالانکہ اس سے ڈرنا چاہیئے۔ اس نے نشیب و فراز کا تجربہ نہیں کیا کیونکہ بادشاہ کے ہاں پیدا ہوا ہے۔ علاوہ برآں اس کا بڑا بیٹا جو غالباً ولی عہد بھی ہے فوج کا افسر اعلےٰ ہے اور اس میں وہ شہزادگی ہے جس سے جرنیل کیا سپہ سالار بھی لرزتا ہے حالانکہ وہ اس کا نانا ہے۔ ایک دفعہ اس نے خوش خلقی کی تاکید کی۔ جواب ملا کہ بس سپہ سالار تا لیفِ قلب نہ کر۔ اس نے کہا یہ لو کلاہ اور تلوار۔ فرمایا کہ تو ایک کتا نہ سہی دوسرا۔

جرنیل محمد نادر خاں کو نہ صرف اس شہزادانہ وزیر جنگ سے پالا پڑا تھا بلکہ اس کے

ایک بڈھا جرنیل محمود سامی سے بھی سابقہ تھا جو بحیثیت شہزادہ کے استاد کے پہلے سانپ تھا تو اب اُڑ کر ڈستا تھا۔ اس نے مکتب حربیہ کو ایک مندر بنا رکھا تھا جہاں چھوت کے لحاظ سے مسلمان تو پاؤں نہیں دھر سکتا تھا۔ بجائے معاونت کے محمد نادر خاں کے ساتھ بے اعتنائی کا سلوک کرتا اور ترکی فن جنگ کو اپنی خاص ملکیت سمجھتا۔ پھر خالہ بلی کی طرح شیر کو درخت پر چڑھنا نہ سکھاتا۔ پھر بھی بعض سپاہی شاقوں میں چھپ کر اس کی قواعد کے نکتے دیکھتے اور جرنیل کو بتاتے جس سے عام سپاہ میں ایک نئی بات مروج ہو جاتی الغرض آپ بڑی تدبیر و دانشوری سے سب مزاحمتوں کو عبور کر کے اپنے کام کی دھن میں لگے رہتے اور تمام ذرائع سے قدیم و جدید جنگی طریقوں کو فوج میں رواج دیتے تاکہ ایک مکمل نمونہ پیش کیا جائے اور وہ سارے افغانستان کے لئے سر مشق ہو سکے۔

فصل پنجم

سمت جنوبی کی پہلی بغاوت اور جرنیل محمد نادر خاں کی پہلی فتح

جب جرنیل صاحب حضر کی آراستگیوں میں مصروف تھے سمت جنوبی کی وہ بغاوت شروع ہوئی جو اگرچہ ان اطراف میں نئی چیز نہیں تھی مگر ہماری تحریر کے اعتبار سے پہلی کہی جائے گی کیونکہ اس سے قبل ہمیں سروکار نہیں اور بعد میں اسکی مانند اور حوادث پیش آتے رہے جو قلمبند ہوں گے۔ یہ پہلا واقعہ سنہ ۱۹۱۲ء میں ہوا۔ امیر حبیب اللہ خاں کی بارگزائی ملکہ معظمہ کے رشتہ دار اس طرف حاکم تھے محمد اکبر خاں خوست میں۔ خواجہ محمد خاں جاجی میں اور دوست محمد خاں گردیز میں۔ سب کے سب اپنی اپنی جگہ محصور ہو گئے بلکہ باغیوں نے کوتل تیرہ پر قبضہ کر کے پایہ تخت کے ساتھ ان کی آمد و رفت اور مراسلات بند کر دئے سمت جنوبی کی فوج عاجز آ گئی اور امیر جو اس وقت جلال آباد میں تھے سمت مشرقی کے قبیلوں کو مقابلے کے لئے آمادہ کرنے لگے کیونکہ فوجی مقاومت سے ان کو ایک گونہ

مایوسی ہو گئی تھی۔

میں اس وقت منجملہ اپنے رفقا کے شاہی قید میں تھا اور چونکہ اردلیوں کی پلٹن ہم پر پہرہ دیتی تھی اس لئے فوجی ہلچل کی ہم کو پوری آگاہی ہوتی تھی۔ سمت جنوبی کی بغاوت جب شدت پکڑ گئی تو اس کا اثر ہم پر یہ پڑا کہ ہمارے دروازوں کی زنجیریں جکڑ دی گئیں پھر بھی ڈاکٹر عبدالغنی نے جو ہماری مجلس اصلاحات کے صدر تھے ایک مضمون لکھ کر ہندوستان کے اخباروں میں شائع کیا جس کا ماحصل یہ تھا کہ اگر امیر ہماری تجاویز کو منظور کر لیتے تو یہ نوبت نہ پہنچتی۔ ہر قوم و قبیلے سے نمائندے دربار میں موجود ہوتے اور وہ اپنی اپنی شکایات پیش کر کے وقت پر ان کو رفع کرواتے۔ سمت جنوبی کے متعلق یہ سنا جاتا تھا کہ وہاں کے باشندوں نے بتکرار عرائض بھیجے مگر کوئی بھی عرض تقدیم نہ ہوئی آخر تنگ آ کر انھوں نے تلوار پر ہاتھ دھرا۔

حاکم سڑکیں بنواتا تھا اور سرکاری عمارت میں رعایا سے کام لیتا مگر یہ سب بیگار پر ہوتا اور مزدوری دی نہ جاتی۔ فوجی اور سرکاری اصطبلوں کے لئے چارہ وصول کیا جاتا اول تو اندازے سے زیادہ لیا جاتا پھر نرخ سے دس حصے کم قیمت دی جاتی۔ اسی طرح گداموں میں جمع کرنے کے لئے غلہ اور جنس رعایا سے حاصل کیا جاتا اور اس کی قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل ہوتی۔ ان تجاوزات سے عوام میں شورش پیدا ہوئی اور اشتعال کے لئے ایک دو باتیں اور رونما ہوئیں۔ بعض افغان قبائل میں ختنے کی رسم سے

اس لئے پرہیز کی جاتی تھی کہ دیرینہ دشمن نائی کو طمع دے کر استرے میں زہر لگوا دیتے تھے۔ حاکم نے احیائے سنت کے لئے سرکاری حجاموں کو مقرر کیا جن کی شکل دیکھ کر لڑکے پہاڑوں پر جا چڑھتے تھے۔ کشمیر کی طرح افغانی عورتیں بھی ایک لمبا پیراہن ٹخنوں سے نیچے تک اوڑھتیں اور اس کے اندر ازار نہیں پہنتی تھیں۔ متدین حاکم نے پاجامے کی تکلیف روا رکھی جس سے مردوں اور بچوں کے سوا عورتوں کو بھی حکومت کے خلاف بھڑکایا۔ فرصت پا کر بعض دولت مند لوگ مثلاً جاندا دخاں مع اپنے جرار بیٹوں کے جو گھوڑوں کے سوداگر تھے سرغنے بن گئے اور ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ یہ سب کے سب سپاہی اور اپنے گھروں میں تھے، فوج دوسرے علاقوں سے بحیثیت مسافر کے وہاں متعین تھی آناً فاناً مغلوب و مرعوب ہو گئی۔

جب امیر فوج منتظم کی طرف سے ناامید تھے تو جرنیل محمد نادر خاں نے درخواست کی کہ میں اس دستۂ فوج کو لے کر جس کی آراستگی میں کئی سال سے منہمک ہوں باغیوں کی سرکوبی کو اپنے ذمہ لیتا ہوں تو پہلے ذرا تامل سے سنی گئی مگر ان کے اصرار پر بادشاہی منظوری مل گئی۔ چونکہ اس عہد میں یہ پہلا محاربہ تھا اور اس کی تیاری کے لئے پہلے کوئی آمادگی نہیں کی گئی تھی اس لئے لوازم جنگ اور رسد رسانی کے مہیا کرنے میں تاخیر پیش آئی۔ مگر جرنیل موصوف بڑی جد و جہد سے جلدی روانہ ہو گئے اور ایک طرف فوجی نقل و حرکت اور مظاہرے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا دوسری جانب سمت

جنوبی کے باشندوں کے نام خطوط اور اشتہارات ارسال کیے جن میں ان کو تنبیہ
کی گئی کہ شرارت سے باز آئیں تو حکومت ان کے گذشتہ اطوار سے درگذر کرے گی
ورنہ توپوں کے ذریعے سے سزا دے گی۔ اگر کوئی غلط فہمیاں ہوں تو ان کو دور کرنے
کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ ان تحریروں میں دینی اور ملی جذبات کی طرف اشارہ کیا گیا اور موثر
طریقے سے صلح و امن کی ضرورت جتلائی گئی مگر قبل اس کے کہ یہ ابلاغ ہو اطلاع ملی کہ
باغیوں نے پیش قدم کر کے کوتل تیرہ میں مستحکم مقامات بنا کر پانچ چھ ہزار آدمیوں کو شبخون
مارنے کے لئے اکٹھا کیا ہے۔ ان کے ارادے کے اجرا سے پہلے راتوں رات
پہاڑی توپوں کو گھاٹی پر چڑھا کر صبح ان پر حملہ کیا گیا جس میں تین سو تلفات دے کر
دشمن بھاگ نکلا۔ یہ جرنیل محمد نادر خان کی پہلی فتح اور باغیوں کی پہلی شکست تھی جو اب
تک لگاتار کامیابیوں کے نشے میں آگے بڑھتے چلے آتے تھے۔ حتیٰ کہ عنایت اللہ خان
معین السلطنہ اغلب ولی عہد اور وزیر حرب نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر وہ اسی طرح
گستاخانہ اقدام کرتے گئے تو ہم انگریزوں کو کہیں گے کہ پیچھے سے ان کے گھروں
میں گھس کر ہمارا بدلہ لیں۔

ہمارے جرنیل کی ہیبت اس اول مظفریت سے پھیل الی کہ اکثر قبائل مطیع ہو
گئے اور جن کی نیت خراب تھی وہ پہاڑوں پر جا چھپے۔ جاندا دخان کا قلعہ تسخیر ہو گیا جس
سے بہت سا غلہ ہاتھ لگا۔ اس کی احمدزائی قوم اور نیز ہنگنگ کے بعض ملک حاضر ہو کر

فرمانبرداری کا دم بھرنے لگے۔ جرنیل صاحب نے ان تحریروں کے علاوہ جو تمام علاقے میں شائع کی گئیں لوگوں کو جمع کرکے اطاعت و اتفاق کی نصیحت کی اور پھر کوچ کرکے گردیز میں جا مقیم ہوئے جہاں سے خوست جاجی اور جدران وغیرہ میں قاصد بھیجکر فوج کو تعرض سے منع کیا اور جرگے منعقد کرکے مصالحت کی تجویز کی۔ پائونیر نے اس کے متعلق ایک مضمون لکھا جس میں طنز سے یہ بیان کیا کہ افغانی جرنیل اپنی قدیم جنگی عادت چھوڑ کر برطانوی تدبیر سے دشمن کو تابع بنانا چاہتا ہے۔ اسے ابھی معلوم نہیں تھا کہ جرنیل اپنے ذاتی کمال سے اس دشمن کو ایسا رام اور معتقد بنائے گا کہ خود انگریزوں کے مقابلے میں کبھی اس کے کام آئے گا اور اگر لڑائی سے منقاد کرتا تو باغیوں کے مقتولین اس کے اپنے آدمی ہوتے اور کینہ جدا نسلوں تک باقی رہتا۔

ان صلح جویانہ کوششوں کا ثمرہ جلدی حاصل ہو گیا۔ سب رعایا خوش ہو گئی۔ ان کی شکایات سنی گئیں۔ انھوں نے تائب و نادم ہو کر جو چھاؤنیاں اور سرکاری عمارات منہدم کی تھیں ان کو دوبارہ آباد کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ جو مفسد و مجرم جنگلوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے ان کو گرفتار یا حاضر کرنے کا ذمہ لیا۔ جرنیل صاحب کے ساتھ سمت جنوبی کے سات سو تیس آدمی دربار میں پیش ہونے کو آئے جن میں ایک سو سے زیادہ ملکوں اور خانوں کے بیٹے تھے جو یرغمال ہونے کے علاوہ اس مقصد سے لائے گئے تھے تاکہ مکتب میں جو خاص انہی کی خاطر تاسیس کیا جائے گا تعلیم و تربیت سے بہرہ ور

ہوسکیں۔ ایک کرشمے سے دو کام لیئے گئے وہ بطور ضمانت کے رکھے گئے جس کا اظہار نہیں کیا گیا اور والدین اسے اپنا فخر سمجھتے تھے۔ نیز آئندہ اپنی اقوام کو علم وعرفان سے منور ہو کر خبردار و بیدار کریں گے۔ بانی مکتب علاوہ معینہ پرداخت کے صبح وشام وہاں جاتے اور طلبہ کی ترقی و ترفیع کے متعلق تحقیق کرتے جس سے البتہ بہت جلدی کامیابی کی صورت نظر آنے لگی۔

زمانے کی گردش کا ایک غیر متوقعہ چکر یوں پھرا کہ جب امان اللہ خاں نے شروع سلطنت میں اس مؤسسہ کو موقوف کر دیا تو اس کے تعلیمیافتہ طلبہ بیکار پھرتے نظر آئے۔ جب جرنیل شاہ محمود خاں سمت جنوبی میں حاکم مقرر ہوئے تو اپنے خاندان کی روشن روایات کے مطابق انھوں نے وہاں بیس نئے مکتب کھولے۔ چونکہ اس علاقے میں صرف پشتو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہمارے پاس صرف فارسی جاننے والے معلم موجود تھے تو ملک زادوں کے قدیم مکتب کے فارغ التحصیل نوجوان راس آئے اور انھوں نے بڑے موزوں اور ہمدردانہ طریقے سے اپنی قوم کے بچوں کو سنبھالا اور سدھارا۔ کبڑے کے لات ٹھکانے لگی۔ راست آمد کوز پشتے را لکد۔

جرنیل محمد نادر خاں علاوہ ان اطلاعات کے جو محاربے اور فوجی و قومی کارروائیوں کے متعلق راساً اعلیحضرت کی خدمت میں ارسال کرتے تھے وقتاً فوقتاً سراج الاخبار

میں بھی مقالات بھجواتے تھے اور آخر اپنے تمام حالات اور معرکوں اور جرگوں کی مفصل کیفیت بھی اسی میں درج کرائی۔ خود کابل کے اخبار مذکور میں اس کے نامہ نگاروں کی طرف سے بھی اکثر مضامین نشر ہوتے رہے جس سے سمت جنوبی کی اس بغاوت اول کا پورا حال معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس قدر دشوار مرحلہ تھا جو جرنیل صاحب کی ہمت و شجاعت سے نہایت خوش اسلوبی اور کامگاری سے طے ہوا۔ بادشاہ اور ملت اس فتح پر نہایت مسرور و متشکر ہوتے چنانچہ جرنیل صاحب کا استقبال جس دھوم دھام سے کیا گیا اس سے ملی فرحت کا قیاس ہو سکتا ہے اور امیر حبیب اللہ خاں نے جس عزت و محبت سے ان کو باریاب کیا اس سے بادشاہی شادمانی کا سراغ ملتا ہے۔ محمد نادر خاں اپنے خاندان جلیلہ کی وجہ سے تو سردار تھے ہی اب منصبی اعزاز میں ان کو سرداری کا لقب عنایت ہوا اور نیز نائب سالاری کا بلند عہدہ ملا جو دربار کے ساتھ مربوط ہونے کے سبب افتخار کا موجب ہوا۔ سردار محمد نادر خاں نے جیسا کہ شرفا کا قاعدہ ہے بلا تاخیر ان تمام افسروں کو جنہوں نے محنت و مجاہدت کا ثبوت دیا تھا اپنی مانند تمغے دلوائے اور ایک درجہ ان کے منصب میں بڑھوایا۔ عام سپاہ کو بھی بخشش دی گئی تحسین نامے اور انعامات تقسیم ہوئے۔ قبائل کے ارکان و افراد کو بھی جنہوں نے آپ کی ہدایات کی تعمیل کی تھی فاخرہ خلعتیں اور نقد صلے ملے اور یہ مشکل منزل کمال خوبی اور نیکنامی سے انجام کو پہنچی۔

فصل ششم

سردار محمد نادر خاں کی فوجی اصلاحات

نائب سالار صاحب نے ملک زادوں کے مکتب کی مثال پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان خالص افغانی النسب لڑکوں کے ہم پلہ ایک اور قوم کے بچوں کو بھی آغوشِ تربیت میں لیا جو نئی مسلمان ہوئی تھی اور جن کا ملک اس لئے کافرستان سے نورستان موسوم ہوا تھا۔ ملک زادوں کی طرح اس مکتب جدید الاسلام میں بھی طلبہ کی اقامت اور کھانے کا انتظام سرکار کی طرف سے ہوتا اور اسکی نگرانی بھی نائب سالار صاحب خود خاص توجہ سے کرتے۔ مکتب حبیبیہ کے سند یافتہ نوجوان ان مکاتب کی سرمعلمی اور مدرسی پر مقرر تھے اور چونکہ آپ کو ہندوستان کے ساتھ دلی رابطہ تھا ہندی معلموں کو جمناسٹک پر اور جنہوں نے انگریزی فوج میں ملازمت کی تھی ان کو قواعد سکھانے پر لگایا۔ تھوڑے عرصے میں جدید نوجوان فن سپاہگری سے واقف ہو کر چھوٹے افسروں کے عہدوں پر نکلنے لگے اور امتحانات میں امتیاز کے موافق حوالداری سے لیکر سوبیداری تک انکو دی گئی تجربے سے وہ اس کے اہل ثابت ہوتے رہے۔

مکتب حربیہ ایک بغدادی مدیر کے ماتحت جس کی تنگ نظری اور خودسری کی طرف اشارہ ہوا ہے ۱۹۰۸ء سے قائم ہو چکا تھا۔ اب نائب سالار صاحب نے تفتیش کر کے اس شخص کے خلاف بہت سے امور جو شرعی اور ملی احساسات سے مغائر تھے دریافت کئے جن کی پاداش میں وہ افغانستان سے ذلیل ہو کر اخراج کیا گیا۔

فَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

یہ مدیر امان اللہ خان کی وساطت سے پھر بلایا گیا مگر مکتب حربیہ میں سردار محمد نادر خاں نے اسے واپس نہ لیا اور دوسرے ترکی افسروں کے ذریعے سے فوجی تعلیم جاری رکھی۔ بیسیوں لائق اور ضابط نوجوان یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر سپاہ کی رہنمائی پر مامور ہوئے یہانتک کہ امان اللہ خاں کے عہد میں پھر اسی محمود سامی کا ستارہ چمکا وہ جرنیل پاشا کی مرتبت میں دوبارہ بداخلاقیوں اور فسادات کا مرتکب ہوتا رہا مگر اس کا مؤاخذہ نہ ہوا حتیٰ کہ علاوہ افعال شنیعہ کے ایک شاہی خاندان کے متعلم کو چھڑیوں سے مار ڈالا پھر بھی پکڑا نہ گیا۔ جیسا محمد نادر خاں نے نائب سالار کی حیثیت میں اسے مجرم ثابت کر کے سزا دلوائی تھی آخر بادشاہ کی منزلت میں مجلس تحقیق کے ذریعے اس کے مزید جرائم کی جزا میں اسے قطعی کیفر کردار کو پہنچایا اور مکتب حربیہ کو اپنے معتمد اور صالح جوانوں کی مدیری میں منتقل کر کے سرچشمۂ فیضان و معدن شجعان بنایا۔

پھر عام سپاہ کی طرف ملتفت ہو کر نائب سالار صاحب نے حتی الوسع انکے

تمام امورات میں اصلاحیں نافذ کیں۔ پہلے ان کی تنخواہ میں جو دس روپے ماہوار اور غیر کافی تھی دو روپے کی افزونی کرائی اور اس میں سے چار روپے ماہوار کا غلہ ارزاں نرخ پر سرکاری گداموں سے سپاہیوں کو دلوایا۔ پھر ان کے لباس کی تعیین و تزئین کا انتظام کیا۔ چھاؤنیوں کو صاف اور آراستہ کر کے ان کے نزدیک بازار کھلائے۔ تفریح کے لیے میدان ہموار کرائے۔ مساجد بنوائیں۔ اور ان میں امام مقرر کیے۔ الغرض ہر جہت سے عسکر میں تر و تازگی کے آثار نمودار ہو گئے اور چستی و چالاکی کی روح پھونکی گئی۔

نائب سالار محمد نادر خاں کی خدمات برجستہ ایسی ممتاز تھیں کہ اب ان کے لئے سپہ سالاری کا منصب بلا مقابلۂ احدے لازمی حق تھا چنانچہ امیر محمد خاں سپہ سالار کے ضعیف اور ہمیشہ مریض ہونے پر ان کو بھی اسی تنخواہ پر رکھکر امیر حبیب اللہ خاں نے ان کی بجائے سردار محمد نادر خاں کو سپہ سالار مقرر فرمایا جو اب اختیارات کی وسعت پا کر بیش از بیش سعی و کوشش سے عساکر کی تنظیم و تنسیق کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو امور آپ کی اصلاح کے اول طالب ہوئے ان کی مختصر فہرست یہ ہے :۔ مرکزی اور تمام ملک کی افواج کے بجٹ میں تعدیل و ترتیب۔ افسروں کی تبدیل و ترفیع۔ ہر عسکری حصہ سے فوری رپورٹ کے علاوہ پندرہ روزہ اطلاع طلب کرنا۔ اسلحہ اور لوازم حربیہ کا تہیہ۔ ارکان حربیہ عمومیہ کی تشکیل۔ امور نقلیہ اور

رسد رسانی کی تکمیل۔ تنخواہ کی طرف سے سپاہ کا اطمینان۔ حاضری رخصت وغیرہ کے قاعدے۔ فوجی شفاخانے اور حفظ الصحت۔ ورزشوں اور کھیلوں کا انتظام۔ ہفتہ وار پریڈوں کا اہتمام۔ اسلحہ کی فیکٹری میں ترقی۔ چھاؤنیوں کی تعمیر اور سرحدات میں ٹھانوں کا قیام۔ مکاتب حربیہ کی نگرانی۔ مخابرہ کی جماعتیں کھولنا اور خبر رسانی کو عام کرنا۔ عسکری کتبخانہ اور دارالترجمہ کی بنا۔ عسکری لوائح اور اوراق کا نشر کرنا۔ محاربے کی مختلف صورتوں کے نقشے کھچوانا۔ افسروں اور ماتحتوں کے فرائض و تکالیف کی توضیح محارب غیر محارب اور عسکری صنوف کی ترتیب۔ مصنوعی لڑائیوں کی تیاری۔ گھوڑدوڑ اور فوجی ورزشوں کے مسابقے۔ مجالس تفتیشیہ کا تقرر۔ بوڑھے اور ضعیف افسروں اور سپاہیوں اور نیز مفسد و بداخلاق اشخاص کی برطرفی اور ان میں سے لائق خدام کی قدردانی پنشن یا زمین کی بخشش سے۔ نئے سپاہی بھرتی کرنے کے ضوابط جن کی رو سے تین سال کے بعد پہلے فارغ اور ان کے عوض دوسرے داخل ہوں۔

اگرچہ افغانستان ایک عسکری ملک ہے اور تمام ملت جو بوڑھوں اور عورتوں پر بھی مشتمل ہے فن سپاہگری سے واقف ہے مگر پھر بھی منضبط لشکر ایک علیحدہ چیز ہے چنانچہ امیر حبیب اللہ خان نے سراج التواریخ میں نوٹ لکھا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع کی مدد کے بہانے پر جو فتح پائی اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ نپولین کے سقوط پر اس کے دو تین آدمی سکھوں کی فوج کو مرتب کرنے پر مقرر ہوتے تھے

سپہ سالار محمد نادر خاں اس نکتے سے آگاہ تھے اس لئے آپ کی تمامتر مساعی
عسکری انضباط پر صرف ہوتی تھیں شیکسپیئر نے نقل کیا ہے کہ امن کے زمانے
میں بزدل اور ڈرپوک اشخاص کی پرورش ہوتی ہے۔ بہادر اور قومی لوگ تجربے
سے بے بہرہ رہ کر آڑے وقت پر کام نہیں آتے چنانچہ امیر عبدالرحمن خاں کے عہد
سے ایک نسل کا زمانہ صلح میں گذرا تھا جس کے تقاضے سے فوج کی طرف کما حقہ
التفات نہیں ہوئی تھی۔ سردار محمد نادر خاں نے منگل کی بغاوت میں اس وخیم نقص
کو محسوس کیا اور ترتیب تین ہزار عسکر کے اغرام میں دیر لگی تو اگرچہ آپ کی ہوشمندی
اور وقت کے مطابق روش سے لشکرکشی مظفریت میں منتج ہوئی مگر آپ نے تمام
نقائص پر علم آوری کر کے ان کو رفع کرنے کی ٹھان لی اور باوجودیکہ قہرمانئے سلطنت
اور دوران حکومت عیش وطرب کی جانب بہائے لئے جاتا تھا مگر آپ نے موج کے
مخالف بلکہ پہاڑی اونچائی کی طرف صعود کیلئے ہاتھ پاؤں مار کے فوج میں وہ ترقیاں
ظاہر کیں جن سے وہ بڑی سے بڑی قوت کے ساتھ زور آزمائی کے لئے آمادہ ہوگئی۔

جنگ یورپ اور اس سے ضمنی استفادہ

اس اثنا میں جنگ عظیم جس میں دیکھتے دیکھتے تقریباً سارا جہاں صف آرا ہو گیا افغانستان پر بھی اپنا اثر کئے بغیر نہ رہی۔ انگریز اور روس جو چندے قبل متحد ہو کر افغانستان کو آپس میں بانٹنا چاہتے تھے حتیٰ کہ بدخشاں کی طرف افغانی سرحد میں روسی مداخلت عملاً شروع بھی ہو گئی تھی اپنی اپنی اور باہمی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے سردار محمد نادر خاں کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ جس جزیرہ درقد میں یہ روسی قبضہ عالمگیر لڑائی کے سبب اُٹھ گیا تھا۔ جب امان اللہ خاں کے وقت پھر رونما ہوا تو عسکر اس قابل ہو گیا تھا کہ مقابلے کے لئے حرکت کرے اور روس اس آمادگی کو ملاحظہ کر کے دوبارہ مجبور ہو کہ دریائے آمو کے درمیان قدم جما کر پھر اس جزیرے سے پاؤں باہر ہٹائے۔ قطبی ریچھ کی متعرضانہ اوضاع میں یہ پہلے رجعت کے واقعات ہیں ورنہ جہاں کہیں اس نے اپنا جسیم جثہ گھسیڑا ایسے پنجے گاڑے کہ پھر پیچھے ہلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ سمرقند بخارا اور خیوا اسی طرح اس کے شکار رہے۔ انگریزی

امور خارجہ کا شیر ہر چند اعتراضات سے ڈراتا دھمکاتا رہتا مگر کبھی وسط ایشیا کے صیدوں کو چھوڑ نہ سکتا۔ آخر دونوں نے ملکر ایران اور افغانستان کے حصے بخرے کرنے کی ٹھانی۔ کوہ ہندوکش حد فاصل قرار دی گئی اور ایک طرف روس کا اور دوسری جانب انگریزوں کا حلقۂ نفوذ ٹھیرا۔

یہ زمانہ تھا کہ چند حساس اور با حمیت افغان جوانوں نے ایک مجلس قائم کی جس کا مقصد اندرونی اصلاحات کے علاوہ یہ بھی تھا کہ افغانستان کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھے چنانچہ اس مجلس نے جو عریضہ امیر حبیب اللہ خاں کی خدمت میں تقدیم کیا اس میں یہ عبارت تھی کہ سیاسی ابر ملک پر چھائے ہوئے ہیں۔ شمال اور جنوب دونوں طرفوں سے گھٹائیں اٹھکر مطلع کو تیرہ و تار کر رہی ہیں۔ ملت افغان کو متفق ہو کر مدافعت پر کمر باندھنی چاہئیے اور جب تک مفسد اور ظالم دست درازیوں سے باز نہ آئیں۔ رشوت خوریوں سے دست بردار نہوں اور خود غرضی سے اور آزار خلق سے کنارہ کشی اختیار نکریں اتفاق کی صورت نہیں بندھ سکتی۔ افغانستان کے مطلق العنان بادشاہوں میں سے امیر حبیب اللہ خاں کو تاریخ میں یہ پہلا موقع پیش آیا جو موجودہ اسلامی ممالک میں اس سے قبل شکل دکھلا چکا تھا کہ ملت کی طرف سے اصلاحات کا مطالبہ ہو۔ اگرچہ بادشاہ بگڑا کیونکہ ع نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد ۔ اور پھر بات بھی وہ جو انکی شخصی آزادی کو ٹھیس لگائے مگر اس کا اثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ ہم لوگ قید میں ڈالے

گئے اور بعض قتل بھی ہوئے مگر امیر نے خارجی اختلال کو رد کیا۔

ہمارے مصلحانہ مقاصد سے متاثر ہو کر سردار محمد نادر خاں اگرچہ بادشاہی عقیدتمندی میں ثابت قدم تھے مگر ہمارے ساتھ بھی ہمدردی کرنے لگے اور یہ ہمارے گیارہ سال کے عرصۂ محبوسیت میں مہربانی اور امداد کے سلوک سے ظاہر ہوتی رہی جو ان کی نیک نیتی حق پرستی اور ملت دوستی کی صریح دلیل ہے۔ اسی طرح جنگ عظیم کے چھڑنے پر جب ہندوستان سے چند نوجوان متعلم کالجوں سے بھاگ کر کابل میں وارد ہوئے تاکہ افغانوں کے ساتھ شامل ہو کر ہندوستان میں فاتحانہ مراجعت کریں اور وہ اپنی امیدوں کے خلاف نظربند کئے گئے تو ان کے ساتھ بھی سردار محمد نادر خاں نے شفقت اور مراعات کا معاملہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ نواز خاں اور ان کے ساتھی ایسے ان کے گرویدہ ہوئے کہ جاں نثاری کی خدمات پر بعد ازاں اقدام کر کے آخر مورد انعامات بنے۔ اسی طرح خیرالدین ترک جو افغانی ملازم تھا سرحد میں جا کر آزاد افغانوں کو انگریزوں کے برخلاف اکساتا ہوا پکڑا گیا اور واپس لایا جا کر حراست میں رکھا گیا تو اس کے ساتھ الطاف کا برتاؤ کیا۔

اب دولِ متحاربہ میں سے ترکوں اور جرمنوں نے کاظم بے فان ہنٹنگ مولوی برکت اللہ اور راجہ مہندرہ پرتاپ کو افغانستان میں بھیجا تاکہ امیر کو لڑائی میں شریک

ہونے کی ترغیب دیں۔ دوسری طرف انگریزوں کی یہ کوشش تھی کہ افغان ان کے ساتھ ملیں یا اقلاً بے طرف رہیں چونکہ وہ امیر کو پہچانتے تھے اور حضرت صاحب چارباغ وغیرہ کو ہاتھ میں لاکر اپنا بنا چکے تھے۔ اس لیے انھوں نے اطمینان سے اپنی تمام فوجیں فرانس اور عراق کی جانب روانہ کردی تھیں۔ یہ اطلاع افغانستان میں پہنچی کہ صرف گیارہ بارہ ہزار عسکر ہندوستان میں موجود ہے۔

جنگجو لوگ بیتاب ہوئے۔ غنیمت کا پنجاب انتخاب ہفت کشور اور کشمیر کا جنت بے نظیر تو احمد شاہی افغانوں کا ترکہ ہی سمجھا جاتا تھا۔ اب افغانستان بندرگاہ کے بغیر خانہ بے در تھا۔ اس لئے کراچی قبضے میں ہونی چاہیئے۔ پھر فرصت ہاتھ نہیں لگیگی۔ اب انگریز دوسری طرف مصروف ہیں۔ اگر ہم ہندوستان پر چڑھائی کریں اور انگریز مقاومت کریں تو ضرور ہے کہ مقامات مقدسہ سے افواج واپس بلائیں اور یہ بھی عین مراد ہے۔ ترک بھائیوں کی امداد ہوگی۔

ان باتوں کو بعض لوگ خیالی پلاؤ سمجھتے تھے اور جوانوں کی امنگوں پر پانی پھیرنے کے لئے بخارا کی کہانیاں سناتے تھے کہ جب روس نزدیک آگیا تو امیر نے مجلس مشورت منعقد کی۔ ایک ملا نے کہا ان کی ریل کی پٹڑی پر صابون مل دیں کہ جس سے مع فوج کے وہ پھسل پڑیگی۔ دوسرے نے رائے دی کہ اندیشے کا مقام نہیں ہے اگر یہاں آ بھی گیا تو کچھ مدت کے بعد گھر یاد آئے گا اور واپس چلا جائے گا

حب الوطن من الایمان آخر وہ آپہنچا تو ایک لاکھ آدمی اس کے مقابلے کو نکلے سب گدھوں پر سوار اور چینکیں پیالے اور سماوار بیں لٹکاتے میدان میں اتر کر چائے پینے لگے۔ روسیوں نے خالی توپیں چلائیں تو موقرانہ رجعت کر کے گھروں میں آدم لیا اگر کسی نے لڑائی پر اقدام کیا تو ان افغانوں نے جو بخارا میں مقیم تھے۔

حربی فریق کہتا کہ مانا انگریز فارغ ہو کر کابل اور قندھار ضرور لے لینگے مگر جیسا دو دفعہ مجبوراً چھوڑ کر چلے گئے۔ تیسری بار بھی یہی یقین ہے بلکہ تجربہ کار قوم پہلے حوادث سے سبق لے کر اب کیوں اپنی بدبختی کو دہرائے گی۔ ان کے اپنے مورخ لکھ چکے ہیں کہ وزیر اکبر خاں کے ہاتھوں انگریزوں نے وہ روز بد دیکھے ہیں کہ ایسا سیاہ دھبا ان کی تمام تاریخ کے صفحات پر نمونہ نہیں رکھتا پھر سردار ایوب خاں سے میوند میں شکست فاش کھائی جسے اکثر افغان جشمدید بیانات سے جوانوں کو ابھارتے اور فخر دلاتے ہیں۔

ان "جنگجو" خیالات کے برعکس امیر اور ان کے ولی عہد بھی تھے جن کے پیر و مرشد حضرت صاحب چارباغ تھے اور انہیں ترک حرم کعبہ سے یاد کر چکے تھے جس کے جواب میں انہوں نے یہ فقرہ کسا تھا کہ میں ان کو نہ صرف مکے مدینے بلکہ بصرے اور بغداد سے بھی نکال کر چھوڑوں گا۔ سردار نصر اللہ خاں ساری عمر مجاہد اور غازی ہونے کے شوق و شہرت میں گذار کر آخر کو لت و کہالت کے ساتھ عیش و عشرت

میں ایسے پھنس گئے تھے کہ انہیں میدان جنگ میں اترنے کا دیرینہ ذوق و میلان ہی نہیں تھا۔ ان کو امیر نے اس کمیٹی کا صدر مقرر کیا جو افغانستان کی روش کا فیصلہ کرنے کے لئے منعقد کی گئی۔ سردار محمد نادر خاں اس رد کو دیکھتے تھے اور موج کا چڑھاؤ بدیہی تھا کہ انگریزوں کی طرف اچھل رہا ہے۔ نوشیرواں اور بزرگ مہر کا قصہ سعدی نے انہی مواقع کے لئے بیان کیا ہے۔ بیشک امان اللہ خاں مخالف تھے مگر اسوقت نقار خانے میں طوطی کی آواز سنائی نہیں دے سکتی تھی۔

آخر بے طرفی کا رویہ طے پایا مگر سپہ سالار محمد نادر خاں نے کمیٹی میں یہ بھی فیصلہ کرالیا کہ ہرچند افغانستان کا موجودہ محاربے میں کسی کے ساتھ تعلق نہیں ہوگا مگر احتمالی لڑائی کے لئے پوری آمادگی لازمی ہے۔ اگر بلجیم کی طرح یہاں کسی متخاصم نے دخل دینے کی جسارت کی تو دشمن کی کھال کرالٹا لوٹایا جاسکے۔ عاقلانہ ہمت سے اس فیصلے کو فوراً تعمیل کا جامہ پہنایا اور کاظم بے وغیرہ سے ہی عسکری تیاری کا کام لیا۔ افغان افسروں کی جماعت اس سے درس پڑھتی اور وہ قاعدے جو آخر میں اسی جنگ عظیم کے تجربے سے صحیح ثابت ہوئے تھے سکھلائے جانے لگے۔ افسر انکو سیکھ کر اسی دن اپنے اپنے دستہ فوج میں سپاہیوں پر اس کا عملدرامد کرتے۔ کابل کے نواح میں سنگر یعنی خندقیں کھدوائی جانے لگیں تاکہ سپاہ اس فن حرب کے نئے طریقوں سے آگاہ ہو جائے اور ساتھ ہی پایہ تخت بھی محفوظ بن جائے

مصنوعی لڑائیاں جاری کی گئیں اور جدید یا ضوابط و دقائق جو جدید جرمنی وغیرہ نے معرضِ ظہور میں پیش کئے تھے فوراً عاید کئے گئے۔ آسٹریا کے افسر بھی روسی قید سے چھوٹ کر افغانستان میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ ان سے بھی طرح طرح کی مدد لی گئی۔ غرض یہ کہ دانشور سپہ سالار نے فرصت کو غنیمت جان کر ہر ممکن ذریعہ سے فوج کی تعلیم و تنظیم میں پوری جد و جہد دکھائی۔

مفید اقدامات پر طبعی اور غیبی ابتلا و بلا

بادشاہ کی طرف سے سپہ سالار کو کوئی تامل یا شبہ نہیں تھا کیونکہ سردار محمد نادر خاں اور ان کا تمام خاندان وفاداری اور عقیدت مندی میں مشہور تھے بلکہ امیر حبیب اللہ خان باوجود اپنے سامان تعیش و استراحت کے فوجی نمائشوں اور کرتبوں میں شریک ہو کر افسروں اور سپاہیوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ ملت کے سمجھدار اور روشن افکار اشخاص بھی عسکری تیاریوں کو پسند کرتے بلکہ لازمی جانتے تھے مگر اس لزوم و ضرورت کا بار عساکر پر پڑتا جو اس کے عادی نہیں تھے۔ اگرچہ وہ بھی قوم میں داخل تھے اور ان کی خیرخواہی سپہ سالار کے لئے بحیثیت ان کے خاص حاکم کے مقدم تھی چنانچہ جیسا پہلے مذکور ہوا ان کی تنخواہ میں افزونی ان کے غلے کی فراوانی اور ان کے لباس وغیرہ کی آسائش میں مراعات عمل میں لائی گئیں مگر رات دن کی مصروفیت سے اور خصوصاً بڑی عمر میں وہ سبق یاد کرنے سے جن میں مشکل کلمات ٹھونسے ہوئے تھے وہ چلا اٹھے اور مسلح سپاہ کی چیخ بڑی خوفناک چیز ہوتی ہے۔

مجھے قلعے کی اور کوتوالی کی فوجوں کا علم ہے جن کی حراست میں ہم تھے۔ یہ سب دانت پیستے تھے۔ جرمنوں کو تو شروع میں گالیاں دیتے ہی تھے تھوڑے دنوں کے بعد باوجود عام احترام کے سلطان کو بھی کوسنے لگے جس کے نوکروں نے نئی قواعد اور ترکی محاورات سے ان کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ سپہ سالار کو اس عسکری بیزاری کا بھی سامنا کرنا تھا اور مصلح اشخاص کو ہمیشہ ان مزاحمتوں سے سابقہ ہوا ہے۔

ہم پر سردار محمد نادر خاں کی نظر عنایت پہلے سے تھی مگر جنگ عظیم میں ہم غیبی زنجیر سے جکڑے گئے۔

چو صبح آسیا پابند یکجا بدستے ماندم ٭ بگردم گردش گردوں سلامت عالمے باید

مادیات کے قائل اسے اتفاق سمجھیں مگر متواتر وقائع ایک منطقی اسباب و نتائج کا سلسلہ پکڑ لیتے ہیں جس سے انکار کرنا معقول نہیں ہے۔ ہر مفید کام کے مقابلے میں اسکے افادے کے اندازے سے مصائب جھیلنی پڑتی ہیں ع گوہر مقصود در جیب زیاں انداختہ لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک۔ قید قتل یا اخراج مصلحان قوم کا نصیبہ ہیں جس سے ہمیشہ ان کو پالا پڑتا ہے۔ سردار محمد نادر خاں کبھی اسی بد نصیبی کا شکار ہوتے ہیں اور ہم تو مدتوں سے گرفتار تھے۔ ہر چند رہائی کے لئے کوشش کرتے مگر غیر متوقع رکاوٹ پیش آ جاتی۔ ایک دفعہ امیر نرمی پر مائل ہوئے اور امید بندھی کہ ہمکو چھوڑ دینگے تو یہ حادثہ پیش آ گیا۔ ایک نیک سپاہی ہم کو مظلوم اور بے گناہ سمجھکر ہمارے معمولی

کام کاج کرتا تھا اس کی بہن حرمسرائے میں لونڈی تھی جو اکثر بیمار رہتی اور ڈاکٹر غلام محمد اسکے معالج تھے۔ یہ جدیدی سپاہی اپنی قومی خصوصیت سے غلین کو گاف بلا تاجس کے تلفظ سے غلط فہمی ہوئی کہ وہ گل محمد ہے جو ہم ہیں سے ڈاکٹر عبد الغنی کے دوست تھے انہوں نے اس سپاہی کو خط دیا جس میں سفارش کی کہ اس کی بہن کا اچھی طرح علاج کیا جائے یا اسے گھر بھیجدیا جائے۔ امیر کو اطلاع ہو گئی جو بہت برافروختہ ہوئے کہ میں سپاہیوں کو محبوسین کی حفاظت پر مقرر کروں اور وہ ان کی خدمت بجا لائیں۔ اس کو تو گولی سے مار دیا اور ہماری نسبت یہ فرمایا کہ میری حرمسرائے میں دست اندازی کرتے ہیں سردار محمد نادر خان قلعہ کے افسر تھے ان کو کہا کہ تمہاری غفلت سے سپاہی اور محبوس آشنا ہو جاتے ہیں اسلئے ہم پر ہر روز نئے سپاہیوں کا پہرہ لگنا شروع ہوا۔ باوجود اس کے ان کی دلی ہمدردی سے ہم محروم نہ ہوتے اگرچہ ہماری کشائش کے دروازے چندے اور بند ہو گئے۔

چند سالوں کے بعد پھر بادشاہی ملاطفت کا اظہار ہوا اور ہمارے کاغذات طلب کئے تاکہ ہماری رہائی کے فرمان صادر ہوں۔ جب منشی نے میز پر تمام کیفیت تیار کر کے رکھی اور وہ پڑھنے اور امیر سننے کے لئے بیٹھے تو دفعتہً بھونچال کے شدید جھٹکے نے ہماری آرزوؤں کے ایوان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ امیر زلزلے سے ذرا زیادہ ہی ڈرتے تھے اس کے بعد کئی دن خیموں میں رہتے۔ پھر اس یاد کو تازہ کرنے

کے اندیشے سے ہمیں کسی نے قعرِ فراموشی سے نکالنے کی جرأت نہ کی اور عرصۂ دراز قفس میں گذرا۔

جب پہلے پہل ہم گرفتار ہوتے تو ہم میں سے ایک نے اپنی آزادی کی یہ تجویز کی کہ محمد ولی خاں غلام بچوں کے سرکردے کو رشوت دے کر اپنا عریضہ قبل التاریخ بنوایا۔ جس میں یہ لکھا دکھایا گیا کہ ایک مجلس ترکی اور ایران کے نمونے پر قائم ہوئی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ امیر کی رضامندی حاصل ہے اگر ایسا ہو تو میں بھی شامل ہوتا ہوں ورنہ جو حکم ہو اس کی تعمیل کرونگا۔ یہ مفتری عارض تو رہا ہو گیا مگر ہم پر جلدی ہی اور سختیاں آئیں۔ ایرانی مجلس نے محمد علی شاہ کو ملک سے نکال دیا اور ترکی انجمن اتحاد و ترقی نے سلطان عبدالحمید کو مخلوع کیا۔ امیر حبیب اللہ خاں نے شکرگزاری سے ٹھنڈا سانس لیا کہ جوان افغان عاجز اور بے بس ہیں ورنہ شاید میری بھی وہی گت ہوتی۔ یہ تصادف سالوں میں نسیاً منسیا ہو گیا مگر جنگ عظیم میں جرمن اور ترک مع ہندی نمائندوں کے جب کابل میں پہنچے تو کچھ وطنی ہمدردی اور نیز افغان جوانوں کو طرفدار بنانے کی خاطر ہماری رہائی کی درخواست دے بیٹھے۔ امیر کو لامحالہ وہی پرانا خدشہ کھٹکا کہ ہم لوگ اگر ترکی انتثال پر کارفرما ہوتے بلکہ اگر ہمارا رابطہ ترکوں کے ساتھ ہوتا تو کاظم بے ہماری سفارش پر کیوں اقدام کرتا۔ ان کی دلجوئی کرکے جھوٹ موٹ یہ فرمان لکھ دیا کہ ہماری بابت ایک مجلس تحقیق مقرر کی ہے۔ غرض لڑائی ختم ہو گئی دنیا درہم برہم ہو گئی اور ہم وہیں کے

وہیں رہے۔

سپہ سالار محمد نادر خاں نے آخر یہ تدبیر کی کہ قلعے میں جہاں شاہی محلات واقع ہیں سپاہیوں کے لیے جگہ تنگ ہے کیونکہ ہم نے روکی ہوئی ہے۔ امیر کو ہماری یاد دلائی جائے تو شاید ان کا دل بھی پگھلے مگر پتھر سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ اس سنگدل نے حکم دیا کہ ہم کو شہر میں منتقل کر دیا جائے۔ اس تبدیلی میں بھی کچھ تخفیف تھی جو ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ مزید مشقت میں مبدل ہو گئی۔ امیر اپنے جشن جلوس کی سالگرہ میں چراغاں کا تماشا دیکھتے جب شور بازار میں گھوم رہے تھے جو ہمارے مجلس کے قریب واقع تھا تو کسی نے ان پر پستول کے فائر کئے وہ تو خطا گئے مگر ہم مارے ہی گئے تھے اگر کچھ مہینے بعد پھر نشانہ ٹھیک نہ پڑتا۔ ہم کو بیڑیوں کے ساتھ ہتھکڑیاں لگا کر جو قتل کا پیش خیمہ ہوتا ہے پھر قلعے میں لے گئے اور خود امیر جلال آباد کی طرف سدھارے تاکہ وہاں پہنچکر ہمارا کام تمام کرنے کا فرمان صادر فرمائیں۔ نزلہ عضو ضعیف پر گرتا ہے ؏ کہ ہر جا سنگ باشد بیگماں بر پائے لنگ افتد ورنہ بخت حراست میں ہماری کیا مجال تھی کہ قفس سے بیٹھے شکار کریں۔

افغانستان میں قاعدہ تھا کہ جن ملزموں کو قتل کی سزا دی جانے کو ہوتی انھیں جیل میں ہی ہتھکڑیاں پہنائے رکھتے۔ پچھلے دنوں لاہور ہائیکورٹ میں قیدی پیش ہوا جس پر نچلی عدالت سے پھانسی کا حکم صادر ہوا تھا۔ اس نے قید خانے میں دو

آدمیوں کو مار ڈالا۔ ایسی حرکات کے انسداد کے لئے افغانی ہتکڑی مفید تھی مگر ہم بیگناہوں کو معلوم ہوا کہ اس سے بڑھکر تکلیف دہ اور کوئی شکنجہ نہیں۔ اس لئے اسکے موقوف کرنے کا حکم بعد ازآں ہیں نے امان اللہ خاں سے حاصل کیا۔

ظاہر بین لوگ علل کو سطحی نگاہ سے دیکھتے کنہ سبب تک نہیں پہنچتے۔ ہماری مجلس جاں نثاران اسلام" افغانستان کی اصلاح کے لئے قائم ہوئی تھی۔ ہمارے نو آدمی توپ بندوق اور سنگینوں سے ہلاک ہوئے۔ کئی گھرانے ماتم وغم میں مبتلا اور برباد ہوئے ہم گیارہ سال سخت قید و مصیبت میں طرح طرح کی آفتوں کے شکار بنے رہے۔ آخر ہماری بابت بھی یہ فیصلہ ہوا کہ اتنی لمبی گرفتاری صعوبات کے بعد بجائے کشائش کے ناحق مقتول کئے جائیں حالانکہ ارادۂ خداوندی یوں بیان ہوا ہے۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین۔ ہم قصد رکھتے ہیں کہ مہربانی کریں ان پر جو دنیا میں ضعیف گردانے گئے ہیں اور ان کو رہنما بنائیں اور ان کو جانشین کریں۔ ہم کہینگے کہ خداوندکریم نے ہمیں ظالم کے پنجے سے چھڑانے کے لئے اسے ہی تباہ کر دیا اور اس تباہی میں ہمارا ہاتھ نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

باب دوم
(پھر تنزل کے بعد ترقی کے مدارج)
جنگِ افغان و انگریز اور حصولِ استقلال

فصل اوّل

امیر سراج الملت والدین کی شہادت اور شاہ امان اللہ خاں کا جلوس

لوگر کے ایک متبرک چشمے میں مچھلیاں ہیں جنہیں ہندو اور مسلمان آٹا ڈالتے اور کھاتے نہیں۔ امیر نے ان کو تناول کیا اور وہاں کے لوگوں کو یہ توہم ہے کہ اسی جرم میں وہ پکڑے گئے۔ باوجود اس کے کہ؎

بیدل بسعد و نحس زماں اعتبار نیست ٭ طفلاں دلے بشنبہ و آدینہ بستہ اند

سید علیؒ عباس مرحوم آکسن پشاوری نے امیر کو جلال آباد جانے سے اس دن روکا جس روز وہ چلے گئے اور وہ اس سانحے کو اسی حرکت سے منسوب کرتے تھے۔ علیا حضرت کو طلاق مل رہی تھی اور ع سیاہ بختی ازیں بیشتر نمے باشد کہ مجلس دگرے روشن از چراغ منست۔ اس کے بیٹے امان اللہ خاں کو بھی معتوب و محبوس کرنے کی خفیہ خبر تھی۔ جو ان کو پہلے درجے کی شکایت تھی کہ

افغانوں جیسی بہادر متدین اور جنگجو قوم بیکار بیٹھی ہاتھ ملتی رہ گئی۔ ایک اسلامی سلطنت
کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے نہ ان کو مدد دے سکی اور نہ اپنے مقبوضہ ممالک کو استرداد
کر سکی جس کا زریں موقع ہاتھ لگ رہا تھا۔ الغرض ترکی محاورہ ہے کہ برجتیا لی
جتنے منہ اتنی باتیں اور چھوٹے منہ سے بڑی بات نکلے تو ناظرین جانچ سکتے ہیں۔

امیر حبیب اللہ خاں کلہ گوش میں شکار کر رہے تھے اور ان کے جسم کے اسی
حصہ میں گولی لگی۔ فراعنہ میں ایک رسم تھی کہ متوفی فرعون کی نعش کو اس کے جرائم کی
سزا میں کوڑے لگاتے تھے۔ اس عقیدے سے کہ آئندہ زندگی میں وہ جزا نہ پائے
اور اس کے جانشینوں کو عبرت ہو۔ ہمارے امیر کو سوتے میں عقاب ہوا اور اسکے
بعد وارثوں کو افراتفری پڑ گئی۔ سردار نصر اللہ خاں نے امارت سنبھالی عنایت اللہ
خاں نے بیعت کی اور اکثر ارکان و اعیان جو جلال آباد میں تھے مطیع ہو گئے۔ فوج
میں ہلچل مچ رہی تھی دربار میں بھی امان اللہ خاں کے حامی تھے اور باہر علاقوں میں
بھی۔ جب کابل سے خبر پہنچی کہ امان اللہ خاں نے عنان حکومت خود ہاتھ میں لیکر
سپاہ کی تنخواہ بڑھا دی ہے اور اپنے باپ کے قاتلوں کو پکڑنے کی قسم کھائی ہے
اور جتنے بڑے لوگ جلال آباد میں تھے سب ہی کو ملزم قرار دیا ہے۔ فوج جو اس
وقت تک خود سر تھی اب امان اللہ خاں کا دم بھرنے لگی۔ افغانستان میں جب
نئے بادشاہ کے انتخاب میں قطعی فیصلہ نہ ہو تو لشکری روایات عجیب و غریب منظر

ظاہر کرتی ہیں جس کو چارٹکی کہتے ہیں سپاہیوں میں سے جو سست کاہل اور
ناقابل ہوں یعنی فوجی کام کی بجائے بات چیت میں کچھ دسترس رکھتے ہوں کیونکہ جو
سپاہی اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہیں وہ عام واقفیت نہیں رکھتے اول الذکر کو اپنے نمائندے
منتخب کر لیتے ہیں۔ فوج کو سیاسی امور میں مداخلت کا ایک سبب یہ ہے۔ یہ
سپاہی سب عسکری اختیارات حاصل کر کے جسے چاہیں پکڑتے اور جسے چاہیں اپنے
ساتھ شامل کر کے مستقل بادشاہ کے تقرر تک سب حکومت خود چلاتے۔ صوفی
نامی اسی کیفیت سے مشہور ہوا۔ ایشان غلام قادر نے ایسی ہی حالت میں سکہ
چلایا تھا۔

میکنم دیوانگی تا بسرم غوغا شود ؎ سکہ بر زر میزنم تا صاحبش پیدا شود

اب جلال آباد میں مست چرتی سپاہی برسر اقتدار رہے جن میں غلام رسول ہراتی
نے نام پیدا کیا۔ بعد میں امان اللہ خان نے اسے حاکم پنجشیر مقرر کر کے نائب کر دیا۔
انہوں نے مستوفی الممالک کو گرفتار کیا جو افغانستان میں سب سے بڑا اہل کار
تھا اور نامی رشوت خوار سے گوناگوں اذیتیں پہنچائیں۔ پھر اپنے افسروں کو مقید
کیا۔ سپہ سالار محمد نادر خان کو نئی قواعد سکھلانے اور عسکریہ تعلیمی بوجھ ڈالنے کے
بدلے میں مع ان کے تمام خاندان کے بڑوں اور چھوٹوں کے گرفتار کر لیا۔ امان اللہ خان
کے حکم سے یہ سب پا بہ زنجیر کابل میں لائے گئے اور جن کو کٹھڑیوں میں ہم رسول
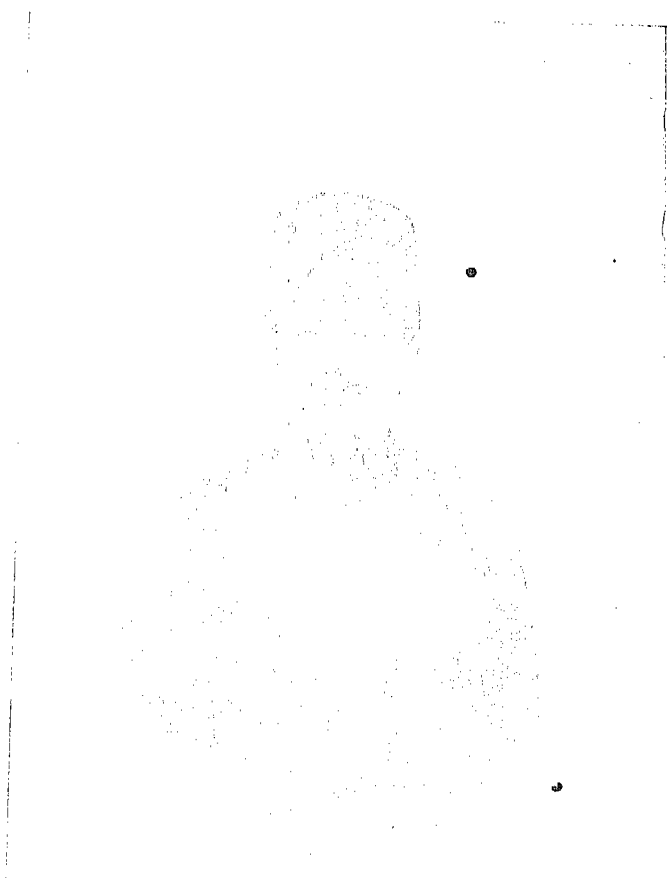
اعلیٰ حضرت امان اللہ خان

رہ چکے تھے انہی میں رکھے گئے۔ ہمیں ایک اور قید خانے میں منتقل کر دیا جسے رہائی کے بعد میں نے موقوف کرا کے ایک مکتب کی صورت میں بدل دیا اور اسی طرح عام بڑے جیلخانے میں بھی مکتب قائم کیا۔

امان اللہ خان نے استقلال کا اعلان کر کے اور خارجی آزادی کے ساتھ ہی داخلی حریت کا وعدہ دے کر تنور اشخاص اور طبقہ جوانان کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جہاد کی منادی سے باقی سب قوم ان کی معتقد ہو گئی اور یکایک وحدت کی روح سب ملت میں پھونکی گئی۔ اپنے نئے سپہ سالار صالح محمد خاں کو جلال آباد کی سرحد پر متعین کیا اور نہایت اعلیٰ درجے کا سامان حرب جو محمد نادر خاں کی لگاتار مجاہدات کا نتیجہ تھا اس کے استعمال میں دیا گیا۔ قندھار کی طرف سردار عبد القدوس خاں نئے صدر اعظم کو اعزام کیا جو ہمیشہ جہاد کی خوابیں دیکھتے تھے اور وہ آخر پوری ہوئیں۔ سب سے زیادہ اہم نقطہ سمت جنوبی تھا جو انگریزی علاقے کے قرب کے سبب بڑا خطرناک تھا چنانچہ لارڈ رابرٹس نے یہیں سے آکر فوراً امیر یعقوب خاں کو دبوچ لیا تھا اور بعد میں غازی مقابلے کی تیاریوں میں مشغول ہوئے۔ اس جانب کو اشتغال کرنے کیلئے محمد نادر خاں سے بہتر کوئی افسر نہیں تھا۔ امان اللہ خاں نے ان کی طرف رجوع کیا اور اگرچہ وہ سخت سفر و اسارت سے ماندہ و دلزدہ تھے مگر اپنی فطری عالی ہمتی اور جبلی بلند حوصلگی سے ملی خدمت سرانجام دینے کے لئے اپنی ذاتی کلفتوں اور رنجشوں کو بالائے طاق رکھکر

بلا تامل کام کرنے کو آمادہ ہوئے اور اگرچہ اچھے لوازم جنگ دوسری جگہوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور عمدہ افسر بھی اور مقامات میں مامور ہو گئے تھے پھر بھی حسب معمول خدا کی ذات متعال پر بھروسہ کر کے آپ نے بڑی مشکل مہم کا بیڑہ اٹھالیا۔

آپ کے بھائی سردار محمد ہاشم خاں جو اپنی صداقت و دیانت میں بےمثل جوان تھے ہرات میں ان افواج کے جو روسی و ایرانی سرحدات پر بڑی تعداد میں موجود تھیں نائب سالار تھے اور ان کے چچازاد سردار محمد سلیمان خاں مرحوم نائب الحکومہ تھے۔ اس اتفاق و ائتلاف سے جو اس جلیل القدر خاندان کا خاصہ ہے تعاونوا علی البر و التقویٰ۔ احسان اور پرہیزگاری کے کاموں میں باہم معاونت کرو۔ ان کی ملکی اور فوجی انتظامات سے ہرات کا علاقہ سرسبز و شاداب اور قوم آسودہ و آبادان ہو گئی عموماً نائب الحکومہ اور نائب سالار کے درمیان نزاع و جدال ہوا کرتا تھا اور امان اللہ خاں کے دوران میں بھی ایسا ہوتا رہا حتیٰ کہ گالی گلوچ تک نوبت پہنچتی۔ چنانچہ اسی ثبوت پر نائب الحکومہ کو دو مہینے قید کی سزا ہوئی تھی۔ یہ نائب الحکومہ تعلیم کا بھی مخالف تھا اور نائب سالار موید۔ چنانچہ اس کی خدمات دیکھ کر میں نے رئیس تدریسات کی حیثیت سے اسے نشان معارف دلوایا تھا۔ بعد میں ہرات کی بربادی اس درجے تک فاش ہو گئی کہ امان اللہ خاں کی ایران سے مراجعت پر جب ہمارے یورپ نے انھیں سر پر اٹھالیا تھا ہراتیوں نے ان کے خیر مقدم پر واویلا مچایا اور فریادیں برپا کیں کہ حکام

لاکھوں روپئے رشوت کھاتے ہیں اور چوروں دھاڑویوں نے فتنہ وفساد کا بازار گرم کر رکھا ہے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں۔ امان اللہ خاں اس خوف سے کہ دنیا میں بدنامی ہوگی ان کی دادرسی نہ کرکے سیدھے کابل آپہنچے۔

غرض یہ کہ جتنی ہرات کی تباہی کے سامان پیدا ہوئے اتنا ہی نائب الحکومہ محمد سلیمان خاں اور نائب سالار محمد ہاشم خاں کا نام روشن ہوا اور لوگ انھیں احترام محبت سے یاد کرنے لگے۔ ایسے حکمرانوں پر یہ ابتلا نازل ہوئی کہ دونو گرفتار کرکے کابل کی طرف روانہ کئے گئے۔ امان اللہ خاں کہتے تھے کہ سپہ سالار صالح محمد خاں نے حسب الحکم کا لفظ لکھکر بغیر میری اجازت کے انھیں مقید کیا تھا۔ قارئین عاقل خود قیاس کر سکتے ہیں کہ اتنے بڑے اشخاص کو بھلا بادشاہ کے بغیر دوسرا موقوف محبوس کر سکتا تھا؟ بہرکیف ان کی غیر حاضری میں سپہ سالار محمد نادر خاں مجبور ہوئے کہ ان کے بغیر اور باوجود ان کی بیجا سرزنش کے خدمت بجا لائیں۔

فصل دوم

جنگِ استقلال کا سفر

سپہ سالار دوسرے بھائیوں سردار شاہ ولی خاں اور سردار شاہ محمود خاں کو اپنے ساتھ لیکر ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء میں عازم جنگ ہوئے۔ حضرت صاحب شور بازار بھی ان کی معیت میں تھے۔ ان کی نسبت ہندوستان میں سراپا غلط خبریں مشتہر ہوئی تھیں۔ اسلیے ضمناً توضیح مناسب ہے۔ انھوں نے امان اللہ خاں کے اعلان استقلال و حریت و جہاد کی تائید و حمایت کی تھی۔ جس سے ان کی روشن ضمیری اور آزادنفسی ثابت ہوتی ہے افغانستان میں اور نیز باہر دوسرے ممالک میں ان کے لاکھوں نقشبندی مریدیتھے مگر اس سے یہ گمان نہو کہ ساری ملت ان کی معتقد تھی۔ اول تو قادری مشائخ کے پیرو ان کے متعصبانہ مخالف تھے۔ پھر اکثر سپاہ و رعیت کے لوگ اندھا دھند کسی کے بھی قائل نہیں ہوتے اور اپنی عقل کے بل پر ذرا گستاخی سے بھی کام لے لیتے ہیں چنانچہ اسی سمت جنوبی کے دو واقعوں سے اس کا ثبوت مل جائیگا جب انگریزی طیاروں نے بم پھینکنے شروع کئے اور کچھ انسان و مواشی مجروح و

مقتول ہوئے تو بعض آدمی حضرت صاحب کے خیمہ پر جا کر چلائے کہ اگر ولی اور بزرگ
ہو تو باہر نکل کر اس بلا کو رد کرو۔ پھر سمت جنوبی کی دوسری بغاوت پر جب دشمن لوگر
میں آ پہنچے جہاں حضرت صاحب مصالحت کے لئے وارد تھے تو باغیوں نے آپ کو
بے عزت نہیں کیا بلکہ جس قالین پر آپ بیٹھے تھے نشست کی جگہ چھوڑ کر باقی چھروں
سے تسخر کی وضع سے کاٹ لی تاکہ اسے تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھیں۔ امان اللہ خان
کی بے اعتدالیوں سے تنگ آ کر بڑے حضرت صاحب شور بازار تو ہندوستان چلے
آئے چھوٹے قید میں ڈالے گئے۔ جب بچہ سقا نے کابل پر حملہ کیا تو ان کو رہا کر کے
اس کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا کہ اس کے ساتھ سمجھوتہ کریں مگر وہ چور بھی
اتنا احمق نہیں تھا کہنے لگا کہ یہ صلح کی خواہش کمزوری کی دلیل ہے جس سے فائدہ اٹھا کر
میں کابل پر کیوں قبضہ نہ کر دوں۔ ڈاکوؤں کے زمانے میں حضرت صاحب شور بازار
شرفاء صلحا کا ملجا و ماوا تھے۔ ان کا گھر شاہی خاندان کی بیویوں بچوں سے بھرا رہتا
مگر ظالموں نے آخر ممانعت کر دی اور حضرت صاحب شور بازار کو بھی بے آبرو کر کے
بٹھا دیا۔ ان کی نسبی نجابت اور حسبی رشادت سے اب پھر ملت مستفیض ہو رہی ہے

سپہ سالار بہادر کے ساتھ صرف ایک پلٹن اور ایک سو شاہی سوار دو ہوٹزیں
اور آٹھ قاطری توپیں تھیں۔ اس فوجی جمعیت اور لوازم کو پیچھے آنے کا حکم دے کر
آپ اپنے ہمرکابوں کے ساتھ لوگر سے تین دن میں گذر کر چوتھے روز گردیز کی حدود

میں پہنچے راستے میں لوگ آپ کی خدمت میں جہاد کی شمولیت کیلئے حاضر ہوتے اور آپ کی تقریروں سے متاثر ہو کر اور زیادہ دلیر بنتے۔ منگل وغیرہ قبائل کے گروہ اتنے جوش میں آتے کہ آپ کے گرد حلقہ باندھ کر ناچتے کودتے اور بندوقیں چلاتے ان کو یہ نصیحت کی کہ باہم رنجشوں کو بھلا کر اب جہاد پر متفق ہو کر نکلیں چنانچہ سب نے وعدہ کیا۔ گردیز کی فوج کا معائنہ کر کے توپوں کا امتحان لیا اور توپچیوں کو مشق کرنے کی ہدایت کی اور کابل سے عسکر وارد ہونے تک ان کی تعلیم و تنظیم میں مصروف رہے اور نیز آگے بڑھنے کی تیاری کرتے رہے جس میں ان اشتہارات کا چھاپنا بھی تھا جو قبائل میں تقسیم کئے جانے کو تھے۔ دن رات سائیکلو سٹائل جاری تھا کرم اور وزیرستان کے نقشے بھی اس میں نقل کئے گئے۔ توریوں کے لئے جو شیعہ افغانوں کی ایک طاقتور قوم ہے اشتہار طبع کیا گیا جس میں ان کو اتحاد ملی کے سوا یہ وعدہ بھی دیا گیا کہ جو نہر پہلے ان کے علاقے کو سیراب کرتی تھی اور اب بند ہے ان کی خدمات کے صلے میں پھر کھول دی جائیگی۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ جلال آباد کی جانب بہت ابتری واقع ہوئی ہے سپہ سالار صالح محمد خان جب سرحد پر پہنچا تو انگریزی جرنیل نے اس کے آنے کا سبب دریافت کیا جواب دیا کہ پشاور میں چل کر بتاؤں گا۔ طیارے نے بم پھینکا جو سپہ سالار کے پاؤں پر لگا موٹر میں بیٹھ کر جلال آباد کی طرف بھاگا۔ فوج میں بہت بے نظمی ہوئی۔ رسد بالکل

وقت پر نہیں پہنچی تھی۔ ان سب واقعات کی اطلاع سے سپہ سالار محمد نادر خاں اور
ان کی معیت کے افسروں کو البتہ سخت صدمہ ہوا مگر اس ترشی سے کسی کا نشہ نہ اترا بلکہ
اس کی تلافی کرنے کے لئے حمیت نے اور جوش مارا تاکہ ایک طرف کی سستی اور ہار
دوسری سمت کی حسیت اور حمیت سے برا اثر نہ ڈالے البتہ لشکر میں مصلحت آمیز افواہ اڑائی
گئی کہ افغان غازیوں نے لنڈی کوتل کو فتح کر لیا ہے جس سے رقابت اور مسابقے کی
خواہش نے اس طرف کے مجاہدوں کو بھی آگے بڑھنے کیلئے بیقرار کر دیا۔

سردار شاہ ولی خاں ارگون کی جانب روانہ ہوتے تاکہ وزیریوں اور مسعودوں کو اپنے
ساتھ شریک کریں اور سردار شاہ محمود خاں کوتل پیوار کی طرف بڑھتے۔ پیچھے سپہ سالار
صاحب نے خوست کی جانب کوچ کیا۔ راستے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ سڑک کا
نام ونشان نہیں تھا۔ صرف پتھروں پر چلنا پڑتا تھا اور بعض جگہ پیہم نالے عبور کرنے پڑتے
تھے۔ گھوڑے تھک کر چور ہوتے تھے اور توپوں کے لے جانے میں سخت زحمت ہوتی
تھی لیکن عزم اس ابتدائی مرحلے سے کیسے لڑکھڑا سکتا تھا بلکہ افسر اور سپاہ گرد و نواح
کی سرسبزی اور شادابی دیکھکر محظوظ ہوتے اور خوش و خرم سیر کرتے جاتے تھے۔

چدران کا علاقہ بڑا زرخیز ہے۔ پہاڑ دیار بلوط اور چلغوزوں سے لدے کھڑے ہیں۔ اس
میں سے گذرتے کچھ اناروں توتوں اور زیتونوں کے جنگل ملاحظہ کرتے جب منزل پر
پہنچتے ہیں تو سری بھری فصلیں اور باغات سامنے آتے ہیں۔ لوگ جھنڈے اڑاتے

استقبال کرتے ہیں قومی ناچ شروع ہوتا ہے اور سب تھکان اتر جاتی ہے۔ المرہ
کے گاؤں میں وارد ہو کر پہلا شگون لیتے ہیں۔ پچاس مسعودی انگریزی ملازمت
سے بھاگ کر افغانی خدمت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

اب تمام قبائل کے ملک اور خوانین حاضر ہو کر آمادہ جہاد ہوتے ہیں۔ سب کو تاکید کی جاتی ہے کہ غیر علاقے میں داخل ہو کر مسلمان اور ہندو کسی کی جان و مال میں دست اندازی نہ کی جائے۔ اس مضمون کے اشتہارات سب جگہ تقسیم کئے گئے اور پیش قدمی کا حکم دیا گیا۔ پہلا مال غنیمت مسعودوں کے ہاتھ لگا جن کے علاقے میں سے چھ ہزار اونٹ انگریزی چھاؤنی سروکی کی طرف گزر رہے تھے اور ان میں سے بیشتر پر غلہ لدا تھا۔ پھر قبیلہ تنی کے جنگجو حاضر ہوئے جن میں سے بعض نے چھاؤنی میرام شاہ کی تار اور ستون اکھیڑے تھے۔ اس کے بعد خبر آئی کہ مسعودوں نے دو سو بیس اونٹ اور پکڑے ہیں

جو غلہ لیجا رہے تھے۔ سردار شاہ ولی خاں مسعودوں کے علاقے میں سرگرم کار ہیں۔ جنھوں نے وانا کی مستحکم چھاؤنی کا محاصرہ کر لیا ہے۔ سردار شاہ محمود خاں کی طرف بھی جنگ چھڑ گئی ہے۔ دو گھنٹے لڑائی ہوئی۔ غازیوں نے فتح پائی۔ پھر توریوں نے حملہ کیا اور تین گھنٹے کی لڑائی کے بعد شکست کھا کر بھاگ گئے۔ ان کا صوبہ دار میجر زخمی ہوا۔ اور سب خندقیں غازیوں کے قبضے میں آئیں۔

دو کمپنی پیادہ اور دو توپیں مع جدرانی لشکر کے سپین دام کے ٹھانے کو فتح کرنے میں کامیاب ہوئیں جس میں تین سو مسلح انگریزی سپاہی تھے جو بھاگ نکلے اور ان میں سے پچیس آفریدیوں نے ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کی۔ چنے آٹا کھانڈ آلو وغیرہ فراواں مقدار میں پڑے پڑے مگر مفرورین بارود وغیرہ کو آگ لگا گئے تھے۔ قصبے اور گردنواح کے لوگوں کو تسلی دی گئی۔ اس سے ٹھل کی رسد رسانی میرام شاہ سے منقطع ہو گئی۔

سپہ سالار بہادر بڑے دشوار گذار راستوں سے ہوتے ہوئے ٹھل کی چھاؤنی میں پہنچے جہاں سے آگے بڑھ کر پہلے ہی فوج نے گولہ باری شروع کر دی تھی اور انگریزوں کی فوج تقریباً تین ہزار گز کے فاصلے سے جواب دیتی تھی۔ سردار محمد نادر خاں نے رات کو وہاں پہنچتے ہی آدھی رات تک توپوں کے مواقع کو تعین کیا۔ صبح نو بجے سخت گولہ باری جاری ہوئی جس سے انگریزوں کی چھاؤنی قلعہ اور ریلوے سٹیشن کو

بعض جگہوں سے نقصان پہنچا۔ ہووٹزر کی آگ سے جسے خود سپہ سالار بہادر چلاتے اور نشانہ لگاتے تھے پہلے میگزین جل اٹھا پھر پٹرول کا حوض اور آخر انگریزی توپیں افغانی گولوں کی زد میں آکر بیکار ہوگئیں۔ ساری رات اور دوسرا آدھا دن ٹھل میں شعلہ زنی زور شور سے رہی۔ یوں ٹھل فتح ہوا اور اس کے ساتھ سرحدی چوکیاں بھی ہاتھ آئیں۔ ایک چوکی سے آفریدی جن کی تعداد پچاس تھی بندوقیں لے کر جیسا کہ انھوں نے پہلے عہد و پیمان کیا تھا افغانی بھائیوں کے ساتھ آملے۔ ان کی چوکی میں آٹا گڑ ڈاٹیل اور کارتوس وغیرہ بہت سے نکلے۔

اس اثنا میں انگریزی طیارے آتے اور بم گراتے تھے جن سے ایک دن تین افغان شہید اور چار زخمی ہوئے لیکن غازی اول تو پرواہ نہیں کرتے تھے پھر عسکری ہدایات پر عمل کر کے محفوظ رہتے تھے۔ توپوں سے بھی طرفین کے گولے برستے تھے مگر انگریزی توپیں ادنےٰ ثابت ہوئیں اور تقریباً سو گز ان کے گولے افغانی توپوں سے دور گرتے تھے۔ اسی وجہ سے افغانی گولے خود ان کی توپوں پر پھٹتے اور ان کو خراب کرتے تھے۔ ٹھل کے بازار کی فتح کے دوسرے دن رات کو سپین وام سے افغانی فوج معہ وزیریوں کے وارد ہوئی جنھوں نے اور خندقوں پر قابو پایا اور پانی کے کارخانے اور چشمے کو جہاں سے چھاؤنی کے آدمی اور مواشی پانی لیتے تھے اپنے قبضے میں لیا۔

آغاز ہی میں تیس آفریدی اور پنجابی ٹھل کے قلعے سے بھاگ گئے۔ ہنگو کی چھاؤنی جو

ٹھل اور کوہاٹ کے درمیان واقع ہے محصور کی گئی۔ چار پٹھانوں سے انگریزی فوجوں نے نکلکر ہتھیار ڈال دیئے اور ٹھانے افغانی تصرف میں آ گئے۔

وانا اور سرد کی چھاؤنیوں پر سردار شاہ ولی خاں نے قبضہ کر لیا جہاں کے سپاہیوں نے پہلے عہد کے مطابق اپنے انگریز افسروں کو قتل کر کے میگزین کو خود لوٹ لیا تھا۔ دوسری طرف سردار شاہ محمود خاں نے کوتل پیوار پر قابو پا لیا۔ جہاں دشمن کے تیس اور افغانوں کے تین آدمی مقتول ہوئے۔ نیز دو قصبوں پر قبضہ کیا اور دو انگریزی توپوں کو خراب کیا۔

اس بیان سے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ سپہ سالار نے خود قلب میں قیام فرما کر اپنے بھائی سردار شاہ ولی خاں کو میمنہ پر اور دوسرے بھائی سردار شاہ محمود خاں کو میسرہ پر متعین کیا تھا۔ تینوں کے لئے راستے سخت صعب پیش آئے۔ پھر بھی سابقہ منصوبہ کے مطابق سب کی فوجیں اپنے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر ٹھل کے نقطے پر آن جمع ہوئیں۔ متون درمیان ہے اور افغانستان سے انگریزی علاقے میں داخل ہوتے ہوئے ارگون دائیں طرف اور پیوار بائیں جانب ہے۔ ٹھل سے پھر کوہاٹ اور پشاور منتہی ہوتے ہیں اور وہاں سے آگے اقدام متصور تھا جس کے لئے مفتوحہ علاقوں پر ہر طرح تسلی دی گئی اور وہاں کے باشندے سب طرفدار ہو گئے۔ جو انگریزی سپاہی ہتھیار ڈال چکے تھے وہ کابل میں بھیجے جاتے تھے تاکہ دار السلطنت کے لوگوں کو اطمینان ہو اور

مشرقی سمت کا داغ دھلے مگر وہاں کی بے انتظامی نے امان اللہ خاں اور ان کے وزرا وغیرہ کو متاثر کرکے جنگ پر مجبور کیا جس سے فاتح سپہ سالار محمد نادر خاں کی پیشقدمی لامحالہ رک گئی ورنہ ایسے چھپے آغاز کا انجام ناظرین خود قیاس کر سکتے ہیں کہ کیا ہوتا اور کہانتک پہنچتا۔

فصل چہارم

انگریزی فوجی بیانات

اب تک جو مذکور ہوا افغانی روایات ہیں اب انگریزوں کی اپنی قلم سے جو کچھ رقم
ہوا اس کا خلاصہ بھی درج ہوتا ہے:-

کوتل پیوار پر افغانوں نے خندقیں کھودیں۔ آس پاس کے ہم قوم باشندوں
کو انگریزوں کے خلاف ابھارا اور ادرک زائیوں وزیریوں اور مسعودوں میں اپنا رسوخ
جمانا چاہا۔ سپہ سالار نادر خاں متون کی طرف بڑھے اس لئے انگریزوں نے خوست
پر حملہ کرنے کا قصد کیا مگر ایک تو فوج کے کافی نہوتے کے سبب دوسرا ٹھیک تحقیق
نہوتے کی وجہ سے کہ افغان کس جانب پڑتے ہیں یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ ابھی تک معلوم
نہیں تھا کہ وزیری اور مسعود اپنی دیرینہ معاندت کو باہم جاری رکھکر ایک دوسرے کے ساتھ
لڑتے رہیں گے یا متحد ہو کر افغانوں کے ساتھ مل جائیں گے۔ اس طرف کا اہتمام کرکے
پارہ چنار کی بھی خبر لی گئی اور وہاں بہت سی فوج متعین کی گئی کیونکہ افغانوں کے حملے
کا احتمال وہاں بھی تھا۔ جب اطلاع ملی کہ نادر خاں علی خیل میں پہنچکر پیوار پر حملہ آور ہونے کو

ہیں تو پارہ چنار سے توپخانہ وہاں منتقل کیا گیا مگر یہ اطلاع غلط ثابت ہونے پر واپس طلب کیا گیا۔ یہی ردو بدل تین ہفتے جاری رہا اور زد و خورد ہوتی رہی ۔

آخر نادر خاں نے متون سے حرکت کی جس سے ٹوچی کے وزیریوں میں جوشِ ملی پیدا ہوا۔ سپین وام افغانوں کے قبضے میں آگیا اور انگریزوں کی فوج جو وہاں مقیم تھی اور جو اُن کی مدد کو بھیجی گئی تھی دونوں جب کر گئیں مگر افغانوں نے تعاقب کر کے ان میں سے ایک ہندی افسر اور پندرہ سپاہیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد اور چوکیاں بھی خالی کر دی گئیں اور ایک چوکی چھوڑے جانے کے بعد وہاں کے باشندوں نے اسے لوٹ لیا اور آگ لگا دی اگرچہ خود انگریزوں نے بھی چونکہ سب کچھ ساتھ لے جا نہیں سکتے تھے بعض اشیا کو جلا دیا تھا۔ فوج اور ملیشیا میرام شاہ کو آئے مگر اس پسپائی میں ڈیڑھ سو وزیری ملیشیا سے روگردانی کر کے افغانوں کے ساتھ ملحق ہو گئے جس سے ثابت ہو گیا کہ نہ صرف ٹوچی کے وزیری بلکہ شمالی وزیری بھی انگریزوں کے مخالف ہیں لہٰذا دو سو ڈوگرے میرام شاہ میں متعین کئے گئے۔ اس کے بعد دوسرے وزیری ایک صوبہ دار اور جمعدار کے ماتحت چھاؤنی میں نقب لگا کر ملیشیا سے بھاگ گئے اور دوسری مسلح قوموں کے ساتھ انگریزوں کے برخلاف لڑنے کے لئے چلے گئے۔ جنوبی وزیرستان میں بھی ابتری پھیل رہی تھی کیونکہ شاہ دولی زمانا وانا پر حملہ کرنے کے لئے ارگون سے بڑھ رہے تھے۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ وہاں

سے بھی فوج کو واپس بلالیا جائے۔ انگریزی مواضع پر وزیریوں اور آفریدیوں نے قبضہ کرلیا اور وہاں سے جو انگریزی فوج بچکر نکلی ایک انگریزی میجر کی راہنمائی میں لڑتے بھڑتے ساٹھ میل کا سفر سامنے قلعہ سنڈیمن کی طرف روانہ ہوئی۔ اس اثنا میں پانچ افسر مقتول اور دو زخمی ہوئے۔

سپین وام سے ملیشیا پسپا ہوا ہی تھا کہ نادرخاں منظم فوج اور قومی لشکر کے ساتھ وہاں نمودار ہوئے اور یہ مقام ٹھل بنو وغیرہ سے بیس میل کے فاصلے پر تھا ان کی اس طرف سے آمد ہرگز متوقع نہ تھی کیونکہ انگریزوں کو کامل یقین تھا کہ وہ راستہ فوجی نقل وحرکت کے لئے بالکل ناقابل گذر ہے۔ اب تک بھی معلوم نہیں کہ افغان سپہ سالار کس جانب حملے کا رخ رکھتے ہیں۔ بنو سے جاٹوں کی دو کمپنیاں رسالہ پہاڑی توپخانہ اور رہو ٹرزریں بھیجی گئیں۔ جرنیل یوسٹیس ایک پلٹن سکھ اور ایک پلٹن گڑھوان اور ایک دستہ توپخانہ لے کر ان کے ساتھ جا ملے۔ ٹھل میں استحکامات تیار کئے گئے جہاں سوائے اور افواج کے ایک پلٹن گورکھہ تھی جو سب چار پلٹنیں ہو گئیں اور رسالہ اور توپخانہ علاوہ تھا۔

۲۷ مئی کو نو بجے صبح افغانی فوج نے ٹھل کا محاصرہ کرلیا اور ان کی گولہ باری شروع ہوگئی جو تین میل دور سے جاری ہوئی۔ ساڑھے تین ہزار گز سے لیکر ساڑھے پانچ ہزار گز تک ان کی توپیں مار کرتی تھیں جس سے ٹھل کے قلعے عمارات فصیل

اور چھاونی کو بے اندازہ نقصان پہنچا۔ تھرپینل بارکوں پر پڑتا تھا اس لئے قلعہ کے اندر ہی اندر خندقیں کھود دی گئیں تاکہ افغانوں کے شدید بمبارڈمنٹ سے انگریزی تلفات کم ہوں۔ افغانوں کی پیادہ فوج ٹھل کے قصبے پر قابض ہو گئی اور قومی لشکر نے گرد نواح کے مواضع پر سب جگہ تصرف کر لیا۔

۲۸ مئی کو افغانی ہوٹزروں کا نشانہ زیادہ صحیح اور سخت تر پڑنے لگا۔ پٹرول کا حوض بھوسے کا ذخیرہ اور ریل کا اسٹیشن آناً فاناً سب جل اٹھے۔ افغانی گولے سب نشانے پر ٹھیک پڑتے تھے جن سے وائرلیس کا سٹیشن بھی خراب ہو گیا۔ "اس لڑائی میں انگریزی توپیں افغانوں کی توپوں سے ادنیٰ ثابت ہوئیں اور ہمارا گولہ ان کی فوج تک نہیں پہنچتا تھا" بڑی کوششوں کے بعد طیاروں نے بم گرا کر افغانی توپوں کو قدرے خاموش کیا لیکن یہ سکون عارضی نکلا۔ ٹھل کے قصبے سے نکلکر افغانی فوج نے قلعہ پر حملہ کرنا چاہا مگر وہ توپ بندوق اور مشین گن کے متحدانہ فائروں سے مترود ہو گئے لیکن نزدیک کی چوکیوں پر ٹوٹ پڑے اور پانی کے کارخانے کی طرف لپکے جہاں سے ٹھل میں پانی آتا تھا لیٹینیا فوج جو وہاں مقیم تھی بھاگ کر ہنگو کی جانب روانہ ہو گئی۔

دوسرے دن قلعے کے اندر انگریز خندقیں کھودتے رہے اور چونکہ ذخیرے کو آگ لگ گئی تھی اس لئے رسد انسان و حیوان کو آدھی آدھی ملی۔ افغانوں نے رات کو ایک اور چوکی پر حملہ کیا لیکن مہتابی توپ کے ذریعے ان کو تھرپینل دستی بم توپ

مشین گن اور بندوق نے پسپا کر دیا پھر بھی ایک لفٹنٹ اور پانچ اور آدمی زخمی ہوئے۔ تمام دن افغانی توپیں گولہ برساتی رہیں اور ان کی ہووٹزریں تقریباً تین ہزار گز اونچی جگہ سے شدید آتشباری کر کے قلعہ کی فصیل اور توپخانے کو سخت نقصان پہنچانے میں کامیاب نکلیں۔ محمد نادر خاں کی اس سرگرمی نے انگریزوں کو مجبور کیا کہ جلال آباد کی طرف سے توجہ کم کر کے سب التفات ٹھل کو نجات دلانے میں صرف کریں تاکہ دوسری افغان قومیں، جو ابھی تک عملی طور پر حملہ آوروں کے ساتھ شریک نہیں ہوئی تھیں کھلم کھلا مخالف نہ ہو جائیں۔

۲ر جون کو جرنیل ڈائر ٹھل کے محاذ پر مقرر ہوئے اور اسی دن سپہ سالار نادر خان کا خط پہنچا کہ اعلیٰحضرت کے حکم سے لڑائی ملتوی ہو گئی ۔ ۷ر جون کو بھی دوسرے مقامات پر جنگ جاری تھی۔ اس دن جرنیل بین نے پارہ چنار سے سردار محمود خاں کو خط لکھا کہ متارکہ واقع ہونے سے افغانی فوجیں واپس بلائی جائیں۔ اگرچہ صلح قرار پا گئی مگر یہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ محمد نادر خان کا اقدام اور حملہ ہنرمندی اور مہارت سے بھرا تھا۔ ان کا فوج کو مشکل اور دشوار گذار راستوں سے نقل و حرکت دینا اور لشکر بھی خاصہ بڑا جس میں توپیں ہاتھیوں پر لدی تھیں ان کی بڑی شخصیت عظمت اور اعلیٰ درجے کی فوجی اور مدبرانہ قابلیت ظاہر کرتا ہے۔

فصل پنجم

ترکی جنرل سٹاف کا تبصرہ افغانی محاربے پر

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ سپہ سالار محمد نادر خاں کتنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ کابل سے روانہ ہوئے تھے کیونکہ زیادہ تعداد جلال آباد اور قندھار کی طرف مع بہترین لوازم حرب کے روانہ ہوچکی تھی ۔ انگریزوں نے اور ترکوں نے بھی انہی کی روایت سے منظم افغانی فوج کو سپہ سالار ممدوح کے ساتھ سمت جنوبی میں مبالغے کی مقدار میں بتایا ہے حالانکہ ان کی معیت میں قبائل کے جنگجو اور جرار جوان تھے جو مقامی لڑائیوں کے نکات میں البتہ ماہر اور عسکری حیثیت سے ہنرمند تھے ۔ ان میں سے اکثر خود انگریزی فوج میں کام سیکھ چکے تھے بعض ترک چونکہ افغانی حربی معاملات میں پہلے دخیل تھے اسلئے انھوں نے اپنے ارکان حربیہ عمومیہ کو واقفیت بہم پہنچائی تھی ۔ انکے خیالات کا تذکرہ مختصراً مفید ہوگا لہٰذا درج ہوتا ہے :-

۱۵ر مئی کو ہندوستان کے فوجی صدر دفتر میں اطلاع پہنچی کہ افغانوں کی دو پلٹنیں خوست سے نکلکر کوتل پیوار میں اور تین پلٹنیں کچھ توپخانے کے ساتھ علی خیل میں پہنچی

ہیں لہٰذا کرم کے ملیشیا کا ایک دستہ جو پانچ سو سے لیکر آٹھ سو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ دو پلٹنیں اور رسالہ اور چار پہاڑی توپیں پیوار میں انگریزوں نے بھیجیں اور کوہاٹ سے چار پلٹنیں روانہ کی گئیں مگر افغانوں کے حملے کی اطلاع پر یہ فوجیں ٹھل اور پارہ چنار میں تقسیم کی گئیں۔ جب محمد نادر خاں کی حرکت کرم اور ٹوچی پر اور نیز افغانی لشکر کی روانگی سپین وام کی طرف ہوئی تو ایک پلٹن اور دو توپیں کوہاٹ سے ریل میں انگریزوں نے ٹھل میں بھیجیں جس سے وہاں چار پلٹنیں ایک تُرپ رسالہ چار پہاڑی توپیں اور ایک کمپنی سفر مینا مجتمع ہو گئیں۔ پارہ چنار میں دو پلٹنیں ایک تُرپ رسالہ اور چار توپیں موجود تھیں۔

۲۷ مئی کو افغانی فوج مع سرحدی قبائل کے ٹھل کے جوار میں پہنچی اور انہوں نے خود قصبے اور آس پاس کے ٹیلوں پر قبضہ کر لیا۔ افغانوں نے توپوں کی زد سے ٹھل کے قلعہ میں لرزہ ڈال دیا۔ اس دہشتناک گولہ باری کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے صلح کا جھنڈا گاڑ کر اطاعت قبول کرنی چاہی مگر افغانوں نے افسوس ہے کہ پرواہ نہ کی اس لئے انگریزی فوج قلعہ کو چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ جرنیل بیرٹ نے اس فاجعہ اور دردناک حادثہ سے خبردار ہو کر ایک پلٹن اور میدانی توپخانہ پشاور سے اور نیز خیبر سے تین پلٹنیں بھیجیں کیونکہ معاملہ انگریزوں کے لئے بہت نازک اور اہم ہو گیا تھا۔ اگر محمد نادر خاں کو پیش قدمی کا موقع ملجاتا تو خیبر کے

پیچھے سے گذر کر پشاور میں پہنچ سکتے تھے۔ چار پلٹنیں لاہور سے اور دو پلٹنیں انبالہ سے روانہ کی گئیں جو ۳۰ مئی کو ٹھل کے مشرق میں حاضر ہوگئیں مگر اسوقت کابل سے متارکۂ جنگ کا حکم آگیا اور افغانوں نے مقاومت کے بغیر رجعت اختیار کی۔ ۲ جون کو انگریزوں نے پیچھے سرحدی افغانوں کے چھ گاؤں کو جلا کر خراب کر دیا پھر وہ فوراً اس اندیشے سے کہ محمد نادر خاں خیبر کے جنوب سے پشاور میں نہ پہنچ جائیں اپنی پوری قوت کو اس طرف کھینچ لائے۔

انگریزوں کی ریزرو (احتیاطی فوج) میں صرف چار پلٹنیں رہ گئی تھیں اور زیادہ طیارے بھی موجود نہیں تھے اور جو تھے وہ خیبر میں متعین تھے اسلئے ان سے بھی مدد نہیں لیجا سکتی تھی۔ اگر متارکہ واقع نہ ہوتا تو انگریزوں کو مہلک خطرات میں پڑنے کا احتمال تھا کیونکہ خیبری قبائل کے حملوں کیوجہ سے انکے لشکر وہاں سے ہل نہیں سکتے تھے بلکہ عاجز آ رہے تھے۔ اگر محمد نادر خاں آگے بڑھتے تو سب سرحدی قبائل انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے اور خیبر کے پیچھے جوان کی فوج متعین تھی نرغے میں آجاتی۔ اس وقت تک سپہ سالار محمد نادر خاں نے اورکزائی قبیلوں کے علاقے میں قدم نہیں رکھا تھا ان کے وہاں وارد ہونے ہی یہ لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتے اور ایک بڑی قوت ان کے ذریعے سے مہیا ہو جاتی۔

چند لیوں سے جو انگریزی طیارے سے کابل میں پھینکے افغانی حکومت اگر خود کو متارکہ نہ کرتی اور اس وقت لڑائی میں جو خیبر کی طرف صرف قبائل میں محدود ہو گئی تھی۔ ان کے ساتھ افغانی فوج بھی شریک ہو جاتی تو جرنیل بیرٹ خیبر کی فوج میں سے ٹھل کی طرف ایک حصہ نہ بھیج سکتا اور محمد نادر خاں کی کارروائی میں آسانی ہوتی اسکے علاوہ اگر ان کے ساتھ صالح محمد خاں سپہ سالار جلال آباد متحدانہ افکار و صلاح سے کام کرتا پھر بھی انگریزوں کی حالت نازک ہو جاتی اور خیبر اور پشاور کی مدافعت سے عاجز آجاتے۔

خیبر اور ٹھل میں انگریزوں کو مئی کے مہینے میں محاربے کی بہت قیمت ادا کرنی پڑی جون میں اگرچہ ٹھل کی طرف افغانی فوج برسرپیکار نہ تھی صرف قبائل جیسا کہ خیبر میں مشغول جنگ تھے فقط اسلامی نقطۂ نظر سے لڑتے رہے۔ جولائی میں ان کی سرگرمیاں اتنی بڑھ گئیں کہ انگریزوں نے تنگ آکر چودہ پلٹنوں کے علاوہ جو ٹھل کے نواح میں موجود تھیں دو پلٹنیں اور وہاں بھیجیں اور ان کو خوست کی طرف حرکت دینے کا ارادہ تھا کہ راولپنڈی میں مصالحت کا بندوبست ہو گیا۔ متارکہ ہونے پر افغانی فوج نے وانا پر قبضہ کر لیا اور یہ ڈکہ کے مقابلے میں ایک جواب تھا۔ جب انگریز وہاں سے خارج ہوئے تو افغانوں نے بھی وانا کو چھوڑ دیا۔

فصل ششم

متارکہ پر سردار محمد نادر خاں کے اعتراض کی وجہ

محمد نادر خاں کے حصے میں اتنا عسکر و سامان بھی نہ آیا تھا کہ ایک معمولی لڑائی کے لئے اکتفا کرتا چہ جائیکہ تمام سرحدات کے لمبے اور پیچیدہ محاذ پر جنگ آزمائی کا کفیل ہوتا پھر سمت جنوبی کے قبائل میں باہم عداوت و عناد اس درجہ پہنچا ہوا تھا کہ ایک دوسرے پر اعتماد اور اتفاق محال معلوم ہوتا تھا اور حکام کی غفلتوں اور تعدیوں کے سبب ان سے آڑے وقت پر خدمت اور جاں نثاری کی توقع مشکل تھی۔ پھر جلال آباد کی طرف انگریزوں کی فتح کی خبریں اور افغانی فوج کی شکست اور پراگندگی کی افواہیں خوست میں زباں زد خلائق ہو چکی تھیں اور ان سے جو پست ہمتی اور دلشکنی پیدا ہوئی تھی وہ ترتیب و تنظیم میں سخت سد راہ تھی۔ نیز مرکز سلطنت سے خود محمد نادر خاں کو پریشانی تھی کیونکہ امان اللہ خاں ناتجربہ کار تھے اور انکے مشیر بلند خیال نہیں تھے۔

باوجود ان تمام موانع کے سردار سپہ سالار نے اپنے بھائیوں کی معاونت اور حضرت صاحب شور بازار کی مساعدت سے سب سرحدی تھانوں چوکیوں اور چھاؤنیوں

پر قبضہ کر لیا جو افغانستان کے جنوب اور وزیرستان میں جدید ترین اصولوں پر نہایت مستحکم طور پر قائم تھیں۔ وہاں سے اسلحہ ذخیرے اور بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور وہ خود انگریزی سپاہیوں کے ساتھ جو برضا اطاعت قبول کرتے تھے کابل میں بھیجا جاتا تھا تاکہ مایوسی کی بجائے امید اور تازہ روح پیدا ہو۔ ایک طرف اراکینِ جواس باختہ کی دلدہی و خاطر جمعی کرتے دوسری طرف سرحدات کے باشندوں کو دینی و ملی جذبات سے ابھارتے جن سے سب کے سب ہر طرح کی خدمات اور تعمیلِ ہدایات پر کمر بستہ ہو گئے۔ جس طرف سپہ سالار نے رُخ کیا کامیاب ہوتے اور غنیم نے اکثر بلا مقابلہ ہی میدان چھوڑا جس سے غازیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ آگے بڑھنے کے لئے بیتاب ہو گئے۔ یقین ہوتا تھا کہ عنقریب سپہ سالار بہادر کی تجاویز کے مطابق افغانی فوج کا ایک حصہ وزیرستان میں اور دوسرا دستہ تیراہ کی جانب سے فاتحانہ حملے کرے گا۔ اور ان کیلئے سپاہی تڑپ رہے تھے کہ پایہ تخت کے سبکساروں نے ساحلِ سلامت ہی کو گرداب سمجھکر صلح کا لنگر ڈال دیا اور سردار محمد نادر خاں اور ان کی جمعیت کے ارادوں منصوبوں اور تمناؤں پر جو حقیقت پر مبنی تھیں پانی پھیر دیا۔

میں بھی اس مجلسِ شوریٰ میں شامل تھا جو دورانِ جنگ میں ملکی و عسکری امورات کے حل و فصل کیلئے ہر روز منعقد ہوتی تھی۔ اس کے اکثر ارکان ایسے جاہل تھے کہ بعض استقلال کے معنوں ہی کو نہیں سمجھتے تھے اور کچھ دلیل کی توضیح ہی نہیں کر سکتے

تھے۔ جب ڈکہ میں سپہ سالار صالح محمد خاں نے طیارے کے بم سے پاؤں میں ذرا
زخم کھایا اور لڑائی کا آغاز ہی ابتری سے ہوا تو شورے میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ
آیا جنگ جاری رکھی جائے یا بند کر دی جائے۔ ایک رکن مجلس جو جرنیل بھی تھے
یہی بولے جاتے تھے کہ لاٹھی لے کر نکل پڑو جب اس کی توجیہ پوچھی جاتی تو پھر اسی
بھینس کی ملکیت کے آے کو پیش کر دیتے جو تھا تو موثر مگر وہ اس کا طریق و محل استعمال
بتانے سے عاری تھے۔

جب انگریزی طیارے نے کابل میں بم پھینکے اور ان سے چند گھوڑے جو اصطبل
سے باہر بندھے تھے ہلاک ہوئے تو وہاں تماشائیوں کا ہجوم آموجود ہوا۔ میں نے
اس وزیر کو جس کے سپرد گھوڑے تھے موقع پر جا کر کہا کہ ان کو فوراً دبا دینا چاہیئے
ورنہ شہر کے لوگوں میں ہول و ہراس پیدا ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ کھالیں اتار
لوں ورنہ حساب کس طرح دوں گا۔ میں نے کہا آپ شوری میں شریک ہیں ابھی اعلیحضرت
سے خاص اجازت لے لو کیونکہ طیارے نے یہی ایک نقصان پہنچایا ہے اور اس کی
آگاہی شہر کے بیخبر لوگوں کو سراسیمہ کر دے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شوری میں ایک عام حواس باختگی کا عالم تھا۔ امان اللہ خاں کے ہوش بجا نہیں
تھے۔ میں نے استقلال و حریت کی خوبی اور ضرورت پر اور افغانوں کے خود مختاری
اور آزادی کے استحقاق و اہلیت پر مسلسل تقریر کے بعد ایک تجویز پیش کی جسکے

جواب میں امان اللہ خاں نے ایک کاغذ جو ان کے ہاتھ میں تھا ایک شخص کے منہ پر مارا جو اُن کے پاس بیٹھا تھا اور یہ کہکر باہر اُٹھ گئے کہ تم لوگوں نے مجھے برباد کیا اور میرے باپ دادا کی طرح بھی نہ چھوڑا۔ میری گفتگو میں کوئی اشتعال کی بات ہی نہیں تھی۔ کچھ مدت بعد واپس آئے اور میری عرض کو معقول فرما کر اس پر عمل کرانے کا حکم دیا۔

محمود طرزی نے مجلس میں یہ بیان کیا کہ شہر کے لوگ اپنی بیویوں اور بچوں کو دیہات میں لے جا رہے ہیں۔ بادشاہ بھی انسان ہے چاہیئے کہ وہ بھی اپنے خاندان کو کسی محفوظ جگہ روانہ کر دے۔ اس پر قاضی عبدالشکور خاں جھنجلا کر بولے کہ تمھارے جیسے مشیروں نے امیر شیر علی خاں کو مع شاہی گھرانے کے شہر سے بھگا کر تباہ کیا اور ملک کو غیر کے حوالے کرنے میں سہولت پیدا کی۔ تمھارے جیسے بے شرموں نے جنکو غیرت چھو نہیں گئی ملت کو ذلیل کیا۔ اب پھر اسی بے حیائی اور بے ناموسی پر اترے ہو؟

الغرض مجلس ٹھنڈی ہوئی تو یہ قصہ سامنے آیا کہ صلح کن شرائط پر کی جائے۔ امان اللہ خان فرمانے لگے کہ استقلال حاصل کرنے کی کوشش چاہیئے اور افراد مجلس کی آرا مختلف تھیں۔ ایک بریگیڈیر یہی کہتے تھے کہ صاحب بس یہی ٹھیک ہے یہی لینا چاہیئے۔ جب پوچھا جاتا کہ کیا تو جواب دیتے کہ وہی جو امیر صاحب فرماتے ہیں۔ ان کو استقلال کے تلفظ سے بھی ناآشنائی تھی۔ جاہل ایسے اور عالم محمود طرزی جیسے!

اس شوریٰ کے نتائج کا اثر محمد نادر خاں پر پڑا جو ان کی خط و کتابت اور امان اللہ خاں کے فرمانوں سے واضح ہوتا ہے۔ اگرچہ سپہ سالار کو باوجود غلبے کے لڑائی ترک کرنی پڑی۔ مگر انھوں نے اپنے موکد اور پر زور مشوروں سے امان اللہ خاں کو لڑکھڑاتے بچایا ورنہ وہ لغزش ان سے سرزد ہوتی جس سے افغانستان محکومیت کی زنجیروں میں پہلے سے زیادہ جکڑا جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد نادر خاں نہ صرف میدان رزم میں بلکہ سیاست ملی کی بزم میں بھی یگانہ فرد تھے اور انھی کے طفیل ان کے ملک کو دول دنیا کے زمرے میں مساوی مرتبت ملی ورنہ امان اللہ خاں اور ان کے اعیان مملکت اکثر مثل سابق تابع رہنے کو تیار ہو گئے تھے۔

فصل ہفتم

مراسلات میں مصالحت پر محمد نادر خاں کی رائے عالی

امان اللہ خاں کے فرمانوں اور مکاتیب سے جو محمد نادر خاں کو بھیجے گئے تھے۔
اور جو جواب انھوں نے دیئے بہت سی واقعی معلومات ہو سکتی ہیں :۔

امان اللہ خاں کا خط :۔

قبلاً سمت مشرقی کی بے انتظامی اور وہاں کی فوج کے پسپا ہونے سے آپ کو آگاہ کر چکا ہوں۔ وہ فوج کابل میں پہنچی ہے اور اپنے افسروں کی سخت شکایت کرتی ہے۔ ہر چند ان کو واپس جانے کی تاکید کی گئی مگر بے فائدہ۔ آخر ان کو چھاؤنی میں اتارا گیا تاکہ بتدریج ان سے بندوقیں لی جائیں۔ اس اثنا میں ایک ہوائی جہاز نے کابل میں بم گرائے جن سے چند گھوڑے ہلاک ہوئے۔ اس گولہ باری سے شہر کے لوگوں میں ہراس پیدا ہوا اور اکثر معزز اور بڑے آدمی مجھکو ملامت کرتے ہیں کہ یہ وقت

لڑائی کا نہ تھا اور بیجا حرکت ہوئی۔ اس حالت میں ارکان شوریٰ سے صلاح لی گئی اکثر نے صلح کی رائے دی کہ اگر امیر مرحوم اور امیر شہید کے عہد ناموں کی شرائط پر مصالحت ہو جائے تو قبول کر لو۔ آپ کی مصلحت اس بارے میں کیا ہے؟

محمد نادر خاں کا جواب :-

افغانستان کی تاریخ میں اس قسم کے واقعات و محاربات کی نظیریں اچھی طرح یاد دلاتی ہیں کہ یہ وطن اس سے قبل سخت تر مشکلات و موانع میں پھنس چکا ہے اور ان کے دور کرنے میں ملت افغان شجاعت و مردانگی کا امتحان دے چکی ہے۔ ایسے مواقع پر حکومت کی تشکیلات منعدم تھیں باقاعدہ فوج کا وجود نہیں تھا اور خزانہ بالکل خالی تھا اس ملت غیور نے تمام خطرات کا مقابلہ کر کے افغانستان کی شان و شرف کی نگہبانی میں بیشمار قربانیاں کر کے وطن کو دشمنوں کی پامالی اور اثر سے قابل افتخار طریقے پر بچایا ہے۔ جب وہی آبائی خون موجودہ طبقہ ملت کی رگوں میں جوش زن ہے کیونکر ممکن ہے کہ ایک ہوائی جہاز کے کابل میں آنے سے یہ گمان کر لیا جائے کہ ملت خوف زدہ ہو گئی ہے اور اس لئے ہم بے عزتی کی شرائط جو سراسر تمکین و وقار افغانی کے خلاف ہیں قبول کر لیں حالانکہ روزانہ کئی طیارے ہمارے لشکر پر گولہ باری کرتے ہیں اور ہمارا ایک فرد بھی مطلق اس سے متاثر نہیں ہوتا۔

اہالی شوریٰ کے نظریہ کی بابت جو اعلیحضرت نے تحریر فرمایا ہے عرض کرتا ہوں

کہ یہ اشخاص ملت کے حقیقی نمائندے نہیں ہیں محمود سامی محمود شاغاسی اور ان کی مانند آدمی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مہربانی کر کے ایسی اہم ملی اور سیاسی باتوں میں جو ملت کی موت وحیات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں نہ خود آپ اور نہ آپ کے وزرا و مامورین خودسرانہ تصفیہ کریں بلکہ ضرور یہ فیصلہ خود ملت پر چھوڑیں تاکہ اس میں افغانی ذوق وجذبات کو دخل ہو۔ خدا کے واسطے ذرہ بھر اس بارے میں ملی حسیات کے برعکس اقدام نہ کریں ورنہ بہت پشیمانی اٹھانی پڑے گی۔

یہ ایک نمونہ عرائض کا ہے جو سپہ سالار بہادر نے امیر امان اللہ خاں کی خدمت میں تقدیم کئے اور معتبر و معتمد قاصد بھیجکر انہی مقاصد عالیہ پر اصرار کیا باوجود ان کی متواتر مساعی کے متارکہ بغیر ان کے مشورے کے عمل میں لایا گیا اور پھر اس کی شرائط بھی ان کی صلاح کے بغیر قبول کی گئیں جس کی تصریح مزید فرمانوں اور ان کے جوابات کی جاتی ہے :۔

فرمان مبارک اور وائسرائے ہند کے خط کی نقل ملاحظہ کر کے چند امور جو کلی نقصانات پر منتج ہوتے ہیں تفصیل سے عرض کرتا ہوں۔ انگریزوں نے سات شرطیں پیش کی ہیں (۱) ان کے ہوائی جہازوں کی آزادی افغانستان میں۔ (۲) جن مواضع پر انھوں نے قبضہ کیا ہے وہاں آزاد رہیں اور حفظ ماتقدم کے لئے ان جگہوں کو مستحکم کریں (۳) جن مقامات پر افغانی فوج اور قبائل نے قبضہ کیا ہے جیسے

وزیرستان ان کو انگریزوں کے سپرد کر دیں (۴) انگریزی فوج سے افغانی فوج بیس میل کے فاصلے پر دور رہے (۵) سرحدوں میں اطلاع دیتا کہ افغان صلح کر رہے ہیں تاکہ وہاں کے باشندے ہم سے دل برداشتہ اور نا امید ہو جائیں۔

دوسرے مواد جزوی معلوم ہوتے ہیں جن کے مضامین سے فی الحال کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن جب وہی باتیں سیاست کے پردے میں دیکھی جائیں تو ایک جہان معنی ان میں پیدا ہو جاتے ہیں اور انہی نکتوں سے افغانستان کا ملا برباد ہوا ہے۔ اگر انسان کی تین سو ساٹھ رگوں میں سے ایک میں بھی خون ہو تو اس قسم کی شرائط کو قبول نہیں کریگا۔ اگر جلال آباد اور کابل کی حالت بالکل خراب ہو گئی ہے تو مصالحت اس طریق سے کی جائے کہ آپ داخلی اور سرحدی وکلا دربار میں طلب فرمائیں ان کے ساتھ گفتگو کر کے صلح کا فیصلہ کریں۔ اہل الرائے اشخاص کو مجلس میں شامل کریں اور مجھے بھی اس میں شریک فرمائیں ورنہ آپ مختار ہیں۔

اس قدر عرض کرتا ہوں کہ اگر سمت مشرقی کی طرف ہماری کچھ زمین انگریزوں کے ہاتھ لگ گئی ہے تو اس سے تین گنا ان کی ملکیت سمت جنوبی کی جانب ہمارے تصرف میں آگئی ہے۔ پس سابقہ شرائط پر مصالحت کرنا سراسر عیب ہے تمام وزیرستان آج امید کی آنکھ سے افغانستان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ افغانی فوج انگریزوں کی بڑی چھاؤنی وانا میں مقیم ہے اور ہماری حالت یہاں ایسی اچھی

ہے کہ شکر کا مقام ہے۔ اگر یہ خبر عام ہو گئی کہ آپ نے بے شرفانہ صلح کر لی ہے تو ہماری فوج کو وزیرستان میں سخت ضرر پہنچنے کا احتمال ہے۔ خدا کے لئے فکر دور اندیشی اور حوصلے کو ہاتھ سے مت دیجئے۔

اس کے جواب میں امان اللہ خاں نے تسلیم کیا کہ سپہ سالار کی غیرت مردانگی اور حسن تدبیر سے سمت جنوبی کی طرف انگریزوں کی نسبت کئی حصے زیادہ زمین افغانوں کے تصرف میں آگئی ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا کہ وزیریوں اور مسعودوں کی آزادی کے بغیر صلح کو ہرگز قبول نہ کروں گا اور کوئی ایسی بات نہ ہو گی جس میں افغانستان کی ذلت متصور ہو۔ پھر اس کے بعد کا فرمان ملاحظہ ہو جو سپہ سالار کے نام بھیجا گیا اور اس سے سراسر سراسیمگی ظاہر ہوتی ہے:۔

وائسرائے نے مصالحت کی شرط اعظم یہ قرار دی تھی کہ افغانی فوج بیس میل پرے ہٹ آئے۔ میں نے دس میل منظور کر لیا ہے۔ لہٰذا اول عالیجاہ ارجمند شاہ محمود خاں کو خبر کر دو کہ بیدار میں اپنی فوج کو انگریزی فوج کے مقابلے سے دس میل دور واپس لے آئیں۔ دوسرا عالیجاہ ارجمند عزیز شاہ ولیخاں کو بھی تاکید کر دیں کہ وزیرستان میں ان کی فوج انگریزی فوج سے دس میل کے فاصلے پر اقامت کرے۔ آپ بھی خود اسی طرح اپنی فوج کو دس میل کے بعد پرے لے آئیں۔ اگر افغانی جھنڈا وزیرستان میں گاڑ دیا ہو تو خیر ورنہ مت گاڑیں اور یہ اعلان

کریں کہ نیا جھنڈا کابل سے بہترین کرآئے گا تو نصب کیا جائیگا - اگر اشتہار شائع کر دئے ہوں تو خیر ورنہ ملتوی کر دیں تا کہ انگریزوں کو ہماری جنگجوئی اور قبائل میں جوش پھیلانے کے الزام کا موقع نہ ملے۔ شاہ دلیخاں جرنیل وزیرستان کو منع کر دیں کہ فی الحال وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیں -

سپہ سالار نے پھر لکھا کہ انگریزوں میں بہت پریشانی دکھائی دے رہی ہے ٹھانوں اور چوکیوں کو خالی کر رہے ہیں - پل توڑ کران کے گرڈر واپس لے جا رہے ہیں اور دریائے اٹک کی مورچہ بندی ہو رہی ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ سرحد سے کنارہ کشی کا قصد کر لیا ہے - ان واقعات کو ملحوظ رکھکر راولپنڈی کی مجلس صلح کو سمجھا دیں کہ افغانستان کی بہتری اور تمام اہل اسلام کی خیر خواہی میں مستعدی ثابت قدمی اور مضبوطی برتیں -

فرمان مبارک میں یہ امر ہے کہ محمود خیاں پیوار میں اپنی فوج دس میل پیچھے لے آئے عرض یہ ہے کہ جس موضع پر فوج نے وہاں قیام اور استحکام کیا ہے وہ خاص سرحد پر واقع ہے - اگر وہ جگہ خالی کی جائے اور دشمن کے ہاتھ پڑ جائے تو اس کے بعد لوگر اور کابل تک کوئی مقام اس کی مدافعت کیلئے ہمارے پاس نہیں رہتا - اگر انگریز خواہش کرتا کہ چھاؤنی خوست خالی کر دو تو وہ اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنا کوتل پیوار کی سرحد کا قبضہ ہمارے لئے ضروری ہے - باوجود اس کے حسب فرمان مبارک

فوج اور توپخانہ وہاں سے واپس بلایا گیا اور صرف رعیت کے آدمی وہاں مقرر کئے گئے جب دشمن نے شرائط متارکہ میں یہ مطلب حاصل کر لیا ہے دیکھئے شرائط صلح میں کیا مقصد پیش کرتا ہے اگر اس وقت افغانستان میں استقلال کی قدر ہو اور الحمدللہ تعالیٰ ہے انگریز کسی طرح بھی ہمارے مدعا کو نظر انداز نہیں کر سکتا کیونکہ تمام سرحد سے اسکے سر پر رات دن حملے ہو رہے ہیں۔ اس کا راستہ بند ہے۔ اپنی فوج کی طرف سے بالکل ناامید ہے اور اس پر اسے کوئی اعتبار نہیں رہا کیونکہ ہر روز اس کی سپاہ میں سے افغان اور ہندی سب دوڑے چلے آرہے ہیں چنانچہ رسالے کے آدمی جو ابھی بھاگ کر آئے ہیں دارالسلطنت میں روانہ کئے جاتے ہیں۔

پھر عرض ہے کہ بیوار سے فوج اور توپخانہ ہٹانے کی بابت امر ثانی کا منتظر ہوں۔ بیوار کی حد پارہ چنار کی انگریزی چھاؤنی سے پندرہ میل دور ہے اسی کو سند لے کر ہم کو موقع ہے کہ وہاں سے اپنا عسکر منتقل نہ کریں بعد ازاں افغانوں اور انگریزوں کی طرف سے آدمی مقرر ہوں جو حدود کا نقشہ تیار کریں اور وہ آپ کے ملاحظے سے گذر کر منظور ہو۔ اعلیحضرت کے حکم سے شاہ دولیخاں وزیرستان کا حاکم اور جرنیل مقرر ہوا۔ وانا میں افغانی علم نصب کیا گیا اور بڑی دھوم دھام سے یہ رسم ادا کی گئی۔ اس وقت وزیری اور محسود ہمارے طرفدار ہیں اور بڑے جوش و خروش سے اطاعت پر آمادہ ہیں۔ اگر ان کے خیالات ہماری جانب سے بدل گئے اور ان کے دل میں ہماری طرف سے

بے اعتباری پیدا ہو گئی تو بڑے نقصانات کا احتمال ہے۔ باوجود اس کے میں نے شاہ ولیخاں کو خوست میں ٹھیرا لیا ہے اور اشتہاروں کے تقسیم کرنے میں بھی تعویق کر دی ہے پھر بھی حکم دوم کا منتظر ہوں۔

اس کے بعد سپہ سالار نے ایک اور عریضہ لکھا جس میں ذکر کیا کہ انگریزوں کی حالت روز بروز کمزور ہو رہی ہے۔ بنو کوہاٹ اور کرائی میرام شاہ اور ٹانک وغیرہ سے ان پر دھاڑے پڑ رہے ہیں کوئی دن نہیں گذرتا جو وزیری اور مسعود ان کے مال و اسباب لوٹ کر نہیں لاتے ابھی تین موٹریں خراب کیں اور ان کے ڈرائیوروں کو ساتھ لائے۔ دس بیس سپاہی جوان کو مل جاتے ہیں ان سے بندوقیں چھین لاتے ہیں۔ ایک پلٹن پنجابی اور ایک پلٹن سکھ سے پیغام پہنچا ہے کہ وہ افغانستان میں آنے کو تیار ہیں۔ توپ بندوقیں اور مشین گنیں وغیرہ روانہ کی جاتی ہیں جو ہمارے ہاتھ آئی تھیں۔ ان تمام حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انگریز تعرض کی جرأت نہیں کرے گا لہٰذا وفد صلح کو راولپنڈی میں تاکید کی جائے کہ مصالحت میں سستی اور مغلوبیت دکھانے کی بجائے قوت اور زور سے پیش آئیں۔ ہماری سب خواہشات انگریز مجبوراً مانے گا۔

اس خط کے جواب میں امان اللہ خاں کا جو فرمان صادر ہوا اس میں سپہ سالار کی سب باتوں کی تصدیق کی گئی اور ان کی ہمت وتدبیر کی داد دیتے ہوئے منظور کیا کہ بیوارا اور وزیرستان سے جو اب تک فوج اور توپخانہ علیحدہ نکیا اچھا کیا اور یہ بھی ہدایت

ہیں کہ اگر انگریزوں نے اعتراض کیا تو جواب دیا جائیگا کہ تم نے ڈکہ اور قندھار کے قلعہ
لئے اب تک اپنی فوجیں واپس نہیں بلائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد نادر خان کی
ترغیبیں آخر کارگر ہوئیں اور ان کی عملی اور تحریری دلیلوں کی یہ تاثیر ہوئی کہ امان اللہ خاں
نے اپنے پست فطرت مشیروں کی پرواہ نہ کر کے وفد صلح کو راولپنڈی میں استقامت سے
استقلال کی شرط منوانے کی تاکید کی چنانچہ جو نتیجہ وہاں مرتب ہوا اس میں محمد نادر خاں
کا شیرانہ حصہ ہے کیونکہ دوسری طرف انگریزوں پر زور ڈالتے تھے ان کی سرحدوں سے
گذر کر دوسرے مواضع میں لوگوں کو اکساتے تھے جو پیاپے حملوں ڈاکوں اور شبخونوں سے
انگریزی فوجوں کو تنگ کرتے تھے جس سے ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر دوبارہ جنگ
چھڑی تو افغانی فوج کے علاوہ جو پہلے سے زیادہ آراستہ ہو گئی ہے ان کی اپنی فوج بھی
بگڑنے پر آمادہ ہے اور نیز گرد نواح کے لوگ ہی ان کی ناکہ بندی کر دینگے لہذا بہر
حال مصالحت لازم ہے۔

سپہ سالار بہادر کی فاتحانہ مراجعت اور قدردانی

جب راولپنڈی کا وفد موقتی مصالحت کر کے بعض فیصلہ طلب امور لیکر کابل واپس آیا تو اس بارے میں سردار محمد نادر خاں کا مشورہ مقدم تھا۔ نیز دیگر معاملات میں جن کا تعلق وزارت حربیہ سرحدات اور داخلی خارجی سیاست کے ساتھ تھا ان کی مدد لابدی تھی لہٰذا ان کو دارالسلطنت میں مدعو کیا گیا۔ پس اپنے دو بہادر اور دلاور بھائیوں سردار شاہ ولیخاں اور سردار شاہ محمود خاں میں سے بڑے شاہ ولیخاں کو اپنی جگہ مکمل ملکی وعسکری اختیارات کے ساتھ مامور کر کے عازم کابل ہوئے۔ نظامی اور قومی لشکر وداع کے وقت جدائی کے خیال سے روتے تھے۔ تمام راہ میں مختلف قبائل اور علاقوں کے گروہ آتے اور آپ کو مبارکباد دیتے اور یہ امید دلاتے تھے کہ ملت ان کی قدر کرتی ہے جو فی الحقیقت وطن کی پاسبانی اور اس کے دشمن کی سرکوبی کی قدر ہے۔ آپ کی معیت میں وہ حصہ فوج ہے جنھوں نے خاص طور پر شجاعت وجاں نثاری دکھائی تھی نیز وہ افسر اور سپاہی ہیں جو اسلامی اور افغانی حسیات سے متاثر ہو کر انگریزی فوج سے فرار کر آئے تھے پھر اسیران

جنگ ہیں اور ساتھ وہ اسلحہ اموال اور دوسری غنیمتیں ہیں جو دشمن سے لی گئی تھیں۔
آپ کے استقبال کے لئے میلوں تک سڑک کے دورویہ شہر اور دہات کے باشندے قطاروں میں اشتیاق و احترام سے کھڑے تھے۔ جب غازی فاتح نزدیک آتے تو نعروں سے پہاڑ گونج اٹھتے۔ ان میں مکاتب کے نوجوان طلبہ کا حصہ البتہ روشن فکری کی وجہ سے زیادہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نہ صرف سپہ سالار کی تلوار نے بلکہ نیز ان کی قلم نے ملک کو بچایا اور استقلال حاصل کیا ہے ورنہ دوسرے تو ہار مان چکے تھے۔ لڑکوں نے عام راستوں میں جھنڈیوں کی جن پر موزوں عبارات مرقوم تھیں بہار دکھائی اور جب آپ وزارت حربیہ میں وارد ہوئے تو سڑک کے دونو کناروں سے پھولوں کی ایسی موسلا دھار بارش کی کہ ان کے محرابی بادل کے اوپر آسمان دکھائی نہیں دیتا تھا اور رنگ و بو کے قطرے سڑک کے ایک طرف سے دوسری جانب ملتے تھے گویا رہروان رہبر گنبدی سقف گل کے نیچے سے گذرتے تھے۔ میدان عسکری میں اور پھر محل شاہی میں بڑے تپاک اور اعزاز سے خاطر و مدارات ہوئی۔ اعلیحضرت نے بغلگیری کی سر اور ماتھے کو چوما اور رطب اللسانی میں بے اختیارانہ فرمایا کہ آپ ہی کی ہمت شجاعت اور تدابیر سے افغانستان کو نجات ملی اور ملت آزاد ہوئی جس کی تائید میں باقی اعیان دربار نے اعتراف کیا کہ ہم تو سب کچھ کھو بیٹھے تھے آپ نے ہی بازی کو جیتا۔ تھوڑی مدت کے بعد یہی اظہار حکومت کی جانب سے اس منار پر کندہ ہوا جو آپ کی

یادگار میں قائم کیا گیا :۔ بیادگار درود کامیابی یگانہ مجاہد، وطن پرست، ملت خواہ جناب محمد نادر خاں سپہ سالار کہ عموم ملت افغانستان آزادی خود را بقوۂ شمشیر ایں مرد دلیر از انگلیس درسال یکہزار و دوصد و نود و ہشت شمسی حاصل نمودند بنا نہادہ شد۔
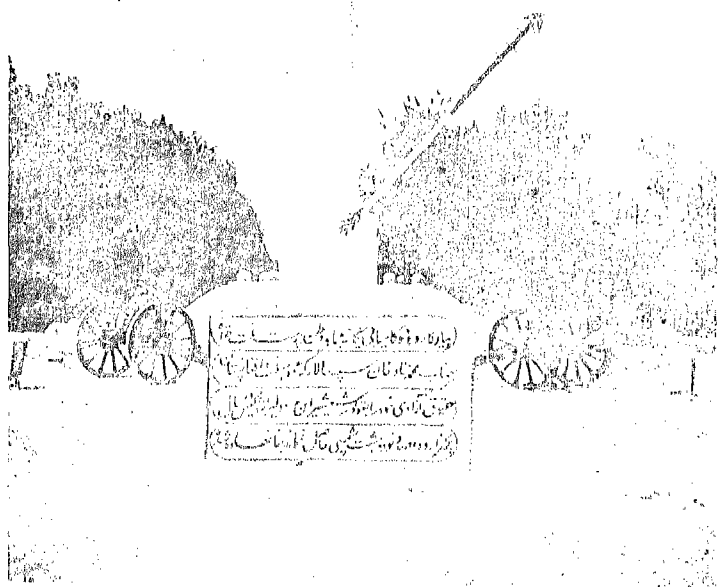
بادشاہ کی طرف سے سپہ سالار بہادر کو سب سے بڑا تمغہ "المرا علیٰ دالمر۔ سورج) عطا ہوا اور ان کے دونو بھائیوں کو جرنیلی کے مناصب اور سردار اعلیٰ کے خطاب عنایت ہوئے۔ سردار شاہ ولیخاں کو سپہ سالار غازی کی بجائے اور ان کے دوسرے بھائی سردار شاہ محمود خاں کو سمت جنوبی کا ملکی و نظامی حاکم مقرر کیا۔ اسی طرح دوسرے افسروں سپاہیوں اور رعیت کے افراد کو جنھوں نے ممتاز خدمات ایفا کی تھیں مناصب نشانات خلعتیں اور انعامات دیئے گئے۔ جیسا اخبار پائونیر نے سمت جنوبی کی پہلی لڑائی کے بارے میں نگارش کی تھی کہ افغانوں نے بہادروں کو تمغے دینے میں بڑی مبادرت کی اب پھر انگریزوں سے بہت مدت پہلے یہ حق لشکر ادا کیا گیا۔

اب سردار محمد نادر خاں نے وزیر حربیہ کی حیثیت میں اس وزارت کی اصلاح میں جد وجہد شروع کی جو امیر حبیب اللہ خاں کے بعد آپ کی جنگی مصروفیت کے سبب درہم برہم ہو رہی تھی۔ سب پراگندہ عناصر کو جمع کر کے ان تعلیمیافتہ جوانوں کو جو مکتب حربیہ

سے فارغ التحصیل ہوئے تھے مناسب عہدوں پر مقرر کیا اور رسد و ذخائر وغیرہ کی فراہمی میں توجہ کر کے فوجی نقل و حرکت کا سامان مکمل کیا۔ چونکہ ابھی انگریزوں کے ساتھ عہد نامہ قرار نہیں پایا تھا اور دوبارہ لڑائی کا احتمال تھا اس لئے فوج کے علاوہ رعیت میں بھی جہاد کے جوش کو قائم رکھنے کی تجاویز کیں۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اپنے بھائی شاہ ولیخاں کو وزارت حربیہ میں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اور سمت جنوبی کا اختیار شاہ محمود خاں کے سپرد کر کے آپ جلال آباد کی طرف ملتفت ہوئے جو بالکل تباہ ہو چکا تھا اور نیز وہاں ان غازیوں کی قدر دانی واجب تھی جنھوں نے فوج کی غیر حاضری میں خود اپنی حماست و غیرت سے انگریزوں کی مدافعت کی تھی۔ اب آپ کی معیت و معاونت میں آپ کے بھائی سردار ہاشم خاں تھے جو ہرات میں نائب سالار رہ کر جب وہاں سے واپس آئے تو اپنے بیش مشوروں سے اس شوریٰ کو مستفید کرتے رہے تھے جو لڑائی کے اثنا میں منعقد تھی۔

جلال آباد کے راستے میں تمام منازل پر رعایا کے برگزیدہ افراد کے ساتھ مذاکرات کرتے ضروری مواضع پر انتظامی دستے مقرر فرماتے جب جلال آباد پہنچے تو وہاں تمام سرکاری عمارات کو خالی پایا حتیٰ کہ سفری خیمے سے منتقل ہو کر شاہی مکانات میں قیام کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ سب تاخت و تاراج ہو چکی تھیں مگر ایک عجیب استثنا تھی جو مالِ حلال کی غیبی نگہداشت کی ایک دلیل ہے۔ سردار محمد سلیمان خان مرحوم آپ کے چچازاد بھائی فرماتے تھے کہ ہمارے جلال آباد کے گھروں اور کوٹھیوں میں کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور ایک شیشہ بھی نہیں ٹوٹا تھا حالانکہ اور کوئی جگہ لیٹروں کی دست برد سے نہ بچی تھی

اس لوٹ کا سبب یہ ہوا کہ جب انگریز ڈکہ میں آ پہنچے اور فوج کابل کی طرف بھاگ گئی تو حاکم نے یہ سمجھ کر کہ اب دشمن جلال آباد میں پہنچکر ہر ایک چیز پر متصرف ہو جائیگا اسلئے دوست ہی کیوں ان پر قبضہ نہ کرے۔ یہ وہی حضرت تھے جنکی غفلتوں

سے سمت جنوبی کی پہلی لڑائی چھڑی۔ اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور صلاح محمد نادر خاں نے کی۔ اب پھر اسی واقعے کا اعادہ ہوا۔ حکیم حاکم سے افغانوں نے ہی شہر کو لوٹا اور شاہی محلات میں کوئی چیز نہ چھوڑی۔ حاکم کو اپنی ملت ہی کی خصلت سے ناواقفیت تھی جس نے ڈکا اور جلال آباد کے راستوں پر دو طرفہ جمعیت حاضر کی اور انگریزوں کی پیشقدمی کو سختی سے روکا آزمائش کے لئے ان کی کمپنیاں بڑھتی تھیں اور منہ کی کھا کر لوٹ جاتی تھیں۔ انگریزوں کو یہ بھی گمان تھا کہ جلال آباد کی لوٹ خدعۂ حرب ہو سکتا ہے کہ ہم وہاں داخل ہوں اور چاروں طرف سے محصور کر لئے جائیں۔

سردار محمد نادر خاں نے جلال آباد میں جلوہ افروز ہو کر سب خانوں اور علماء و مشائخ کو جمع کیا اور ان کو یاد دلایا کہ جب تک انگریزوں کے ساتھ معاہدہ نہ ہو جائے ہم کو چاہئے کہ جہاد کے لئے آمادہ رہیں جو ہماری خود مختاری اور شرافت کی شرائط کے قبول نہ ہونے پر ہر وقت محتمل ہے۔ اسکے لئے اول لازم ہے کہ تمھارے درمیان اتفاق و اتحاد ہو اور باہمی عداوت و عناد دور ہو جائے۔ تم اپنے علاقوں میں جا کر سب کو اکٹھا کرو اور اگر کوئی سرکشی کرے تو مجھے اطلاع دو میں اسے سیدھا کر دونگا۔ دوسرا اپنے میں سے عسکری خدمت کے لئے جس طرح مناسب سمجھو جوان آدمی منتخب کرو جو ہمیشہ لڑائی کے لئے تیار رہیں کیونکہ فوری آغاز جنگ کے وقت قومی اجتماع میں تاخیر ہوتی ہے اور عسکر ہر دم آمادہ رہتا ہے۔ تیسرا جو حکومت کے حقوق تم پر واجب الادا

ہیں جیسے مالیات ومحصولات ان کو بیباق کرنے میں جلدی کرو کیونکہ یہ مدد کا وقت ہے اور نیز جو مال واسباب حاکم کی بداندیشی سے ضائع ہوا ہے اس کے استرداد میں معاونت کرو تاکہ کسی کے پاس ایک ذرہ وحبہ باقی نہ رہے۔ اتفاق قائم کرنے سپاہی انتخاب کرنے اور حق حکومت ادا کرنے کے بعد پھر آؤ اور میرے ساتھ بیٹھکر ایک بڑی مجلس میں وہ امور طے کرو جو جہاد کی صورت میں ضروری ہیں۔ سب نے برضا ورغبت ان اوامر کو منظور کیا اور علاوہ ان جوانوں کے جو اس وقت سرحدوں میں نگہبانی کے لیے قوم کی طرف سے متعین تھے اور سپاہی بھرتی کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

اس کے بعد دونو بھائیوں نے اس بلدۂ ویرانہ کو از سر نو آباد کرنے اور اس کے بکھرے نظم ونسق کو سدھارنے میں رات دن لگاتار محنت ومساعی سے کام لیا مناسب مقامات تک ٹیلیفون ڈاک اور دوسرے ذرائع خبر رسانی مہیا کئے۔ صوبے کو مختلف حصوں میں منقسم کر کے حکام کے ہاتھ میں دیا۔ جہاں جہاں قومی جمعیتیں مقرر تھیں ان کی تکمیل کے لئے عسکر اور افسر بھی بھیجے ایک دستہ سیار فوج کا علیحدہ کیا جو تمام سرحدات میں چکر لگانا اور لوازم حربیہ سامان رسد اور عمارتوں کی ترمیم وغیرہ کی نگرانی کرتا۔ خود سردار محمد ہاشم خاں جو سمت مشرقی کے گورنر کی حیثیت میں تھے نغمان اور شنوار وغیرہ کے اضلاع میں دورہ کرتے اور ملکی وعسکری انتظامات کے علاوہ قبائل میں اسلامی افغانی جذبات کی روح پھونکتے تھے۔ ان فعالیتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ سپاہی جو نظامی کام سیکھ

سپاہ کر چلے گئے تھے جوق جوق واپس آکر فوج میں داخل ہوئے۔ مالیات و محصولات سب ادا ہو گئے اور مال و اسباب بھی جو تلف نہ ہوا تھا واپس لایا گیا۔ لوگ متفق و متحد ہو گئے اور انھوں نے خود وہ لوگ پکڑ کر پیش کئے جو مفسد اور فتنہ پرداز تھے۔ ان کو حسب جرائم قتل قید یا اخراج کی سزائیں ملیں۔

ان تمام امورات میں مشغولیت کے علاوہ سردار محمد نادر خاں متعدد قبائل کے وکلا کو مدعو کر کے ان سے اہم معاملات میں بات چیت کرتے تھے۔ علاوہ سیاسی اور انتظامی باتوں کے جن کا تعلق زمانہ حال کے ساتھ تھا استقبال سے بھی غافل نہ رہے جب ہر طرف سے رعایا کو امنیت و طمانیت حاصل ہو گئی تو ان کو بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف راغب کیا۔ ایک بڑے مجمع میں جہاں سب بزرگان قبائل حاضر تھے آپ نے معارف کی لزومیت پر تقریر کی۔ اس کے اثر سے جیسا کہ افغانستان میں قاعدہ تھا۔ اپنے مالیات پر اتنا روپیہ اور اضافہ قبول کیا جس سے مکاتب کا خرچ نکل سکے چنانچہ پہلا مکتب سمت مشرقی میں محمد نادر خاں نے تاسیس اور افتتاح کیا اور ان کے بھائی سردار سردار محمد ہاشم خاں نے ان کی موجودگی اور غیاب میں عرفانی کوششوں کو جاری رکھکر تمام صوبے میں مکاتب کی داغ بیل ڈالی۔ اسی طرح دوسرے بھائی سردار شاہ محمود خاں نے سمت جنوبی جیسے اکھڑ صوبے میں لوگوں کو سمجھا بجھا کر تعلیم پر آمادہ کیا اور متعدد مکتب کھولے۔

میں ان دنوں گیارہ سال کی زندہ درگوری اور ایک سال کی آزادانہ خدمت کے بعد رخصت پر گھر جا رہا تھا۔ راستے میں بیمار پڑ گیا تو آپ نے مجھے اپنا مہمان رکھا اپنا ڈاکٹر میرے معالجے کے لئے مقرر فرمایا اور دو ہفتے روزانہ میری خبر گیری کیلئے آپ خود تشریف لاتے رہے۔ اس اثنا میں مجھے آپ کی وہ مجاہدت اور مدبرانہ کارروائی جس کا ذکر کر رہا ہوں خود ملاحظہ کرنے کا موقع ملا۔ جب میں رخصت سے واپس آیا تو پھر آپ کو اسی جدوجہد میں مصروف پایا۔

ان دنوں مہاجرین ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان سے افغانستان میں وارد ہو رہے تھے کیونکہ امان اللہ خان نے اعلان کیا تھا کہ ہمارا ملک اپنی تمام وسعت کے ساتھ ان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ میں نے بڑی شدت سے سپہ سالار غازی کو آگاہ کیا کہ زبانی جمع خرچ اتنے بڑے اہم امر میں کافی نہیں۔ ہزاروں بوڑھے بچے اور عورتیں افغانستان میں کیسے سما سکتی ہیں اور ان کی خوراک اور رہائش کا کیا سامان ہو سکتا ہے۔ چاہیئے تھا کہ صرف وہ لوگ بلائے جاتے جن کی افغانستان کو ضرورت تھی اور جن کو ہندوستان زائد سمجھ کر ہجرت پر اعتراض کرتا۔ موجودہ حرکت طرفین کے لئے موجب آفت ہوگی۔ اس مدعا کو ادراک کر کے آپ نے میری صلاح پر عمل کیا اور جو مہاجرین داخل ہو چکے تھے ان کی خاطر مدارات کو اپنے ذمے لے کر باقی کے لئے امان اللہ خاں کو ٹیلیفون میں کہا کہ منع کر دئے جائیں۔ وہ اصرار کئے جاتے تھے اور اس

مہاجرین کی معاونت کو مناسب نہیں سمجھتے تھے جس پر نائب سالار محمد ہاشم خاں نے اپنی صاف گوئی کی عادت کے بموجب سخت کلامی سے عرض کی کہ انہی مہاجرین کو سنبھالنا شاق ہے چہ جائیکہ اوروں کو بھی بلایا جائے۔ باوجود اس کے سپہ سالار نائب سالار اور ان کے دوسرے بھائی سردار محمد عزیز خاں مرحوم مہاجرین کی دلجوئی اور عملی تسلی میں مصروف رہے اور علاوہ اس الفت کے جو ان کو اہل ہند کے ساتھ تھی مسافرت کا لحاظ کر کے کوئی دقیقہ ان کی آسائش و مہمان نوازی میں فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔

جب حکومت کے سب شعبات منظم ہو گئے عمارات بھی ایک حد تک آراستہ ہو گئیں چھاؤنیاں سپاہیوں سے بھر گئیں اور رعایا بھی مطمئن ہو گئی تو بڑی مجلس کے لئے اعلانات صحیح کر کے تقسیم کئے گئے جن میں اس بنا پر ملت کو دعوت دی گئی تھی کہ انگریز نے ہمارے استقلال کو قبول کر لیا ہے مگر بعض شرائط جو ہماری کامل خود مختاری کے لئے لازم ہیں ابھی نہیں مانتا بلکہ لڑائی کی تیاری میں مصروف ہے لہٰذا ہمارا بھی فرض ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول اور اپنی عزت و حریت کی صیانت کے لئے امداد کی میں کوئی کسر نہ چھوڑیں تاکہ اگر دشمن کی طرف سے کوئی بے اعتنائی ہو تو ہم بھی پہلے سے زیادہ مقابلے کے لئے تیار رہیں۔

سنہ ۱۲۹۸ / ۱۹۲۱ میں سب بزرگان قوم لبیک کہتے فوراً حاضر ہوئے اور مشہور و معروف ملا صاحب ہڈہ (رح) کے منبر کے نزدیک اس بزرگ مجلس کا انعقاد ہوا جہاں بڑی جمعیت اور غیرت کے اظہار کے بعد سب نے سپہ سالار غازی کی تائید

کی اور اقرار کیا کہ جب تک انگریز ہماری آزادی کو کاملاً تسلیم نہیں کرے گا ہم تمام
طوائف اسمار سے لیکر پارہ چنار تک ایک ایسی آگ جلا دینگے جو دشمن کو راکھ بنا دیگی
اس میں یہ طے پایا کہ ہر قبیلے کے سپرد اس کے متصل علاقہ ہو جہاں وہ اپنے آدمی
مسلح و آراستہ رکھیں۔ یہ تقسیم قرآن مجید کے حاشیے پر لکھی گئی اور سب قبیلوں
کے حصے جتنے سپاہی آتے تھے مع ان کے افسروں کی تعداد کے قلمبند کئے گئے
ان قومی افسروں کو سپہ سالار غازی نے ایک ایک پستول جس پر اس طائفے
کا نام کندہ تھا مع ایک جھنڈے کے جس پر آیات جہاد منقوش تھیں عطا کیا۔

اسی مجلس عالی میں "اتحاد مشرقی" نام اخبار بھی شائع کرنے کا حکم دیا جو ہفتے
میں دو بار چھپ کر سمت مشرقی میں وحدت اور صلاح کی ترغیب و تحریض کرتا تھا۔
ان تمام فیصلوں کو حکومت افغانستان کے پاس بھیجا تاکہ انگریزوں سے جلد ہی
جواب طلب کرے اور اگر وہ خاطر خواہ وضع نہ دکھائیں تو جہاد جاری ہو۔ اب یہ
بڑا جرگہ تو مرخص ہوا مگر لوگوں میں اتنا جوش پھیل گیا کہ مذکورہ جواب کا انتظار بھی
نہیں کر سکتے تھے۔ جماعتیں تشکیل کر کے سرحدوں میں پھرنے اور انگریزی علاقے
میں دھاڑے مارنے لگے۔ سپہ سالار غازی ایک طرف انسداد کرتے تو دوسری
طرف سر نکالتے تھے اور یوں چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا جس سے
البتہ انگریز تنگ آ گئے۔

جب سرحدی اور مشرقی اقوام کی یادداشت سرکاری طور پر انگریزوں کو پہنچی اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ ایک تو مخبروں نے دوسرا افغانوں کی ضرر رسانی نے پہلے ہی کافی اطلاع پہنچا دی تھی تو عجلت سے ایک اور افغانی وفد صلح کو کوہ منصوری میں مدعو کیا۔ یہ سپہ سالار کی دور اندیشی اور تیز فہمی کا نتیجہ تھا کہ جمعیت موصوف تین مہینے کے بعد کامیاب واپس آئی اور اس کا ثبوت وہ تقریر ہے جو صدر وفد محمود خاں طرزی نے مراجعت پر محمد نادر خاں کے سامنے جلال آباد میں بیان کی :-

وہ باشرفانہ مطالبات جو ہم نے انگریزوں سے کئے اور انھوں نے ایک حد تک قبول کئے اور وہ شرائط جو ہمارے وقار و عزت کے منافی تھیں اور ان کی تاکید و اصرار سے انگریز باز آئے اس کا سبب سپہ سالار زحمت کش و جرار کی شمشیر آبدار اور مساعیٔ قابل افتخار ہیں۔ اگر ہم ان فتوحات کی جو آپ نے سمت جنوبی میں مردانگی سے حاصل کی ہیں سند نہ رکھتے اور انگریز ہماری شیرانہ ادعاع کو مشاہدہ نہ کرتے یا موجودہ وقت میں بھی تلوار براق نادری کا ہم اور آپ کے اقدامات کا اثر نہ ہوتا جو افغانی ملت اور خصوصاً جنوبی و مشرقی اقوام شجاع اور ہمارے عام عساکر سے ظاہر ہو رہا ہے ہرگز ہماری اس درجہ پذیرائی نہ ہوتی اور ہمارے جائز مطالبات مانے نہ جاتے۔

البتہ بعض مسائل جو ہمارے استقلال حریت اور روح افغانیت کو معیوب

منقسم نہیں کرتے ہیں ابھی حل نہیں ہوئے انہی پر غور و تدقیق کے لیے ہم واپس آئے ہیں تاکہ اعلیٰ حضرت اور جناب کے سامنے جو کہ میری پیری کے عصا ثابت ہوئے ہوا اور اعیان مملکت کے مد و برو پیش کیے جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اعلیٰ حضرت کی توجہ اور آپ کے فکر رسا اور قلم توانا کی مساعدت سے جو آپ کی شمشیر اور تیز و بلند تگین کے ہمسر ہے جلد تر حل کر لینگے جس سے جانب مقابل بھی راضی ہو جائے اور قائل نہ ہوئی تو اس کو منوانے کے لیے البتہ آپ کی تلوار بہترین منصف و مصلح ہوگی۔ میں نے افغانستان میں داخل ہوتے ہی حضور شاہانہ سے عرض کی تھی کہ ان مشکلات میں سپہ سالار صاحب کی فکری امداد ضرور ہے کچھ مدت کے لیے ان کو پایہ تخت میں بلائیں تاکہ ہمارے ساتھ معاونت کریں اور ظاہر ہے کہ ان کے گرہ کشا ناخن سے یہ عقدے بھی بخوبی کھل جائیں گے چنانچہ یہ عرض بھی قبول ہوئی ہے۔

اس نطق میں اگرچہ مبالغہ کچھ نہیں اور صاف حقیقت پر مشتمل ہے مگر اخیر میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے جو بعد کے واقعات سے تقویت پاجاتا ہے کہ امان اللہ خان اور انگریز دونو محمد نادر خان سے خوف کھانے لگے تھے اور ان کو ایسی جگہ رکھنا پسند نہیں کرتے تھے جہاں وہ زیادہ مقتدر ہو کر ان کو نقصان پہنچا سکیں۔ وزیر حربیہ کا رتبہ وزراء میں اول تھا اور جب نامداری اور بہرہ اعزیزی بھی ساتھ منضم ہو تو بادشاہ کو مات کرنے کا شائبہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محمد نادر خان میں حب جاہ

کی بجائے صرف خدمت ملت کا ولولہ تھا جس کی بجا آوری میں وہ اطاعت امیر کو مطلقاً ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔ مگر جب مظفریت و منصوریت کا سہرا بندھا تو دوسری طرف حسد بھی بھڑکا۔ اس کے علاوہ امان اللہ خاں ہر چند انگریزوں سے استغنا برتتے تھے مگر ان کے دل میں ایک طرح کا ڈر گھر کر گیا تھا جو جبان الطبع آدمیوں میں جیسا کہ امان اللہ خاں کے بارے میں یہ آخر کار ثابت ہو گیا ایک دفعہ مرعوب کر کے پھر طرح طرح سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ وہ انگریزوں کے ساتھ مصالحت چاہتے تھے اور انگریز بھی اس پر تلے ہوئے تھے کہ جب تک محمد نادر خاں کے ہاتھ میں آتش و شمشیر اور سمت جنوبی و مشرقی کے بارود خانوں پر قبضہ ہو اور دونوں جانبوں کے پہاڑ آتش فشاں جن کے دہکتے ہوئے پتھروں میں جان اور اور ان سے ایمان کے شعلے نکلتے ہوں تو امن کا کیسے امکان ہو سکتا تھا لہٰذا ان کو کابل میں بلا لیا۔

پھر اس عذر پر کہ انگریزوں کو شکست دے چکے تھے اب ان کے ساتھ مصالحت میں کیسے شریک ہوں۔ ان کے سامنے حریف شرمائیگا جو نزاکت کے منافی ہے ان کو مجلس صلح میں شامل نہیں کیا۔ ان کی بجائے سردار شاہ ولیخاں کو داخل کیا حالانکہ وہ بھی تسخیر کا تمغہ و خطاب لے چکے تھے مگر مدعا یہ تھا کہ ان کو سمت جنوبی سے بلا یا جائے۔ اب رہے سردار محمد ہاشم خاں جو سمت مشرقی میں

اپنی صداقت ایمانداری اور فداکاری سے بہادر لوگوں کا دل لبھا رہے تھے اور ان کے درمیان عدل و داد و انتظامات سے اتفاق و اتحاد و جہاد کے موثر جذبے پھیلا رہے تھے۔ ان کو بھی وہاں نہ چھوڑا بلکہ کابل میں وزارت حربیہ کی اصلاح پر مقرر کیا تاکہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ مل کر کام کریں۔ یہ بھی ضروری تھا اس کے سرانجام دینے میں وہ دل و جان سے مصروف ہو گئے۔ غرض بادشاہ کی طرف سے ان کو جو فرائض مفوض کیے گئے ان کے بجالانے میں کوئی دریغ نہ کیا اور نیز وطن کی خیرخواہی میں کسی تجویز سے نہ چوکے اور موقع و محل کے مطابق اس کی تعمیل میں کوشش کرتے رہے۔

اگرچہ محمد نادر خاں اس مجلس مصالحت میں جو انگریزوں اور افغانوں کے درمیان کابل میں کئی مہینے منعقد رہی بنفس نفیس شمولیت نہیں رکھتے تھے مگر ان کے بھائی جرنیل شاہ ولیخاں اس مجلس کے نائب صدر تھے اور پھر معاملات وزرا کی کمیٹی میں پیش ہوتے جہاں محمد نادر خاں اول وزیر اور بادشاہ کے غیاب میں رئیس ہوتے تھے لہذا ان کو قضیوں کے تصفیے اور صلاح و مشورے کا اچھا خاصا موقع مل گیا۔ یوں سب مذاکرات طے ہو گئے اور دونو سلطنتوں کے مابین معاہدہ قرار پا گیا جس میں افغانستان کی خود مختاری اور خارجی و داخلی استقلال تسلیم کیا گیا۔

فصل یازدہم

فوجی اور ملکی انتظامات

اس کے بعد سردار محمد نادر خاں پھر وزارت حربیہ کی اصلاح و تنظیم میں مشغول ہوئے قواعد و نظامات مرتب کیئے اور ان کو شائع کرنے کے لئے ایک رسالہ بنام مجموعۂ عسکری طبع کرنا شروع کیا۔ افغانستان کا ایک مفصل نقشہ تیار کیا جو ضخامت کے سبب چار حصوں میں منقسم کیا گیا۔ حربی فیکٹری کی طرف ملتفت ہو کر اس کے مصنوعات کو پہلے سے دو چند کیا۔ نیز اسے غیر مکتفی سمجھکر حکومت کو رضامند کیا کہ یورپ سے اسلحہ خریدا جائے چنانچہ جو فرمائشیں آپ نے دی تھیں ان کے مطابق ایک حصہ فوراً پہنچ گیا اور باقی آپ نے خود پیرس میں جا کر ارسال کیا جو سمت جنوبی کی دوسری بغاوت میں کام آیا حالانکہ وہ آپ کی محض موجودگی ہی سے فرد ہو سکتی تھی جس کو امان اللہ خاں نے روانہ رکھکر آپ کو فرانس بھیجا تھا۔

ایک قطعہ نمونہ جمال پاشا کی جمعیت کے ادارے میں تشکیل ہوا تاکہ جدید ترین اصولات پر ایک دستہ فوج مہیا کیا جائے اس کے مسابقے میں خود افغانستان کے تعلیمیافتہ

افسروں کی نگرانی میں ایک اور پلٹن اسی وضع پر قائم کی۔ سپاہیوں کی تعلیم و تربیت
کے علاوہ ان کی تنخواہ اور غلہ کے بروقت پہنچانے میں موثر اقدام کیا۔ سرحدی قبائل
کے ساتھ روابط اتحاد کے استحکام میں بدستور کوشاں رہے۔ ان کے عمومی حالات
اور خصوصی رسم و رواج پر ایک بڑی مفید کتاب تالیف کرانی شروع کی جس کا ایک حصہ
طبع ہو گیا۔ اس کے متعلق آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اگر انگریزی کتب سے ترجمہ
ہو تو کیا لاگت آئے گی۔ میں نے وزارت معارف کے قاعدے کے مطابق جواب
دیا تو آپ نے اسے مہنگا سمجھ کر اپنے مترجموں کے ذریعے اسے اتمام کو پہنچایا۔ اس
بارے میں میرے اپنے ترجمے جیسے کرنیل میلسن کی کتاب "افغانستان" اور ڈاکٹر بیلیو
کی کتاب "افغانی قبائل" وغیرہ مع ضروری حواشی کے موجود ہیں جن سے اب مدد لی جا
سکتی ہے۔

پہلے مذکور ہوا کہ آپ کو تمغۂ المر عطا ہوا جس کے ساتھ پچاس ہزار روپے نقد اور
پانچسو جریب زمین دی جاتی تھی۔ آپ نے پہلی مرتبہ افغانستان میں اس عطیے کو کالاً
ملت کی نذر کر کے ایک مکتب جاری کیا۔ مجھے سراغ ملا تھا کہ امان اللہ خاں ایسی تعلیم کا
کو پسند نہیں کریں گے جو ان کے وجود کی وابستگی سے خارج ہو۔ اس لئے میں نے
ملک کی ضرورت دیکھ کر یہ تجویز پیش کی کہ یہاں پولیس کا سکول قائم ہو جو حکومت کو فوری
امداد دے سکے اور ایک ملی احتیاج کو بھی رفع کرے۔ چنانچہ اس کے متعلق میں نے ایک کتاب

بانیٔ غازی کو تفصیل سے تحریر بھیجی مگر آخر صلاح یہ ٹھیری کہ ڈاکٹری کے لیے یہاں سے
طلبہ تیار ہوں چنانچہ مجھے بھی انھوں نے بڑی شفقت و الحاح سے مجلس منتظمہ میں منتخب
کیا اور میں نے علیگڑھ کے ریزیڈنشل سسٹم کے قواعد پر طلبہ کے لیے ضوابط مرتب
کئے اور اس پہلے مکتب ملی پر خاص توجہ کی۔ جشن استقلال کے موقع پر اس کے
طلبہ کو ملی مضامین بیان کرنے کے لیے دئے گئے اور ساتھ ہی میں نے لازم سمجھا کہ
مؤسس مقدس کا بھی ذکر کیا جاسکے تاکہ اوروں کے لیے مورد رشک و غبطہ ہو۔ اس میں
یہ بیان کیا کہ سپہ سالار شہرت اور تحسین سے مافوق ہیں مگر یہ چیزیں ایک نفید امر کے
ساتھ سائے کی طرح پیچھے لگ جاتی ہیں۔ اسی اثنا میں محمود خاں طرزی اور محمد ولی خاں
نے ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی کی کیونکہ یہ دونو بھی نشان امر کے ساتھ دہی نقد
جنس سے چکے تھے جو اس مکتب کی تاسیس کا باعث ہوا تھا۔ پھر انھوں نے پھری مجلس
میں امان اللہ کے کان میں بھی کچھ کہا۔ مجھے کھٹک گیا کہ مکتب کی خیر نہیں چنانچہ کچھ مدت
کے بعد اس پہلی ملی درسگاہ کا نام و نشان نہ رہا۔

اب امان اللہ خاں اور ان کے مذکورہ دونو وزیروں کا ملک میں کچھ پتہ نہیں ملتا
بلکہ ساتھ ہی ان کے جانشین چو بھی بادشاہوں کے زمرے میں داخل ہو کر رفو چکر بن
گئے۔ اس تحریر کے بعد خود محمد نادر خاں غازی بھی شہید ہو گئے مگر ملت نے ان کی
خدمات کے صلے میں ان کے فرزند ارجمند کو اپنا بادشاہ قبول کر لیا۔ اسی طرح زمانہ

گذر تا رہیگا مگر نیک نیتی کے ساتھ جو بیج بویا جائے اسکو آفات کا سامنا ہوگا لیکن آخر وہ تناور اور بارآور درخت ہو کر رہیگا وہاں اب سل کا شفاخانہ ہے جہاں مریضوں کے لیئے ہر طرح کے لوازم معالجہ کھلی ہوا اور وسیع فضا اور عمدہ عمارت موجود ہے۔ دار الفنون میں طبی فیکلٹی کا افتتاح ہو گیا ہے۔ یہ اسی تخم کا دوسرا درخت ہے۔ جس کے ثمرات عنقریب وطن کو مستفیض کرینگے۔

اب وزیر صاحب حربیہ نے یہ رائے دی کہ میرے مشرقی و جنوبی صوبوں کے تجربے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملت بہت بے انتظامی کا شکار ہو رہی ہے اور اگر ان کی خبر نہ لی گئی تو فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے لہذا تحقیق و تنظیم کے لیئے تمام صوبوں میں جمعیتوں کا اعزام کرنا مقدم ہے چنانچہ بجز مشرق و جنوب کے جہاں خود وزیر صاحب ممدوح اور ان کے بھائیوں نے کافی انتظامات قائم کر دئے تھے اور سب ولایتوں میں جمعیتیں بھیجی گئیں۔

اس وقت روسی ترکستان میں بڑا شور و شر برپا تھا۔ انور بیگ مرحوم وہاں رونق افروز تھے جو اپنی سرزمین سے نکلنے کے بعد دوسرے ملک میں پاؤں جمانا چاہتے تھے۔ وہ انگریزی محاورے کے موافق "روزمرہ کے طعام کے لئے حد سے زیادہ لطیف ثابت" ہوئے۔ باشندے ان کی قدر کرتے تھے مگر ان کے عالی جذبات پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔ اخوت اسلامی کی محبت روسی شوکت و ہیبت کے سامنے کانپ اٹھتی تھی جو منظم لشکروں اور جمہوریت کے سبز باغوں سے جدا روح فرسائی اور دلربائی

کرتی تھی۔

اندریں حالات افغانستان کی وہ سرحد جہاں یہ کارروائیاں جاری تھیں بڑی بحرانی کیفیت میں مبتلا تھی۔ پہلی سلطنت میں اس صوبے کو مدتوں ظلم و ستم اور فسق و فجور کا نشانہ بننا پڑا تھا جس سے ہزاروں گھرانے کوچ کرکے آمو پار چلے گئے تھے۔ ان کو واپس بلانے کے لئے بھی اس حصۂ ملک کی آبادانی و رفاہیت پر توجہ لازم تھی لہٰذا اس طرف سردار محمد نادر خاں کا جانا مناسب تھا لیکن سردار محمد ہاشم خاں کو وزارت حربیہ میں اپنا قائم مقام چھوڑ کر سردار شاہ محمود خاں اور سردار احمد علیخاں اپنے چچا کے پوتے کو اپنی معیت میں لیا اور سنہ ۱۳۰۱ھ / ۱۹۲۲ء میں قطغن و بدخشاں کے متعدد صوبے کا دورہ کیا۔ جرنیل شاہ محمود خاں کو بدخشاں کی حکومت سپرد کرکے ان کو وہاں روانہ فرمایا اور خود پہلے خان آباد میں جو اس ولایت کا دارالحکومت ہے تفتیش شروع کی۔ ظالموں چوروں اور مفتنوں کو بڑے تھے یا چھوٹے قتل و قید کی سزائیں دیں۔ مطیع و صالح اشخاص کو انعامات بخشے اور درباروں میں اتفاق کی نصیحت کی۔ برگزیدہ اشخاص کو جمع کرکے انکے مشورے سے اصلاح و تنظیم کے امورات طے کئے۔ مالیات و محاسبات کو جو کئی سالوں سے پراگندہ و ابتر حال میں تھے درست کیا اور عدل و داد کے قواعد کو صحیح اصول پر جاری کیا۔ زمینداروں اور رمہ داروں کو مالیات کی مقدار نقد و جنس سے اور مواشی کے ٹھیک محصول سے

آگاہ کرنے کے لئے جدید ضوابط پر عمل کرنے کی تاکید کی۔ باقیات کے دفتروں کو
جو رعایا کے ستانے کے لئے آلات رہ گئے تھے یک قلم حوالۂ آتش کیا۔ آپ کی توجہ
سے اس سال خزانے میں سابقہ برسوں کی نسبت ساڑھے دس لاکھ روپیہ زیادہ
وصول ہوا اور رعیت کی دلنوازی بھی ہوئی۔ مکاتب کی طرف ملتفت ہو کر طلبہ کا خود امتحان
لیا اور ان کے بزرگوں کو تعلیم کی خوبیاں بتائیں۔ "اصلاح" نامی اخبار بھی خان آباد سے
نشر کرنے کا حکم دیا۔ ان خبروں سے آوارگان وطن اپنے گھروں میں گروہوں کے
گروہ واپس آنے لگے۔

بعدازاں بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے۔ اثنائے کوچ میں ہمرکابوں کو نقد روپیہ
دیا جاتا تھا تاکہ مروج نرخ پر ضروریات خریدیں کسی سے جبر و اکراہ سے تو خیر تحفہ و نذرانہ
بھی قبول نہیں کیا جاتا تھا ورنہ بیشتر حکام کا قاعدہ تھا کہ انہی دوروں سے واپس آتے
تو لاکھوں روپیوں کے اموال و امتعہ کے مالک ہوتے تھے۔ ہاں جب کوئی غریب آدمی
روٹی اور دہی لے کر آتا تو اسے قبول فرما کر اسے انعام بخشتے تھے۔ سوار اور پیادہ پامیر
کی آخری حد تک پہنچے جسے بام دنیا کہتے ہیں۔ وہاں چار سلطنتوں انگریز روس چین
اور افغانستان کی حدود کے مناروں کو ملاحظہ کیا۔ بندرگاہوں سرحدی چوکیوں اور
تھانوں کا معائنہ فرمایا راہ میں عجیب و غریب اشیا و عمارات کا عکس لیا جاتا تھا
جغرافی معلومات لی جاتیں اور مشہور مواضع کے نقشے کھینچے جاتے اونچے پہاڑوں کا

ارتفاع مانا جاتا ۔

یہ سب چیزیں اس کتاب مستطاب میں مندرج ہیں جو آپ نے "راہنمائے قطغن و بدخشاں" کے نام سے تالیف کی ۔ برادر امان اللہ خاں نے میرے پاس تنقید کے لیے بھیجی تھی ۔ فی الحقیقت نہایت مفید اور نادر کتاب ہے جس کی تعریف میں وسط ایشیا میں روسی مصنفوں سے بڑھ کر اپنی تحسین کی تصدیق پائی ۔ اس کے طبع ہونے پر ایک جلد محترم مولف نے مجھے عنایت کی مع ایک خط کے جو ایک اور مکتوب کے ساتھ پہلی جلد میں درج ہو چکا ہے ۔

باب سوم
دوبار استعفا اور دونو دفعہ ملک میں ابتری

فصل اوّل

وزیر حربیہ کا حاسد و معاند فریق

سلطان سلیم کے وزرا کے قتل سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ترکی ضرب المثل کے مطابق خدا کسی کو وزیر نہ بنائے۔ کارڈینل ولزے نے کلی اختیارات کو سلب ہوتے دیکھکر کہا تھا کہ اگر خدا کی اطاعت کرتا جیسا بادشاہ کی فرنبرداری کی ہے تو وہ مجھے ریش سفیدی میں یوں ترک نہ کرتا۔ سعدی نے اسی کو لفظی و معنوی تجنیس سے ادا کیا ہے ؎

گر وزیر از خدا بترسیدے ٭ ہمچناں کز ملک ملک بودے

شیکسپیر نے اس منصب عالی کو ایسی چوٹی سے تشبیہ دی ہے جس سے اوپر چڑھنا محال اور جہاں ٹھیرنے کی بھی مجال نہیں۔ ذرا سا پاؤں پھسلا اور دم نکلا۔ خود افغانستان میں وزیر فتح خاں کی دہشتناک مثال موجود ہے کس جانفشانی اور تدبر سے انھوں نے سدوزائیوں کی وسیع سلطنت کو سنبھالا مگر آخر ان کی روشنی طبع ہی بلا ہوگئی حسودوں نے ان کے بھائیوں کے پنجاب اور کشمیر وغیرہ پر حاکم ہونے کو موجب الزام قرار دیا۔

یہی اعادہ سردار محمد نادر خاں پر ہوا۔ امان اللہ خاں کے ظرف میں جو حسد اور بدگمانی تھی ٹپکنے لگی اہل دربار جو بادشاہ کے نباض ہونے کی وجہ سے ہی مقرب رہتے ہیں ہاں میں ہاں ملانے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ باوجود سردار محمد نادر خاں کی فتوحات اور ملکی و سیاسی خدمات کے جو بادشاہ کی عین متابعت میں ملت کی ترقی کے لئے الیفائی تھیں کوئی بھی جرأت نہیں کرتا تھا کہ ایک کلمۂ خیر ان کے حق میں کہہ سکے سراہنا تو درکنار۔ ایک انگریز جرنیل نے جو جنگ یورپ میں استنبول کی طرف مقرر تھا یہ رائے ظاہر کی کہ فوجی فاتحین کی عزت و شہرت کی عمر چھ مہینے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ایک جاپانی جرنیل نے تعجب دکھایا مگر متکلم کے حسن ظن پر اس کے خیال میں یہ مدت حرمت تھوڑی نہیں بلکہ زیادہ تھی اس لیئے کہ لوگ بہت جلدی جنگی خدمات کو بھول جاتے ہیں۔

مجھے عرصے سے اس کا احساس تھا مگر عملاً اس وقت پالا پڑا جب میں مدیریٔ مکتب سے ریاست تدریسیات پر مقرر ہوا۔ میں نے پہلا فرض یہ سمجھا کہ معارف کے قانون نشانات کی رو سے جن اصحاب نے پانچ سال کے دوران میں تعلیمی خدمات سرانجام دی تھیں ان کو حسب درجات تمغے دیئے جائیں۔ سردار محمد نادر خاں اور ان کے اقربا کی بابت تامل اسی لیئے تھا کہ بادشاہ برا نہ ملنے۔ مجھے کبھی اس کی پرواہ نہیں تھی اس لیئے میں نے معارف پر ان کے احسانات شمار کرا کے بہترین طریقے

سے شاہانہ منظوری حاصل کرلی۔ سردار محمد سلیمان خاں (مرحوم) کو جو قطغن کے گورنر تھے اور سردار شاہ محمود خاں کو جو بدخشاں میں جرنیل تھے اور نائب سالار محمد ہاشم خاں کو جو ماسکو میں سفیر تھے وہیں فرامین اور تمغے بھیجے گئے اور خود وزیر حربیہ سردار محمد نادر خاں کو جو کابل میں تشریف رکھتے تھے اس مجلس میں اس عرفانی اعزاز سے ممتاز کیا گیا جو وزارت معارف میں اسی غرض کے لئے منعقد ہوئی۔ چونکہ تمغہ نصب کرنا میرے سپرد تھا اور مجھے بھی یہ عطا ہوا تھا۔ اس لئے بڑی دلربایانہ وضع سے آپ نے اٹھکر خود میرے سینے پر اسے لگایا اور فرمایا کہ سب سے بڑھکر اس نشان بلکہ اس سے بلند تر اکرام کے مستحق تم ہو۔ یہ صرف آپ کا نیک گمان تھا۔

میرے ساتھ بڑی محبت اور شفقت کا سلوک کرتے تھے چنانچہ ایک دن فرمانے لگے کہ کابل میں انگریزی دان بہت ہیں مگر میں تم سے یہ زبان سیکھنی چاہتا ہوں تاکہ اس بہانے سے ہر روز اختلاط کا موقع بھی مل جائے باوجودیکہ آپ کی مصروفیت بیحد اور عمر بھی تحصیل کے مرحلے سے گذری ہوئی تھی پھر بھی مدت تک ایک مستعد و مجد طالب علم کی طرح انگریزی پڑھتے رہے۔ اس اثنا میں ایک دوست کی حیثیت سے جس کا مرتبہ انھوں نے خود مجھے عنایت فرمایا تھا ورنہ میں اس کے تکرار کو گستاخی سمجھتا ہوں اور نیز استاد کی منزلت سے جو اپنے شاگرد کے سب تنزل پر نظر ڈالتا ہے مجھے ان کی سیرت و سجیہ کے مطالعہ کے لئے بہت سا وقت میسر

آیا۔ جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ ان کا دینی و ملی درد تھا اور اہل اسلام اور قوم افغان کے لئے وہ اتنے بیتاب و غمگین رہتے تھے کہ اگر کبھی مسکراتے یا ہنستے تو صرف اسی امید پر کہ کوئی ترقی و تعالی کی یقینی سبیل نظر آنے لگی ہے۔ امان اللہ خاں کی بابت ان کے پس پشت بھی مودبانہ لہجے میں افسوس کرتے کہ سب کام خود رائی سے بگاڑ رہے ہیں مگر رحمت الٰہی پر توکل کرتے ہوئے مایوس کبھی نہ ہوتے۔ یہی سبب تھا کہ باوجود سخت اختلافات کے آپ ہمیشہ ان فرائض کے ادا کرنے میں سرگرمی سے مشغول رہتے جو آپ کے سپرد کئے جاتے تھے۔

آخر امان اللہ خاں اور ان کے چند مشیروں نے وہ حرکتیں شروع کیں جو قصداً وزیر حربیہ کو ستانے اور ان کے خاص کام میں خلل ڈالنے کے لئے سوچی گئی تھیں۔ پہلے سپاہیوں کی تنخواہ میں کمی کی تجویز پیش کی گئی جس پر وزیر حربیہ نے کہا کہ خود حکومت نے اپنے مطلب کے وقت چار روپے زیادہ کئے اور جب وہ مدعا حاصل ہو گیا تو اب چھ روپے کی تقلیل برا نتیجہ دے کر رہے گی۔ ایک دفعہ امان اللہ خاں نے فرمایا کہ بدخشاں کی فوج نے عریضہ تقدیم کیا ہے جس میں تنخواہ کی کمی کی خواہش کی ہے میں نے عرض کیا کہ ممکن ہے ان کے افسروں نے ملکر بادشاہ کی خوشنودی کے لئے یہ لکھدیا ہو اور سپاہیوں کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ چنانچہ میرے تجربے میں یہ آیا ہے کہ لوگر کے حاکم نے مالیات پر تعلیم کے لئے زیادتی کردی اور لوگوں سے نہ پوچھا

امان اللہ خاں نے معارف کے لئے تو تاکید کردی کہ جب تک سب زمینداروں کے دستخط نہ ہوں مکتب نہ کھولا جائے مگر فوجی تنخواہ کے گھٹانے پر اڑے رہے جس سے البتہ سپاہیوں کے دل ٹوٹے اور ان کا حکومت پر اعتبار جاتا رہا جس کا بد انجام بھگتنا پڑا۔

علاوہ تنخواہ کاٹنے کے خود فوج کو کم کرنے کی سوجھی جس سے وہ افسر جنھوں نے ساری عمر خدمت میں بسر کی تھی اور آئندہ مشاہرے میں افزونی کے مستحق تھے بالکل بیکار ہو جاتے تھے اور طرفہ یہ کہ ان کو پنشن دینے کا بھی قاعدہ نہیں تھا۔ میں نے مکتب حبیبیہ میں تعلیم کا وقت بڑھانے کی خاطر تاکہ طلبہ گھر کا کام بھی جماعتوں میں کریں اور جہال کی صحبت سے بچیں سرکاری کھانا مانگا اور مکتب حربیہ کی مثال پیش کی۔ امان اللہ خاں نے فرمایا کہ فوجی طلبہ میں فرق ہے وہ صرف حکومت کے ہو کر رہینگے اور ملکی طلبہ ہر کام میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ ایک لڑکا جس نے مکتب حربیہ میں تعلیم پائی ہو وہ صرف فوج ہی میں زندگی گذار سکتا ہے کیونکہ سپاہی کو سوائے بندوق کے اور کسی آلے سے آشنائی نہیں ہوتی۔ باوجود اس دلیل کے وہ افسر اور سپاہی جو آئندہ کوئی پیشہ اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ اب موقوف کئے جانے لگے۔ سپہ سالار غازی نے بہتیرا زور لگایا کہ حقداروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ ان کی دلشکنی ہوتی ہے افغانستان اب دوسری دول کے ساتھ مساویانہ حیثیت رکھتا ہے جس کے

قائم رکھنے کے لیئے زیادہ سپاہ کی ضرورت ہے۔ ملک میں اصلاحات کی جارہی ہیں۔ ان کو جاری کرنے کے لیئے بھی قوت لازم ہے۔ حوادث ناگہاں آتے ہیں ان کو دفع کرنے کے لیئے فوری جنگی آمادگی چاہیئے۔ جب تک کہ رعایا کمر باندھے مقصد فوت ہو سکتا ہے۔ اس لیئے کسی طرح بھی نظامی فوج میں کمی نہیں ہونی چاہیئے۔ امان اللہ خاں اور ان کے وزرا نے اپنا عزم نہ چھوڑا۔

ذرا ان کے وزیروں کی حکایت سن لیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے گیارہ سال قید میں گذرے۔ میں ان کی تلافی تعطیل کے ایام میں بھی کام کرنے سے کرونگا۔ اسی طرح ملت افغان چونکہ صدیوں دماغی محنت سے سبکدوش رہی ہے اسلیئے انکی اولاد بھی چندے بغیر تعطیلات کے تعلیم حاصل کر سکتی ہے جیسا کہ زمین جو برسوں غیر مزروع رہے بغیر خالی رکھنے کے فصل دے جاتی ہے ھو الذی انبتکم من الارض نباتاً (خدا نے تمھیں نباتات کی طرح اگایا ہے) امان اللہ خاں نے کہا کہ مجلس میں اس امر کا فیصلہ کرلو۔ میں نے جواب دیا کہ کوئی میرا متفق نہیں ہوگا کیونکہ چھٹیوں میں سب خوش ہیں۔ امان اللہ خاں کو یہ بات پسند آئی اور فرمانے لگے کہ مجلس وزرا میں ذرا تماشا دیکھنا کہ تمھارے نظام معارف میں کس طرح وزیر اہل الرائے ثابت ہوتے ہیں۔ مجھے چپکے رہنے کا اشارہ کیا پہلا فقرہ یہ تھا کہ معلموں اور ملازموں کی تنخواہ مقرر کرنے بڑھانے اور گھٹانے میں

اختیار وزیر کو ہو یا انجمن انتظامی کو۔ آپ نے فرمایا کہ انجمن انتظامی میں سب لوگ وزیر کے بلکہ اکثر ایک دوسرے کے ماتحت ہونگے۔ یہ تو بڑی نامناسب بات ہوگی کہ اپنے افسروں کی تنخواہوں میں ماتحت دخل دیں اور اس کو کم کریں۔ چاہئے کہ وزیر قابل اور اہل ہو اور سب اختیارات اسکے سپرد کئے جائیں تاکہ ذمہ داری اور وقار سے ادارہ کر سکے۔ سب نے "درست درست" کہہ دیا۔ پھر امان اللہ خاں دفعتاً پلٹے اور جلدی جلدی فرمانے لگے کہ اس میں ایک بڑا نقص ہے۔ فرض کرو وزیر کو کتوں کا بہت شوق ہے اور ایک معلم کو بھی جس کے پاس ایک نفیس کتا ہے۔ وزیر نے اس سے طلب کیا اس نے نہ دیا۔ دوسرے دن تنخواہ گھٹا دی۔ نہیں وزیر کی مطلق العنانی بہت ضرر پہنچائیگی لازم ہے کہ مجلس انتظامی اس کی روک تھام کے لئے مختار ہو۔ پھر سب نے "ٹھیک ٹھیک" کہہ دیا تو امان اللہ خاں میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔

یہ عام مجالس کی کیفیت ہے جس میں بادشاہ کی رائے کو بہت وقعت حاصل ہے اور کوئی اس کے خیال کو ٹھیس لگانے کی جرأت نہیں کرتا حتیٰ اس کے خیال میں بھی خوف طاری رہتا ہے۔ ضمناً ایک اور قصہ بیان کرتا ہوں جس سے افغانستان کے وزرا کے علاوہ دوسرے ملکوں کے علما کے سر بھی الزام تھوپا جائیگا کہ وہ بھی اس شاہانہ لحاظ کے شائبے سے رم کرتے ہیں۔ انجمن معارف میں نصاب تعلیم

پر بحث تھی جو صفی بیگ مستشار نے ترتیب دیا تھا اور وہ امان اللہ خاں کا ان دنوں بہت منہ چڑھا تھا۔ تاریخ میں اس نے یونان روم اور مصر کے سوا تمام یورپ قدیم کا حال بھر دیا اور ہند ایران اور چین کا ذکر بھی نہ کیا تو میں نے اتنا کہا کہ اس بارے میں ہم کو خیال چاہیئے کہ مشرقی ممالک کا قدیم اور مغربی دنیا کا جدید حال تعلیم میں رکھیں اور درمیان کے زمانے کا اسلامی بیان پڑھائیں۔ اس پر ترک مذکور جھنجھلا کر بولا کہ میرا تو یہی نصاب ہے اور اگر اسے قبول نہیں کرتے تو میں ذات شاہانہ کو جا کر کہہ دونگا کہ مجھ سے اور نہیں بنایا جاتا۔ میں نے کہا کہ مجلس مشورے اور بحث کیلئے ہے پھر آپ خود ہی فیصلہ کر لیں میری اس میں کیا ضرورت ہے۔ میں اٹھکر باہر چلا گیا۔ وزیر معارف مہربانی سے میرے پیچھے آئے اور بادشاہی مراعات کی مجبوری سمجھا بجھا کر مجھے واپس لے گئے۔ میرے لئے احتجاج پر مستشار نے ہند چین اور ایران کے علاوہ ترکستان قدیم بھی ٹھونس دیا اور پہلی چیزوں میں سے کسی کو کم نہ کیا میں پھر اعتراض کرنے کو تھا کہ ساتھیوں نے آنکھوں سے خاموشی کے اشارے کئے مجلس ختم ہو گئی۔ صفی بیگ غصے میں چلے گئے اور ہم بیٹھے رہ گئے۔

پروفیسر سائیک جرمن مسلمان نے جو مشہور مستشرق تھا مجھے کہا کہ تم صحیح راستے پر تھے مگر میں اس لئے چپ تھا کہ نائب مستشار ہوں وہ مجھ سے خفا ہوتے پروفیسر فوشہ نے جو معروف ماہر آثار عتیقہ تھا یہ تدبیر بتائی کہ جھگڑے سے کیا فائدہ تھا اب

کتابیں تیار کرنے میں اپنی رائے کے مطابق جو واقعی تسلیم ہے تالیف کروا لینا۔ آذر بائیجان کے رئیس جمہور نے جو انقلاب کی گردش میں آکر کابل میں مقیم تھا اور بڑا عالم گنا جاتا تھا میرے اعتراض کو بجا تسلیم کیا مگر اس وقت زبان نہ ہلائی تھی۔

کتاب کی تالیف میں اسی طرح خود سری ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ سر پٹکتے تھے۔ چار سال کے بعد مجھ سے امان اللہ خان نے سالانہ امتحانات کے نتیجے دریافت کئے۔ اکثر طلبہ خصوصاً قندھار کے لڑکے تاریخ میں ناکام تھے۔ وہ سبب پوچھنے لگے تو میں نے پہلے واقعے کو دہرایا۔ فرمانے لگے پھر انجمن معارف میں طے کر لو۔ میں نے جواب دیا مجرب کو تجربے میں لانے کی کیا حاجت۔ آپ مجلس کے اعضا کو حکم دے دیں بلکہ کتاتے سے کہ دیں تو تاریخ کے مضمون کی اصلاح ہو جائیگی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

مگر مجلسوں کے باہر بادشاہ کے مصاحب باتوں باتوں میں اپنی مطلب براری کر لیتے ہیں اور طرح طرح سے اسکو اپنے دھرے پر چڑھانے کی کوشش کر کے آخر ہمخیال بنا لیتے ہیں۔ پھر مجلس میں کان پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں اور خود بادشاہ ان کے منصوبوں کو اپنی مرضی سے منوا لیتا ہے۔ ایک اور کہانی سن لیجئے۔ ایک ہیڈ معلم نے میری سر توڑ مخالفت کی جس سے مکاتب کے انتظام میں فتور آتا تھا۔ یہ ابتدائی سلطنت کا زمانہ تھا۔ میں نے امان اللہ خاں کے پاس واقعہ بیان کیا فرمایا کہ اسے برطرف کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ قابل آدمی ہے صرف تنزل سے سدھر جائیگا چنانچہ معلم دوم کیا گیا اور اصلاح

پرآجانے سے پھر اپنے سابقہ عہدے پرآگیا۔ میں اسے کابل کے چند نئے مکاتب کا مدیر بنانا چاہتا تھا جہاں اسکی موزونیت تھی مگر بعض اشخاص نے اس اندیشے سے کہ وہ میرا ممنون و معاون ہوجائیگا حالانکہ مجھے اپنے ادائے فریضہ کے علاوہ کبھی اپنی جمعیت تشکیل کرنے کا خیال بھی نہیں ہوتا تھا، اسے ہرات میں مدیر مقرر کرکے پرے ڈالنے کی ٹھانی۔ یہ تجویز پیش کی کہ وہاں علما و مشائخ بہت ہیں ایک رشیدار و متدین شخص بھیجنا چاہیئے جو جدید تعلیم کے ساتھ دینی و عربی واقفیت رکھتا ہو۔ اب جوانوں میں صرف وہی شخص اس حلیہ و لیاقت کا مالک تھا۔ قرعہ خواہ مخواہ اسکے نام پڑا۔ وہ خانگی مجبوریوں کی وجہ سے باہر جانے پر آمادہ نہیں تھا۔ عرض کی کہ مجھے دشمنی سے فلاں اشخاص نے کابل سے نکالنے کا قصد کیا ہے۔ جواب میں قسم کھانے کا موقع تھا کہ مجھے کسی نے نہیں کہا بلکہ میں نے خود تمھیں ہرات کے لئے مناسب سمجھا ہے۔

فصل دوم

امان اللہ خاں کے ساتھ اختلاف کی وجوہ

"ٹیمپیسٹ" میں ایک غاصب بادشاہ نے پچھلے سب ملازموں کو موقوف کر کے نئے نوکر رکھے تاکہ وہ اس کے گرویدہ ہوں اور کہیں سابق محسن کی مدد پر نہ اتر آئیں۔ آغاز میں تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے مگر آخر غیبی اعانتِ حقانی سے مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے۔ امان اللہ خاں نے اکثر منصب داروں کو جو محمد نادر خاں کے ساتھ جہاد میں بہادری دکھا چکے تھے اور ان کے ہاتھ کے لگائے ہوئے نہال تھے اکھاڑ پھینکا جس سے ان کو سخت صدمہ پہنچا۔ بادشاہی حکم اور مجلس وزرا کی اکثریت کے سامنے کچھ بس نہیں چلتا تھا۔ ناچارہ یہ علاج پیش کیا کہ اگر بالضرور یہ خدمت گذار اشخاص برطرف کیے جاتے ہیں تو ان کو بخشش پنشن یا سرکاری زمین عطا کیجائے جس پر وہ گذارہ کر سکیں۔ اس کی بھی مخالفت ہوئی تو آپ نے استعفا پیش کیا مگر ابھی ان کو جواب دینے کی جرأت نہیں تھی کیونکہ ملت میں سب سے زیادہ نیک نام اور محترم تھے اور ان کی خدمات و احسانات تازہ تھے۔ مرور وقت سے معرضِ نسیاں میں نہیں آئے تھے۔ ان کی تجویز منظور کیگئی

چنانچہ آپ نے سرکاری اراضی جو کافی موجود تھی خود تقسیم فرمائی اور ایک حد تک اشک شوئی ہو گئی مگر افسر اور سپاہی جو تمام عمر سوائے فوجی ہنر کے اور کسی پیشے سے آگاہ نہیں تھے اپنا پیٹ آپ پالنے میں قاصر ہوئے تو زبان شکایت کھولتے تھے جس سے ملت میں بھی ان کے طرفدار اور ہمدرد پیدا ہو کر آخر انقلاب کے پودے کو نشو ونما دینے میں ممد ہوتے۔

امان اللہ خاں نے فرمایا تھا کہ بدخشاں کے سپاہی اپنی تنخواہ خود کم کرنے کے آرزومند ہیں تھوڑی دیر کے لئے اس آرزو کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ملک کے اطراف وجوانب میں اور کابل میں بہت فرق ہے۔ شہروں میں ہر چیز مہنگی اور دہات میں خصوصاً ہندوکش کے پرے اکثر اشیا سستی بلکہ کچھ مفت ہاتھ لگ جاتی ہیں مثلاً ایندھن جس کی بابت بلاد میں کبھی یہ صادق آتا ہے ؎

زغال نیست دریں شہر قدر مقدارے ✤ کہ بازغال نویسیم یادگار زغال

تنخواہ تو کم کی مگر ساتھ ہی کوے نے ہنس کی چال چلنی چاہی کہ سپاہ کو ممالک متمدنہ کی طرح تیار کھانا دیا جائے۔ سپاہی روکھی سوکھی روٹی پر اکتفا کر کے کچھ اپنے گھر کے لئے بھی بچاتے تھے۔ ان کی مسکنت کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے تھے جو محلوں میں بیٹھے از روئے محاورۂ کابلی کھانے باورچی خانے میں اور گھوڑے اصطبل میں رکھتے تھے

؎ تو اے کبوتر بام حرم چہ مے دانی ✤ طپیدن دل مرغان رشتہ بر پارا

سپاہیوں کی چودہ روپے تنخواہ میں سے وہ افسر اور ملازم جن کے ہاتھوں سے نکلکر پختہ طعام پہنچتا اکثر ایسے پیٹو اور حرام خور تھے کہ فوج کیلئے فاقہ ہی متصور تھا اور بھوکے لشکر میں کیا جان ہو سکتی ہے جسے وہ قربان کرنے کیلئے میدان میں نکلے۔ اول وہ نکلیگا ہی کیوں ؂

سپاہی در آسودگی خوش بدار ؛ کہ ہنگام سختی بیاید بکار

پھر ایک نیک دل سر افسر کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ مخلصانہ تعلق ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے وزیر حربیہ نے اس تجویز کی بھی مخالفت کی مگر بے سود۔

ناظرین کو پورا معلوم ہو گیا ہو گا کہ سردار محمد نادر خاں اور ان کے بھائیوں نے سرحدات میں کتنا اچھا کام کیا تھا اور مشرقی و جنوبی قصبوں کو بنیان مرصوص بنا دیا تھا افغانی قبائل جو ملک کی ریڑھ اور ملت میں نہ صرف سب سے زیادہ سخت بلکہ مغز دار بھی ہیں ایسی خصوصیات سے بھرے ہیں جن کا پہچاننا ایک دورۂ تعلیم کا محتاج ہے اور جو تخصص اس بارے میں سپہ سالار غازی کو حاصل تھا اور جس عزت و حرمت سے وہ افاغنۂ موصوف میں مانے جاتے تھے اس کی نظیر کسی اور میں نہیں تھی۔ یہی دو سروں کی نظر میں تیر کی طرح کھٹکتا تھا۔ اس کو نکالنا بھی ناگزیر ہوا۔ سرحدوں کا انتظام ایسے اشخاص کو تفویض کیا گیا جو حسیات و معلومات اور گفتار و کردار میں ان سے بعد المقطبین کا فاصلہ رکھتے تھے ایک دفعہ چند سو سرحدی مہمان مدعو کیئے گئے جن کو نہ تو وقت پر اور نہ ہی اچھا اور نہ ہی

پورا کھانا ملتا تھا جیسا پلوپلنس نے فرانسیسیوں کی لباسی نکتہ گیری کا ذکر کیا ہے افغان ایسے دسترخوان کی فراخی پر ایمان لائے ہیں ع کہ سیمرغ در قاف روزی برد سپہ سالار غازی کو اس ابتدائی بے انتظامی پر میں نے ہاتھ ملتے دیکھا ہے۔

نئے منتظم نہ صرف سرحدی شمائل بلکہ پشتو سے بھی بے بہرہ تھے حالانکہ تیراہ اور وزیرستان میں دو زبانیں اور بھی بولی جاتی ہیں جن میں سے ارمڑی ہمارے بزرگوں کی زبان ہے اسلئے کانیگرام کے باشندے میرے پاس آتے اور اپنی تمناؤں کے خون ہونے کا ذکر کرتے منجملہ ایک یہ تھی کہ وزیرستان میں مدرسے قائم کرنے اور افغانی نصاب کے مطابق تعلیم دلانے کا ارادہ رکھتے تھے اول تو ان افکار کی تقدیر یہی نہیں تھی دوم قندھار اور سمت جنوبی و مشرقی میں جہاں طلبہ سوائے پشتو کے دوسری زبان نہیں جانتے تھے فارسی میں تعلیم دی جاتی تھی۔ سرحدات میں یہی غیر طبعی اور ناقص ذریعہ مہیا کیا جاتا چنانچہ سمت مشرقی کی آزاد سرحد میں جہاں چند جوشیلے اشخاص نے مکتب کھولے تھے۔ فارسی ہی کی تعلیمی کتابیں بھیجی جاتی تھیں۔ یہ ایسا ہی طریقہ ہے جیسا انگریز لورپول اور ابرڈین کے بچوں کو فرانسیسی کے توسط سے علوم و فنون پڑھاتے۔ گورنر بٹلر نے اسلامیہ کالج جمرود میں کہا تھا کہ یہ درسگاہ وسط ایشیا میں ویسی مقناطیسی شہرت پیدا کرےگی جیسی یورپ کے زمانۂ وسطیٰ میں قرطبہ کو نصیب تھی۔ کہاں یہ منصوبے اور کہاں وہ مفکورے جن میں سرحدی مکاتب بھی نہ سما سکے اور اگر غازی

محمد نادر خاں کے ہاتھ میں یہ ادارہ رہتا تو جدید لویں اور ملکزادوں کے مکاتب کی طرح
کئی مدرسے قائم ہوتے مگر امان اللہ خاں کے اختلاف و حسد کا تو آغاز ہی سے سراغ
ملتا ہے کہ یہ دونو مکتب بھی توڑ دئے گئے تھے۔

وزیر حربیہ کے ساتھ میری اس بارے میں ہم رائی تھی کہ طلبہ وطن میں تربیت
یافتہ ہو کر تکمیل علوم کیلئے یورپ بھیجے جائیں میں نے ایک ضخیم یادداشت اعلیحضرت
امان اللہ خاں کو پیش کی جسے انھوں نے جمال پاشا کے ساتھ اکٹھے مطالعہ فرمایا مگر
منظور نہ کی۔ سردار محمد نادر خاں اپنے لڑکے کو یورپ نہیں بھیجتے تھے مگر آخر کار اسلئے
مجبور ہوئے کہ امان اللہ خاں نے طعنہ مارا" میں اپنے بچے اور بھائیوں کو روانہ
کر رہا ہوں اور بعض لوگ مجھ سے بھی بڑھ کر بڑے بنے بیٹھے ہیں اور اپنے لڑکوں
کی جدائی گوارا نہیں کرتے" مجھے بھی بعد میں اپنے بیٹے کو جرمنی میں بھیجنا ضرور ہوا۔
یہ وہاں اور سپہ سالار غازی کا فرزند فرانس میں ہی مدفون ہوئے۔

دینی پہلوئے تعلیم میں بھی ان کو کلام تھی اور مجھے بھی۔ ایک دفعہ یورپی پروفیسروں
کی کثرت سے آمد پر جب ان میں سے بعض نے اپنی دہریت کا اعلام کیا اور سب
اپنے اپنے ملی جذبات کی بھی اشاعت کرتے تھے تو میں نے ایک اعلان لکھا جس
میں ان کو اسلام و افغانیت کے پاس کی ہدایت کی گئی یعنی ان کے متعلق کوئی کلمہ
تحقیر منہ سے نہ نکالیں اور ان دونو باتوں کی فوقیت و فضیلت طلبہ پر دلائل و براہین

سے واضح کی گئی تاکہ دل سے قائل ہو کر نئی تعلیم کی بیجا آزادی سے متاثر نہوں۔ یہ اعلان چھپنے نہ پایا۔ امان اللہ خاں طنز سے مجھے جوان افغانوں کا شیخ الاسلام کہا کرتے تھے۔

مشائخ اور علمائے دین افغانستان میں خاص مرتبت رکھتے ہیں جس سے امن و حرب میں بیحد فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ ان کے مرید او رشاگرد عبادت و اخلاق و معاملات حسنہ سیکھکر اوروں کو اپنی مثال و نصیحت سے متاثر کرتے رہتے ہیں اور جہاد و شہادت کا ثواب و درجہ معلوم کر کے لڑائی میں ان کے جھنڈے تلے لاکھوں غازی جمع ہو کر ملک کی حفاظت کرتے ہیں۔ امان اللہ خاں نے صرف مکاتب ملکی و حربی اور عسکر کو کافی سمجھا۔ ایک یونانی حکیم اصلاح کی یوں تعبیر کرتا ہے جیسے کوئی زہن کے چھلکے کو اتار کر کسی اور غلاف سے بدلنا چاہے۔ ممکن ہے کہ اس کے تبدل کے اثنا میں یا نئی پوشش کی کم قوتی کے سبب تحت الثری سے گندھک لاوا اور آگ نکلکر سب کو بھسم کر جائے۔ علما و مشائخ کو بے رسوخ و ذلیل بنانے ہی کو احتمال ہے کہ ملت برداشت نہ کرے اور ان کی حمایت میں مخالفوں کے خون کی ندیاں بہادے اور اگر ان کا اقتدار و تقدس سلب بھی ہو جائے تو پھر غالب یہ ہے کہ مکاتب وہ خصائل او رحسنات کما حقہ نہ سکھا سکیں جو طریقت و شریعت کے مسلک میں تلقین ہوتے ہیں اور وہ فتنہ و فسق و فجور برپا ہوں جس سے

ملک وملت کی جڑ اکھڑ جائے۔ لڑائی میں جب آخرت کی نعمات پیش نظر نہوں تو کوئی اس زندگی کی لذت کو کیوں فدا کرے۔ امر واقعی ہے کہ قدیم مجاہدین ہی کی قربانیوں سے افغانستان اب تک آزاد ہے۔ یقینی ہے کہ جب تک جدید عساکر کا تجربہ عمل میں آئے یاجوج و ماجوج سب کچھ ہڑپ کر جائینگے۔ ان کے مقابلے میں اہل دین ہی نے سد سکندری کھڑی کر رکھی ہے وما استطاعوا ان یظہروہ و ما استطاعوا لہ نقبا نہ تو اس پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ اس میں سرنگ لگانے کی طاقت رکھتے ہوں۔

امان اللہ خان نے ابتدا مساجد سے اماموں اور مؤذنوں کو کم کرنے سے کی اور مقامات متبرکہ سے حکومت کی اعانت اٹھالی۔ بزرگوں کے وظائف بند کر دئے اور ان کے حق میں اہانت کے فقرے کسنے شروع کئے جس پر محمد نادر خاں نے موعظۂ حسنہ اور حکمت سے اعتراض کیا اور محمد ہاشم خاں نے اپنی معمولہ خشونت صادقہ سے احتجاج کیا۔ ایک دفعہ انھوں نے مجلس میں علانیہ کہا کہ سابق عہد میں شعائر اسلامی کی مراعات زیادہ تھی اور مساجد میں محلے کے لوگوں کی حاضری لی جاتی تھی اب زبانی جمع خرچ ہے اور حقیقت کچھ نہیں۔ جب بڑے بھائی نے اشارے سے قول لین کی ہدایت کی تو آپ اور بھڑکے کہ مجلس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ سچی سچی رائے اور صلاح دی جائے خود وزیر حربیہ خلوت میں اور عرائض کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا

کرتے رہے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آپ ملت کے بگڑنے کا اندیشہ ظاہر کر کے ڈراتے رہے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ قندھار اور غزنی کے نواح میں شورش پیدا ہوئی۔ بدخشاں کی طرف فساد کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ مشرقی اور جنوبی سمتوں میں اس فتنے کی آگ سلگنے لگی جس نے آخر وہ شعلے دکھائے جن سے نزدیک کابل مع سفارتخانوں کے جل ہی گیا تھا۔

فصل سوم

وزیر حربیہ کا استعفا اور سمت جنوبی کی بڑی بغاوت

سردار محمد نادر خان اس کشمکش اور پیچیدہ معاملات کی تاب نہ لا کر رنج و غم میں گھلنے لگے۔ ہر وقت مضطرب اور پریشان رہتے جس کا اثر ان کی صحت پر اتنا زیادہ پڑا کہ سر چکرانے لگا جو متواتر درد سر کی صورت پکڑ گیا اور اس کے ساتھ سینے اور جگر کی خرابی بھی لاحق ہو گئی۔ آخر تنگ آ کر سنہ ۱۹۲۲ء میں آپ نے استعفا لکھا جس کا مضمون یہ ہے :-

اعلیٰحضرتا۔ آپ میرے خالص عقیدے اور بے غرض طریقے سے پورے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ مدت سے میں طرح طرح کی امراض میں مبتلا ہوں۔ آج اس عریضے میں اپنے آخری قواء حواس کو خرچ کرتا ہوں کیونکہ مزید برآں مجھ میں حوصلہ نہیں رہا یقین کیجیے کہ میرے جیسا مریض شخص جس کا جسم و دل دونوں بیمار ہوں وہ بار گراں اور زیادہ دیر تک نہیں اٹھا سکتا جس کا میں متحمل ہوں خصوصاً اس وقت سے کہ ایک

جمعیت کے ساتھ جو آپ کے گرد فراہم ہوگئی ہے میرا اختلاف رائے واقع ہوگیا ہے اور میں اپنے خیرخواہانہ خیالات کو آپ کے اور ان کے افکار کے برعکس مشاہدہ کرتا ہوں۔

اپنے متعدد تجربوں پر نظر کرنے سے جو مجھے اس ملک میں حاصل ہیں اور ملی جذبات وحسیات کی معلومات سے مجھے بہت اندیشہ ہوتا ہے کہ خدانخواستہ ان افکارِ پریشان سے وطن اور اس کی ترقیات کی عمارت متزلزل و منہدم ہو جائے گی۔ ان خطرات کا ہجوم روز بروز میرے ضعف ونقاہت کو زیادہ کرتا ہے اور وطن کی محبت و درد جدا روح فرسا ہے جبکہ خود اعلحضرت میرے عرائض کو جو آپ کی بہبودی ملت کے فائدے اور مملکت داری کی طرز کے متعلق تقدیم کرتا ہوں قبولیت نہیں بخشتے ان کو اہمیت نہیں دیتے اور ان جگرخراش اوضاع کے وخیم نتیجے کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ لہذا وجدان اور ایمان کی رو سے اس اظہار پر معذور و مجبور ہوں کہ جب یہ اطوار جو میرے وطن خواہانہ میلان وآرزو کے برخلاف جاری ہیں میرے دل کو صدمہ پہنچا رہے ہیں تو امیدوار ہوں کہ موجودہ عہدے سے لطفاً مجھے مستعفی و منفصل فرمائیں۔

میری کوئی خواہش نہیں کہ داخلِ وطن میں کسی ماموریت پر کام کروں اور اگر میرے کام کرنے پر ضرور اصرار فرمائیں تو اس حیات مستعار کی شرط پر جسے بار بار وطن کی قابلِ افتخار خدمات کے لئے نثار کرونگا اور بیماری لاحقہ کے پنجے سے چھوٹنے پر

امورات خارجۂ افغانستان کی جس خدمت پر مقرر فرمائیں آپ کی رضامندی کے حصول کے لئے اگرچہ ایک سفارت کی سرکاہی ہو قبول کروں گا اور اس ظاہری غیاب کے وسیلے سے ایک طرف نوروحانی کشمکشوں اور موجودہ نامناسب اوضاع سے ایک گونہ نجات پاؤں گا دوسرا اپنے معالجے میں کوشش کر سکوں گا۔

امان اللہ خاں نے اس استعفانامے کے جواب میں کچھ مدت لیت ولعل کی اور آپ کی تیمار داری میں بھی ساعی رہے مگر آخر آپ کو فرانس کی سفارت پر مقرر کر دیا۔ چونکہ وہاں آپ کا فرزند فوت ہو چکا تھا۔ وزارت معارف میں فاتحہ خوانی کی رسم ادا ہوئی۔ جس میں امان اللہ خاں اور سب وزرا و اعیانِ مملکت شریک ہوئے۔ حضار کی ماتم پرسی کے جواب میں مرحوم کے والد محروم نے یہ تقریر کی:۔

واللہ۔ میں اپنی مرگ کے اندیشے سے جو میری بیماری کے سبب لاحق ہوتا ہے اور اپنے بیٹے کی موت سے جس نے طلبِ علم اور بادشاہ کی اطاعت کرتے ہوئے غربت میں جان دی اس قدر غمگین وحزین نہیں جتنا ان اوضاع سے پریشان و متألم ہوں جس نے عزیز ملت اور حکومت کو مہلک خدشات کے شکنجے میں کھینچ رکھا ہے میرا اضطراب و رنج اس مسئلے سے اور بڑھتا ہے کہ اعلیحضرت امین و خائن کے درمیان تمیز نہیں فرماتے اور ان دوستوں اور خیر خواہوں سے دوری چاہتے ہیں جو اصلاح کی خاطر تنقید کرتے ہیں اور ان خود غرضوں اور خوشامدیوں کے نزدیک ہوتے ہیں

جو مدح و تعریف کے سوا ان برے نتائج کو پیش نہیں کرتے جو موجودہ روش پر واقع ہونے والے ہیں۔ میں اس موقع پر جب میرا دل فرزند کی وفات پر کباب ہے خلوص سے دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھکو اور میرے خاندان کو وطن کے حقیقی شرف و فخر کی راہ میں قربان کرے مگر ایسا دن نہ دکھائے کہ ملک میں تفرقہ و نفاق کا بیج بو دیا جائے اور حکومت ملت سے اور ملت حکومت سے بیزار اور برسرپیکار ہو۔ الٰہی افغانستان کے سچے بہی خواہوں کو تمام بلیات و آفات سے محفوظ اور اس وطن کے دشمنوں اور خائنوں کو روسیاہ کیجیو اور ہم طبقہ موجودہ کو جن کے ہاتھ میں ملک کی قسمت ہے ایسی توفیق بخشیو جس سے خیر و شر کو سمجھکر وہ راستہ اختیار کریں جس میں تیری رضا اور تیری مخلوق کا آرام اور نیکنامی متصور ہو۔

اس کے بعد آپ تو جلدی عازم فرانس ہوئے مگر وہی بات ہوئی جو آپ کے دل میں خطور کرتی تھی۔ سمت جنوبی کی بغاوت نے کابل میں قیامت برپا کر دی اگرچہ یہ واقعات جلد اول میں مفصل بیان ہوئے ہیں مگر مختصر اعادہ تسلسل عبارت کے لئے لازم ہے۔ امان اللہ خاں کی بیجا بلند پروازیاں آخر اپنا رنگ لا کر رہیں ملت مخالف ہو گئی اور اس کا وہ حصہ جو زیادہ بہادر و دلاور تھا البتہ پہلے متاثر ہوا۔ بادشاہ کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے وہاں کے حاکم نے کہہ دیا کہ خبردار ہو یہ زمانہ قانون کا ہے قرآن کا وقت گیا۔ ملا اٹھ کھڑے ہوئے۔ رعیت

ان کے ساتھ ہوئی۔ چھاؤنی محصور کرلی۔ سرکاری فوج کو شکست دی۔ صلح کی کوشش ہوئی تو انھوں نے صاف کہا کہ ہم سوائے غازی محمد نادر خاں کے کسی پر اعتبار نہیں کرتے۔ امان اللہ خاں کے وزیر د علماء یہ پیغام لائے تو شاہانہ حسد و شبہ بھڑکا۔ یَا اَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ۔ کیا جسے میں مقرر کردں اس پر اعتماد نہیں اور صرف محمد نادر خاں پر اعتبار رہے؟ میں اسے فوراً ملک سے باہر بھیجتا ہوں تاکہ اس کا نام تک نہ لو اور اس کی بجائے ایسے شخص کو تمھاری مصالحت یا بیخکنی کے لئے روانہ کرتا ہوں جس نے کبھی تلوار یا بندوق ہاتھ میں نہیں لی۔ جو نسباً افغان بھی نہیں۔ جو پشتو کا ایک حرف نہیں جانتا۔ جس نے قبائل کے ساتھ کبھی راہ و رسم نہیں رکھی۔ غرض یہ کہ میں بادشاہ ہوں جسے چاہوں وزیر بناؤں جسے چاہوں اسیر کردں۔ اَنَا اُحْیِیْ وَ اُمِیْتُ۔ جسے چاہوں زندہ رکھوں جسے چاہوں ماروں۔

جب باغیوں نے سنا کہ سپہ سالار غازی فرانس بھیج دئے گئے ہیں تو طیش میں آکر فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے علاقے میں ایک عبد اللطیف نامی کا دیانی ہو گیا تھا اور امیر حبیب اللہ خاں کے وقت میں سنگسار کیا گیا تھا۔ انھوں نے امان اللہ خان اور ان کے سپاہیوں کو کیدانی کہنا شروع کیا۔ ان کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ دفعتہً سپاہی کے پاس پہنچکر چھرا سر پر چمکا اور گھما کر نعرہ مارتے کہ او کیدانی

پھینک دے بندوق۔ پھر اس کی مشکیں کسکر لے جاتے۔ جب ان کا رعب و غلبہ حد سے بڑھ گیا تو کابل کے ملا گھبرا گئے اور انھوں نے امان اللہ خاں کو کہا کہ اس دینی تہمت کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ کسی کا دیانی کو پکڑ کر سنگسار کر دیا جائے چنانچہ ایک دکاندار کو جو شاید اکیلا ہی اس نئے مذہب کا معتقد تھا پتھروں سے مروا دیا مگر نتیجہ مرتب نہوا۔ باغی کوتل تیرہ کی سخت گھاٹی سے گذر کر لوگر میں داخل ہو گئے اور لوٹ مار مچ گئی۔ توپخانے راستے میں جاتے ہوئے روکے اور خراب کئے گئے اور فوج کی وہ گت بنی کہ مولی گاجر کی طرح کاٹی گئی۔

میں نے یہ تشویشناک حالت دیکھکر چند احباب کے مشورے سے ایک عریضہ لکھا کہ نظامی ابتری و پراگندگی اس امر کی متقاضی ہے کہ اب قومی طریقے سے کام لیا جائے اور ان اشخاص کو گھروں سے نکال کر میدان جنگ میں بھیجا جائے جن کو ملت پہچانتی ہے بلکہ شاکی ہے کہ کیوں وہ خانہ نشین ہیں۔ چونکہ باغی اپنے علاقوں سے دور آ گئے ہیں سرحد کی طرف پیچھے سے ان کے گھروں پر حملہ کیا جائے اور ان کو ہول و ہراس دلانے کے لئے اشتہارات تقسیم کئے جائیں کہ ایک طرف سرحد و جلال آباد اور دوسری جانب ان پر غزنی و قندھار سے لشکر کشی ہونے کو ہے۔ میں نے پانچ سال پہلے تجویز پیش کی تھی کہ مکاتب میں بجائے کرکٹ و فٹ بال کے فوجی قواعد بندوق کا استعمال اور مصنوعی لڑائیاں رائج

کی جائیں۔ اس پر چند سے عمل ہو کر غفلت کی گئی تھی اب بھی فوری تیاری سے
ایک ہزار جوان ایسے موجود ہو سکتے ہیں جو اگر ساری سپاہ باہر چلی جائے تو
بادشاہ کی اور شہر کی حفاظت کے لئے کافی ہیں۔ میرے عریضے کی حرف
بحرف تعمیل ہوئی مگر وزیر دربار نے چند روز بعد مجھے مسکراتے ہوئے کہا کہ اگر تمھاری
درخواست ضروری ہو تو پیش کر دی جائے حالانکہ شبہ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ
پڑھی جا چکی ہے۔

سردار عبدالقدوس خاں اعتماد الدولہ کو لوگر بھیجا مگر انھوں نے باغیوں کا غلبہ
اور فوج کا رنگ ہی دگرگوں پایا۔ امان اللہ خاں کابل میں بیٹھے کمان افسری کرتے
تھے اور کسی کو میدان میں ذمہ دارانہ اختیار حاصل نہیں تھا۔ بوڑھے آزمودہ کار
اور مشہور جنگجو ناچار اپنا سا منہ لے کر واپس لوٹے۔ علما و مشائخ بھی ناکام مراجعت
پر مجبور ہوئے۔ اب امان اللہ خاں کو بڑے جرگے کی سوجھی۔ اس میں بھی ملک
کے سب صوبوں اور شہروں سے وکلا علما اور اکابر مدعو کئے گئے مگر محمد نادر خاں
کے خاندان میں سے کسی کو شریک نہ کیا۔ سردار شاہ ولیخاں جو لفٹننٹ جرنیل تھے
اور بڑے بھائی کی طرح تنگ آ کر استعفا دے چکے تھے مجھ سے بڑی حسرت
کے لہجے میں کہنے لگے کہ ہم نے تو امان اللہ خاں سے اختلاف رائے کیا اور ہماری
علیحدگی بجا ہوئی مگر ہمارے بزرگوار والد اور چچا جو کئی بادشاہیاں الٹتی اور قائم

ہوتی دیکھ چکے ہیں اور انقلابات مجالس اور جرگوں کے تجربے رکھتے ہیں وہ تو اس جرگے میں مصلحت کے لئے شریک کر لئے جاتے۔ جرگہ ختم ہوا اور وہاں باغیوں کی بندوقوں کی آواز پہنچی تھی۔

سردار شاہ ولیخاں نے یہ خطرناک حالت دیکھکر گھر بیٹھنا گوارا نہ کیا اور لڑائی میں جانے کی درخواست دی جو منظور ہوئی۔ آپ کی سابقہ شجاعتیں جن سے سمت جنوبی کے سب لوگ آگاہ تھے اور مردانہ خصائل و اخلاق جن کا سکہ وہاں کے پیرو جواں پر بیٹھ چکا تھا آخر اس حکومت کی درد کے دوا بنے جس نے ان سے بے اعتنائی برتی تھی۔ اگرچہ آپ بھی محصور ہوئے گندلا پانی پینا اور چنے چبانے پڑے مگر باغیوں کو شکست دی اور وہ اس پیشقدمی سے رک گئے جو عنقریب کابل کو تباہ کر دیتی۔ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں لاکھوں روپیوں کا نقصان ہوا مگر امان اللہ خاں کی بات رہ گئی فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ جب بھول جاتے ہیں وہ نصیحت جو ان کو یاد دلائی جاتی ہے تو ہم ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ خوش ہو جاتے ہیں اس سے جو ان کو دیا جاتا ہے پھر ہم ان کو ناگہاں پکڑ لیتے ہیں اور وہ بیٹھے کے بیٹھے رہ جاتے ہیں۔

فرانسیسی انقلابیوں سے بھاگنے کی لوئی نے کوشش کی مگر پکڑا گیا اور مع اپنی

ملک کے ہلاک کیا گیا۔ امان اللہ خاں کو پانچ سال اور مہلت دی گئی۔ آخر وہ اپنی بیوی کے ساتھ دوڑ کر زندہ بچ گئے مگر کیا زندگی جس سے پناہ مانگی گئی ہے اعوذ باللہ من الحور بعد الکور تصرف کے بعد بے بسی مرگ سے بتر ہے۔ کسی نے سلطان محمود کو خواب میں دیکھا تھا کہ سارا جسم خاک ہو گیا مگر آنکھ دیکھتی ہے کہ اس کا ملک دوسروں کے قبضے میں ہے۔ اسی لئے شاہ عالم نے اندھے کئے جانے پر کہا تھا ؎

چشمِ من کور شد از جورِ فلک بہتر شد ✤ تا نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما

فصل چہارم

وطن کے اندر اور باہر اعزاز و اکرام

سردار محمد نادر خاں کابل سے روانہ ہو کر جلال آباد میں اور راستے میں لوگوں کا ہجوم ملاحظہ کرتے ہیں جو باوجود ان کے بیخبر رخصت ہونیکے وداع کرنے کو دور دور سے آن موجود ہوتے ہیں۔ پشاور میں گرمجوشی کا اندازہ نہیں تھا انگریزوں نے سڑکوں پر پہرے لگا رکھے تھے اور ریلوے سٹیشن پہ طیاروں کا احاطہ تھا پھر بھی ڈین ہوٹل میں مسلمانوں کے اژدہام نے آگھیرا اور بڑے تپاک سے ملاقات کی عید اضحےٰ کی نماز وہاں گذار کر کیونکہ گھر میں اس کے گذارنے کی بھی فرصت نہیں ملی تھی اسی طرح نوشہرہ اور راولپنڈی کے سٹیشنوں پہ اخوان دین کے استقبال کی موجیں دیکھتے لاہور وارد ہوئے جہاں خلقت کا سمندر لہریں مار رہا تھا۔ بمبئی تک یہی خیر مقدم اور وداع بڑی شان و احتشام کے ساتھ جاری رہا اور اہل ہند اس عزت و احترام کا اظہار کرتے رہے جو غازی اور فاتح سپہ سالار کے لئے ان کے دلوں میں جاگزیں تھا۔ ایک عالی ہمت خادم بشریت خوش اخلاق صادق اور فداکار شخص وطن میں اور

باہر یکساں مکرم و معظم سمجھا جاتا ہے۔

مشرقی ادیب اکثر معترض ہوتے ہیں کہ مال کی قدر علم سے زیادہ ہوتی ہے حالانکہ استغنا کو مدِنظر رکھ کر مال علم کے بغیر اول تو حاصل ہی نہیں ہو سکتا اگر ہو تو ٹھہر نہیں سکتا ع
مال در کفِ آزادگاں و آب در غربال۔ دولت کی تحصیل اور اس کا معقول مصرف ایک طرح کے علم پر مبنی ہے جسے اخلاقی و فنی اقتصاد کہتے ہیں۔ مغربی نقاد مال کو تو جائز مایۂ فخر سمجھتے ہیں مگر جاں نثاری کے مشکل مسئلے پر غور نہ کر کے ان بہادروں کے مجسموں پر استہزا کرتے ہیں جنھوں نے ہزاروں کا خون بہایا تھا۔ حالانکہ انھوں نے پہلے خود سر بکف ہو کر کسی بلند مقصد کے لئے اپنی جان معرضِ ہلاک میں ڈالی تھی۔ بذلِ مال میں تو شہرت ہو اور صرفِ جان میں اس سے دریغ کیا جائے حالانکہ جان مال سے زیادہ عزیز ہے منطقی تمیز کے مطابق نہیں ہے۔ ایک شخص علم پر عمل کر کے عمر بھر کے تجربوں کے بعد ایک مفید ایجاد کرتا ہے بیشک وہ قابلِ حرمت ہے مگر اس میں ہر چند مال بھی خرچ کیا ہو مگر جان کو ایک بین خطرے میں نہیں ڈالا تھا۔ اگر خوف تھا تو اس کی اطلاع یقینی طور پر لوگوں کو نہیں ہوئی۔ جیسے مزدوری کی بیشی ایک حد تک کام کی دشواری اور اندیشۂ ہلاکت پر مبنی ہے نامداری اور افتخارِ عموم کا انحصار بھی اسی پر ہے۔ اپنے ملک کو بربادی سے بچانے اپنی ملت کو آزادی دلانے اور دونو کے لئے ترقیات کے راستے صاف کرنے میں جن کے مسدود ہونے سے علم و ہنر

اور ایجادات کا موقع اور ملکہ ہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس نے خطرات کے سامنے اپنا سینہ سپر کر کے جان قربان کرنے میں کوئی صرفہ نہ کیا ہو اور پھر وہ کامیاب اور فتحمند بھی نکلے جو اس کی تدبیر و عقل کی دلیل ہے۔ خصوصاً جبکہ حریف ذہنی و فنی کمالات سے آراستہ ہو تو ایسا شخص علی الرغم گوشہ گیر نکتہ گیروں کے پرستش کے لائق ہے اور دنیا اسے سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے۔

سردار محمد نادر خاں اسی قبیل کے مرد تھے جو وطن میں بھی بادشاہی مخالفت کے باوجود اور پیشاور میں بھی حکومت کی دار و گیر کے ہوتے ان کے استقبال کے لئے جم غفیر جمع ہو گیا۔ ایک مجلس میں انھوں نے فرمایا کہ افغانستان میں ہندو اور مسلمان بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔ اگر ہندوستان ترقی و تکامل کا خواستگار ہے تو یہی اتحاد کی روش اختیار کرنی لازم ہے ورنہ چار موجہ کشتی ساحل پر نہیں پہنچے گی۔ مقدم یہ ہے کہ میرے ہندی بھائی ایک دوسرے کے معابد کا احترام کریں۔ بیرونی قوت پر تکیہ کرنا بالکل غلط ہے۔ اولادِ وطن کے بازوے توانا سے کام لینا چاہئے۔ افغانستان رنگ کے امتیاز سے جو مغربیوں اور مشرقیوں کو جدا کرتا ہے غافل نہیں ہے اور نہایت سرگرمی سے اہل مشرق کے حقوق کی مساوات کو دنیا میں ثابت کرنے کے درپے ہے

ان فکری بلندیوں کے ساتھ جب جانی قربانیاں بھی منضم ہوئیں تو یورپ میں بھی ان کی عزت افزائی ہوئی چنانچہ فرانس کے رئیس جمہوریت نے کہا کہ علاوہ اس حیثیت کے

جو آپ کو افغانی نمایندہ ہونے میں حاصل ہے فرانس کی جمہوریت آپ کی ذات کو
علیحدہ احترام سے دیکھتی ہے اور آپکے یہاں قیام سے مسرور ہے۔ پیرس کے
رسالہ ڈپلومٹک ریویو سنبلہ ۱۳۰۳ش (۱۹۲۴ء) نے سرمقالے میں لکھا کہ محمد نادر خاں ایک
فرد کامل واعلیٰ افغان ہیں۔ ان کے قیافے سے ہوش فراست اور سادگی ٹپکتی ہے
جو پر معنی ہے۔ پہلی نظر سے آپ کے چہرے میں شجاعت و تہور کے آثار دکھائی
دیتے ہیں۔ آپ فرانس کی معنوی خوبیوں کے ساتھ اپنے وطن میں اس کے
اقتصادی روابط کے بھی خواہاں ہیں اور اپنی قالینوں اور پوستینوں کو یہاں فروغ
دینا چاہتے ہیں۔ تعلیمی تعلقات کے علاوہ مارشل محمد نادر خاں کے تجارتی نقشے
اور افغانی و فرانسیسی اتحاد کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ پیرس کے جرنل نے بھی ایک
مضمون میں آپ کی بابت لکھا کہ اخلاق کریمانہ وقار اور متانت سے آراستہ
ہیں نسبی شرافت و نجابت آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی ہے غرور و نخوت سے
آپ کو کوئی واسطہ نہیں۔ کلام میں شستگی اور اختصار ہے۔ اسکے بعد افغانستان
کی ضرورتوں صنعتوں حرفتوں اور کانوں پر بحث کی ہے جن کی بابت سفیر جدید نامہ
نگاروں اور ملاقات کرنے والوں کے ساتھ مذاکرات کرتے رہتے تھے تاکہ ان سے
وطن کو فائدہ پہنچانے کی صورت نکالیں۔

فصل پنجم

فرانس میں عزل و مرض کے اسباب

آپ تو حسب معمول دیانت و صداقت سے کام کرنا چاہتے تھے مگر اس کا خریدار کون تھا۔ یہی تو آپ کی مباعدت کا باعث ہوا تھا۔ آپ بہت سی مفید تجاویز لکھ لکھ بھیجتے مگر کوئی جواب تک نہ آتا پھر بھی آپ ادائے فرائض میں مشغول رہتے چنانچہ کابل میں جو نزاع فرانسیسی معلموں اور وزارت معارف میں طول کھینچ گئی تھی آپ نے رفع کی اور اپنے بھائی محمد عزیز خاں مرحوم کو جو فرانس میں افغانی طلبہ کے مفتش تھے مشورہ دیتے اور خود متعلموں کی خبر گیری فرماتے تھے۔ مناسب قیمت پر اسلحہ، زرہ پوش موٹریں اور ریڈیو کی مشینیں وغیرہ خرید کر بھیجیں مگر نہ ان کی اور نہ انکی نافع نصیحتوں کی پرواہ کی گئی۔ اب پھر دیرینہ کشمکش اضطرار اور رنج کے نتائج نمودار ہونے لگے جب دل کی امنگیں دل ہی میں رہ جاتیں اور وطن کی ترقی کے ارادے خاک میں ملتے تو لامحالہ طبیعت پریشان ہوتی اور مزاج بگڑتا۔ بیماری نے پھر عود اور زور کیا اور آپ نے ۱۳۰۵ھ / ۱۹۲۶ء میں اسی استعفا نامے کا زیادہ مفصل تکرار کر کے جو مذکور ہو چکا ہے۔

کام سے سبکدوشی حاصل کر لی۔

لفٹنٹ جرنیل سردار محمد ہاشم خاں بھی جو ماسکو میں سفیر تھے سبکدوش ہو کر پیرس میں آ گئے کیونکہ ان کے ساتھ دینی و ملی مخالفت کے علاوہ ذاتی دشمنی بھی روا رکھی گئی تھی جسکا جلد اول میں بیان ہو چکا ہے۔ لفٹنٹ جرنیل سردار شاہ ولیخاں بھی آ ملے کیونکہ وطن میں خدمت کرنا محال ہو گیا تھا اور بڑے بھائی کی تیمارداری بھی لازم تھی ڈاکٹروں کے مشورے سے نیس کی طرف روانہ ہوئے اور کابل کی اراضی کی آمدنی سے وہاں علاج کرانے لگے۔ چونکہ مکانات کا کرایہ بہت تھا۔ اسلئے جنوبی فرانس کے موضع مانتون میں ایک معمولی عمارت خرید کر وہاں گزارہ کیا۔ یہاں آپ کی صحت قدرے خوب ہو گئی مگر افغانستان کے حالات سے اخباروں کے ذریعے آگاہ ہوتے اور دوستوں آشناؤں کے ساتھ کوئی راہ و رسم باقی نہ رکھی صرف اپنے گھر خیریت کے خطوط گاہے گاہے لکھ دیتے تھے۔ یہ آپ کا وطن سے گویا دوسرا فرار تھا۔ جیسے ڈیرہ دون میں ڈیرہ ڈالے ہوئے طفولیت اور نوجوانی پردیس میں گذاری ویسے اب فرانس میں پختہ سالی جو چالیس برس کی عمر کے بعد تجربوں سرگذشتوں اور وطنی دردوں سے بھرپور تھی بسر کرنی نصیب ہوئی۔ کسی کو گمان تک نہ تھا کہ آئندہ پردۂ غیب سے کیا آشکار ہو گا۔ امان اللہ خاں کا کر و فر دوبالا ہوتا جاتا تھا اور ایشیا سے گذر کر یورپ میں ان کے جاہ و جلال کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ ان کے اقبال و حشمت کا کوس جہاں بھر میں بجتا

تھا اور اس عالمگیر نقارے کے سامنے طوطیوں کی آواز کب سنائی دیتی تھی جن میں سردار محمد نادر خاں کی طرح میری عاجزانہ صدا بھی تھی میں ہمیشہ امان اللہ خاں سے گوش گذار کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا تھا اور شنوائی نہ پا کر اور ملک کی اندرونی حالت کو ملاحظہ کر کے پیش گوئی کی جرأت کرتا تھا کہ اس خاندان اور اسکے افراد کا جو مستثنٰے طور پر صالح و عاقل تھے اور حکومت نے انھیں خدمات سے محروم اور منفور کر دیا ہے آخر اس پر صبر پڑیگا اور وہ اپنے حق کو پہنچینگے۔ ان اللّٰہ بالغ امرہ وقد جعل اللّٰہ لکل شیء قدرًا۔ مگر ابھی ظالموں کا ستارہ اوج چمکنے کو تھا اور مظلوموں کو کچھ دیر اور ظلمت میں زندگی کے دن کاٹنے تھے۔

ایک یونانی حکیم لوگوں کی حرکات پر ہنستا اور دوسرا روتا تھا۔ ایک ہنستا اسلئے کہ کچھ اب دکھ درد میں ہیں جن کا نتیجہ آرام و راحت ہوا کرتا ہے اور دوسرا روتا اسلئے کہ بعض جو اس وقت مزے اڑا رہے ہیں عنقریب رنج و بلا میں مبتلا ہوں گے۔ قدیم عقیدے میں آسمانی دیوتاؤں کا دل بہلتا تھا جب وہ زمین کے باشندوں کی اس غفلت اور بیخبری کا تماشا دیکھتے تھے۔ انجیل میں خدا کی بادشاہی فی الحال آسمان تک محدود بتائی گئی ہے۔ اس غلط فہمی سے متاثر ہو کر ٹینیسن نے یہاں تک گستاخی کی جرأت کی ہے کہ آسمان کے خدا کا بس نچلے معبودوں پر نہیں چلتا جبکی زمین پر ظلم و ستم اور جہل و تغافل جاری ہے۔ اگر عقلائے یورپ کو معلوم ہوتا کہ امان اللہ خاں تھوڑی دیر کے بعد اُنکے

درمیان ایک عام آدمی کی طرح آبسینگے تو جیسا اس وقت ان کو کوئی پوچھتا تک نہیں اُس وقت بھی کوئی نام نہ لیتا مگر مستقبل سے نادانی جو حال پر مبنی ہوتا ہے اہل یورپ کے مدبرین کو بھی دھوکا دے گئی اور انھوں نے امان اللہ خاں کی آؤ بھگت میں وہ تیاریاں اور زر نثاریاں کیں جو کسی مشرقی بادشاہ کو اب تک نصیب نہیں ہوئی تھیں۔

سپہ سالار محمد نادر خاں اور نائب سالاران محمد ہاشم خاں اور شاہ ولیخاں اگرچہ بادشاہ سے اختلاف رکھتے اور اسلئے اپنے عہدوں سے مستعفی بھی ہو گئے تھے مگر انھوں نے انتقام کا خیال تو خیر تھوڑی بے ادبی بھی مطلق روا نہ رکھی تھی بلکہ اب بھی اسی دھن میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اسے ہدایت کی راہ پر لائیں چنانچہ یورپ کے شاہانہ سفر کو فرصت سمجھکر اس موقع کو بھی ہاتھ سے نہ دیا۔ تینوں بھائی فرانس سے سے چلکر استقبال کے لئے اطالیہ پہنچے اور نیپلز میں جہاز پر ملاقی ہوئے۔ وہاں پھر مخلصانہ نصائح بیان کیں اور امان اللہ خاں کو اس جدید روش سے روکا جو افغانستان کے مسلمانوں کو مشتعل کر رہی تھی مگر کوئی اثر نہ دیکھکر بلکہ مخالفانہ جواب سنکر آپ قطعیاً مایوس ہو گئے اور عزم کر لیا کہ امان اللہ خاں کی معیت میں شامل ہو کر ان کی بیجا رفتار کا تعاون نہیں کرینگے۔ ہر چند بعد میں پیغاموں کے ذریعے امان اللہ خاں سعی کرتے رہے کہ ان کو مصاحبت میں لیں مگر محمد نادر خاں کی حقانی اور ملی شرائط چونکہ نظر انداز ہوتی تھیں اسلئے وہ رضامند نہ ہوئے۔ چونکہ ابھی کاملاً صحت یاب بھی نہ ہوئے تھے اس لئے مع

اپنے بھائیوں کے ہمراہ تھون میں واپس چلے گئے اور شاہ و رعیت کے اختلافات سے جو یورپ اور افغانستان میں واقع ہو رہے تھے متاثر و متالم ہو کر پھر سخت مریض ہو گئے۔

امان اللہ خاں نے یورپ میں شان و شوکت کے ساتھ سیاحت کر کے جس میں دول مغربی نے آپ کی خاطر و مدارات میں ایک دوسرے سے سبقت لی وطن کو مراجعت کی اور ان خدام خالص کو جنھوں نے اپنی وفا داری جاں نثاری دینی جذبات ملی حسیات اور اخلاقی بلندی کے پیہم ثبوت دئے تھے یورپ میں ہی چھوڑ آئے۔ ان کی بجائے افغانستان میں ظالم رشوت خور جاہل کاہل غافل زمانہ ساز منافق عیاش اوباش شرابی کبابی اور ربابی موجود تھے جو ملکی عسکری اور رعایتی امورات میں کہرام مچا رہے تھے۔ اگر محمد نادر خاں کا خانداں برسرکار ہوتا تو اسکے ارکان ماشاء اللہ کمیت اور کیفیت میں سب کام سرانجام دینے کے لئے کفایت کرتے۔ چار بھائی تو یورپ میں تھے باقی شاہ محمود خاں اور ان کے چچازاد رشتہ دار اگرچہ عہدوں پر سرفراز تھے مگر ان کے اختیارات مسلوب بیچارے پاؤں پھونک پھونک کر چلتے تھے کہ کہیں کوئی تہمت نہ لگا دے۔ ایک واقعے سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انکی حیثیت کیا تھی اور کہاں تک فکری آزادی اور حریت کے مالک تھے۔

فیض محمد خاں وزیر معارف کو مجلس وزراء میں سے وکیل اعلیحضرت محمد ولیخاں نے

اختلاف رائے پر جسکے ساتھ وہ ذرا دیر پہلے اتفاق کا اظہار کرچکا تھا اور بعد میں منکر ہوگیا تھا بڑی توہین کے ساتھ باہر نکال دیا۔ آپ نے سردار شاہ ولیخاں اور سردار شیر احمد خاں رئیس شوریٰ سے اور نیز اپنے والد ماجد سے جو دونوں سردار محمد نادرخاں کے دادا کے بھائی کے پوتے ہیں مشورہ کیا۔ سب نے رائے دی کہ ایسی وزارت سے عزلت بہتر ہے مگر میں نے سخت اعتراض کیا۔ حضرت لوطؑ کو فرشتوں نے کہا تھا کہ اگر ایک دو آدمی بھی تمھاری قوم میں نیک ہونگے تو اسکو ہلاک نہیں کیا جائیگا طلائی خاندان کے تھوڑے سے شخص بھی غنیمت تھے اور بیش قیمت۔ میں نے وزیر معارف کو اپنے شاگرد کی طرح سمجھایا کہ امان اللہ خاں بگڑا دل ہے کوئی نقصان نہ پہنچا دیگا اور استعفا بھی منظور نہیں کرے گا۔ مصاب زید مزجرۂ عمرو ہونی چاہیئے۔ میرے تلخ تجربے سے برشیریں لینا چاہیئے۔ میں نے کئی دفعہ استعفا پیش کیا مگر قبول نہوا۔ اسلیئے صبر بہتر ہے مگر انھوں نے غیرت سے کام لیا اور گھر جا بیٹھے امان اللہ خاں نے حکم دیا کہ اگر دو گھنٹے کے اندر حسب معمول اپنے کام پر نہیں آؤ گے تو میں سمجھ لونگا۔ پھر میں نے اصرار کے ساتھ انکو وزارت میں آنے کی نصیحت کی۔ یہ اصحاب جن کا ذکر ہوا بڑے متدین پرہیزگار راستباز روشن رائے اور خوش اخلاق تھے اور اس تمام گھرانے کا یہی رویہ تھا اور اگر ان کو اختیار دیا جاتا تو افغانستان سے تمام عیوب و فواحش جن کا بازار گرم تھا یک قلم رفع کر دیتے ؛

امان اللہ خاں نے جنود شیاطین کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی تھی اور کوئی باز خواست نہیں ہوتی تھی کہ ان کی ہوا و ہوس کے سمند کس کو روند رہے ہیں۔ انقلاب فرانس کے قبل سردار کی گاڑی تلے کوئی آیا تو اسکے زخموں کی پرسش نہیں بلکہ گھوڑے گاڑی کے خراب ہونے کی فکر پڑتی تھی۔ کانفوشس کا اصطبل جل گیا تو اسنے پہلے یہ پوچھا کہ کوئی آدمی تو تلف نہیں ہوا۔ افغانستان میں قتل وغارت دن دہاڑے برپا تھی۔ امان اللہ خاں کا فذکے گھوڑے دوڑا رہے تھے اور جدید قانون کو انسداد جرائم کا متکفل سمجھتے تھے۔

نیا شہر بن رہا ہے۔ باغوں کی دیواریں اور پرانی چھاؤنیاں ڈھائی جا رہی ہیں۔ لباس کی وضع قطع میں مشغولیت ہے اور جسم افلاس کی، دل جہالت کی اور تن من دھن حکام اور ڈاکوؤں کی نذر ہو رہا ہے۔ عسکر و رعیت تنگ آ گئے ہیں تبدیلی چاہتے ہیں اور بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ آناً فاناً بہانوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ دو محمود نامی گورنر اور

جرنیل شراب پیتے ہیں اور بھری مجلسوں میں دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ اسکے علاوہ ایک خدا کو اور دوسرا خلق کو دھڑلے سے گالیاں دیتا ہے۔ مسجد جامع میں دکاندار جمع ہوکر رشوت اکٹھی کر کے حاکم کیلئے لے جاتے ہیں۔ ظاہری و معنوی حرامخوری کی گرم بازاری کے ساتھ یورپی ٹوپی کا جبری حکم صادر ہوتا ہے۔ قاضی مفتی اور ملا اسے اتار کر سلام کرتے ہیں۔ مزدور انگور کی ڈبیا کو سر پر رکھکر اسکے سامنے چھجہ باندھتے ہیں۔ سینما اور تھئیٹر میں وزیروں کے ساتھ انکی بیویاں بھی مجبوراً شامل ہوتی ہیں۔ یورپ کی فلمیں دکھائی جاتی ہیں جن میں ملکہ اور شاہی خواتین غیروں کے ساتھ ہاتھ ملاتی ہیں اور ناظرین ہاتھ ملتے ہیں۔ پورے دربار میں سفیروں کے سامنے یہی نظارہ پیش آتا ہے اور امان اللہ خاں پردہ دری کا اعلان کر دیتے ہیں۔ بیعتِ طریقت کی ممانعت کا بھی وہیں حکم ہوتا ہے۔ مسائل دینی پر تمسخر کیا جاتا ہے۔

وہ باتیں جو فقہ میں خاموشی کے ساتھ ناچار بیان کی جاتی ہیں کیونکہ شرع میں شرم نہیں شور مچا کر ان پر ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ ہم نے ایک بیرسٹر نے دوسرے افغان کو ڈھیلے کے استنجا سے روکا اور اپنے تئیں اسکی گولی کا نشانہ بنایا۔ ذرا غور کرنے سے تحقیق ہوتی ہے کہ ایک ایک قطرہ ملکر نجاست کتنی فراہم ہو جاتی ہے اور مٹی کے ٹکڑے سے اسے خشک کرنا دوسری لطافت ہے جس سے دھوتے ہوئے ہاتھ کو آلائش نہیں لگتی البتہ یہ فعل بیت الخلا میں ہونا چاہیئے مگر اس سے انکار اسلام کی نظافت و طہارت کے باریک

اصول کی فروگذاشت ہے۔ اس کو موثر بنانے کے لئے عوام کو کلمو الناس علیٰ قدر عقولھم کے مطابق یہ بتایا گیا کہ یہ خاک کے کلوخ انکے اعمالِ حسنہ کی ترازو میں تولے جائینگے۔ امان اللہ خاں نے اسی محفل عام میں جہاں شرق و غرب کے مہذب لوگ جمع تھے یوں للکارا کہ میں کوہ آسامائی کے ساتھ استنجا کرونگا مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کا بھی دل دکھایا کیونکہ یہ پہاڑ کابل میں ان کے نزدیک جیسا اس کے نام سے ظاہر ہے متبرک ہے میں نے ان دو مکتبوں کے پرنسپلوں کو جو جرمن اور فرانسیسی تھے یہ پاکیزگی کے نکات سمجھائے تاکہ وہ قائل ہو کر طلبہ کی صفائی پر متوجہ ہوں۔ وہ تو مان گئے مگر ان مکاتب کے منتظم نے جو ملکہ کا ماموں تھا خاک کے استعمال کو فعل وحشیانہ کہا حالانکہ کاغذ میں بھی مائکروب ہو سکتے ہیں اور استنجا نہ کرنا دراصل وحشیت ہے اسپر دینیات کے معلم نے بحث کی۔ اسکو امان اللہ خان نے بلا کر چھڑیوں سے پٹوایا اور بیہوشی کی حالت میں اٹھوا کر قید میں ڈالدیا۔ یہ باتیں انبار میں سے نمونہ ہیں جو بہانہ بنیں۔

انسان حسیات کا مجموعہ ہے۔ جو دینی ملی عرفی نسلی اقتصادی وغیرہ جذبات پر مشتمل ہیں اور ان پر آب و ہوا محیط و ماحول اور تعلیم و تربیت کا اثر بھی معتدبہ ہوتا ہے افغانوں میں ایک شنواری قبیلہ کابل کے کوہستان میں سکونت پذیر ہے اور ایسا ساکن ہے کہ ان میں قتل و دزدی کا نام و نشان نہیں بلکہ امیر عبدالرحمٰن خاں انکو فوج میں بھرتی

نہیں کرتے تھے اسی قوم کا دوسرا حصہ سرحد کے نزدیک بود و باش رکھتا ہے جسکی سرکشیوں پر امیر موصوف نے لشکرکشی کرکے انکی کھوپریوں کا منار بنوا دیا تھا انکے قوی جوان پتھر مار کر درخت میں دھنسا دیتے ہیں جس سے ایک طائفہ سنگوخیل کہلوایا۔ انکے احساس میں بھی متناسب شرارت تھی جو پشاور کے قرب سے جہاں انکی آمد و رفت زیادہ ہے تحریک سے اور حدت پکڑ گئی۔ انکے ایک وطنی شاعر نے انھیں بھڑکایا جسکی شعلہ ور نظم سے چند شعر درج ہوتے ہیں:۔

امان اللہ چہ ظلم ڈیر و نخلو + چہ ہر وطن گرچاپیر و نخلو
ششش کلے پہ ہر زرے بندکڑے + تخے دکفر خور گند کڑے

چہ پہ وطن کار داران دو + نظامنامے بانڈے روان دو
عمل نہ کڑہ د پہ فرقان + رب ورا خسل کہ پہ نیسراں

ځاں لہ جوڑ ښیځم کتاب کا + خپل سلطنت پہ خراب کا
در خینکو مدرسے جوڑے کڑے + دہر چا ڈکہ تلو سے جوڑے کڑے

بے ستری پیشہ کڑہ وبی بیانوتہ + څوک چہ پیش کڑے و فرانسیانوتہ
ڈک موٹروںہ پہ ارسال کڑہ + ڈیر فرانسیاں پہ خوشحال کڑہ

ورسالت نہ نبی منکر شو + تحکہ راڅول پر رعیت لشکر شو
و زندیق حکم پرسے ملا یا نو و کا + پہ ہر وطن کہ عالما نو و کا

ہر مومن پہ زڑہ زہیر گرزیدہ + ددہ دلاسہ گدپر ہیر گرزیدہ

سر بہ وانہ وطیر پر ہیہات + پہ دین کہ پر یوت فات

(امان اللہ نے بہت ظلم کیئے جو وطن میں ہر جگہ پھیل گئے۔ چھ کلمے رائج کر کے
کفر کی علامتیں آشکارا کیں۔ اسکے اہلکار نظامنامے پر عمل پیرا تھے۔ فرقان کی پیروی
نہیں کرتے تھے خدا انھیں آگ میں ڈالے! اپنی طرف سے پانچویں کتاب تیار
کی جس سے اپنی سلطنت خراب کی۔ لڑکیوں کے مدرسے قائم کر کے ہر کسی کو پریشان
کیا۔ بیویوں میں بے ستری کی رسم ڈالی جن کی موٹریں بھر کر روانہ کیں اور فرانسیسوں کو
اس سے بہت خوشحال کیا۔ نبی کی رسالت سے منکر ہوا اسلیئے رعیت نے اس پر
لشکر کشی کی۔ ملاؤں اور عالموں نے ہر وطن میں اس پر زندیق کا فتویٰ دیا۔ ہر مومن کا
دل فکر و اندیشے میں پڑا مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا اور دین میں فساد مچ گیا)

سنہ ۱۳۰۷ / ۱۹۲۷ء میں سنگو خیل نے آتشیں پتھر برسانے شروع کیئے۔ حکومت عالیہ
اور مکتب کی عمارتوں کو آگ لگا دی۔ قارئین بول اٹھینگے کہ کیسے جاہل لوگ تھے
درسگاہ تو انکے بچوں کے لیئے فائدہ مند تھی۔ ذرا غور سے ملاحظہ کیجئے تو حقیقت
کھل جائیگی۔ تعلیم ابتدائی افغانستان میں اجباری تھی۔ ہر سال مکتب میں چالیس
لڑکے پہلی جماعت میں نئے داخل کیئے جاتے تھے۔ ایک علاقے میں ایک مکتب
تھا اور وہاں لڑکے ایک ہزار قابل تعلیم ہوتے۔ ان سب کے نام کی فہرست تیار

کی جاتی اور سپاہی انکے گھروں میں پہنچ جاتے کہ مکتب میں حاضر ہوں جن کے اور اسکے درمیان بے راہ پہاڑ یا بے پل دریا ہوتا۔ فاصلہ زیادہ یا برف میں بھیڑیوں کا خوف ہوتا کیونکہ لڑکے چھ سات سال کے اور امان اللہ خاں مصر تھے کہ تعطیلات صرف گرمیوں میں ہوں۔ بورڈنگ ہاؤس کوئی نہیں اور مضافات میں وظیفہ بھی نہیں تھا حاکم اور اسکے ڈر سے مدیر اور معلم طالبعلم کی حیثیت کے مطابق رقم معین کر کے وصول کرتے پھر اسکو خارج کرتے۔

بامیان میں جو کابل سے دو سو میل دور ہے مکتب ہی موقوف کر دیا گیا کیونکہ سب باشندوں سے روپئے سالانہ حاصل کرنے جاتے تھے مدیر نے لکھ دیا کہ یہاں مکتب کے نزدیک لڑکے ہی نہیں ملتے۔ میں نے معائنہ کیا تو بدھ کے بتوں سے بڑھکر جو اس نواحی میں بیشمار ہیں بچوں کو گھومتے دیکھا۔ حاکم کو ڈرایا دھمکایا۔ ایک دن میں سو لڑکے جمع کئے۔ بیماروں کمزوروں اور گنجوں کو نکال دیا۔ دوسرے دن تبتی گاؤں سے سب گنجے بچے آئے میں نے گمان کیا کہ بدھ کے بت کی تاثیر ہے جو پونے دو سو فٹ اونچا ان کے سر پر کھڑا ہے۔ دریافت کیا تو دوسرے دیہات سے گنجے لڑکے پیش کئے گئے تھے تاکہ اس ذریعے سے سالم بچے نکال لئے جائیں کیونکہ لوگ تعلیم کی خوبیوں سے ناواقف رکھے جاتے تھے ورنہ شوق سے داخل کرواتے اور روپیہ کیسے وصول ہوتا۔ مکتب کے سابق طلبہ نے شکایت کی کہ ہمکو

خرید اگیا ہے دولتمندوں نے اپنے فرزندوں کو نکال کر ہم غریبوں کو بھجوا دیا کہ پندرہ روپے ماہوار دینگے جو نہیں دیتے۔ اتنا خزانہ کہاں کہ حکام کو بھی دیں اور غربا کو بھی۔

ہزارہ جات میں : وظیفہ روپیہ دیا جاتا۔ وہاں تو یہ حالت تھی کہ لڑکا پیدا ہوتے ہی حاکم مکتب کے نام سے پانچ روپے طلب کرتا۔ ایک ڈاکو نے بھی اس کی ریس کی اور علیحدہ رقم وصول کرنی شروع کی۔ یہ شاہ نور نامی رہزن تھا جسکی دست درازیوں سے تنگ آکر سرکار نے اسے ہزارہ جات میں بہت اختیارات دے دیتے تھے اور اسی کا اعادہ بچہ سقا کے حق میں بھی بعدازاں ہوا۔

حکام اپنے علاقے میں فہرست تیار کرتے جو ایک ہزار لڑکوں تک پہنچ جاتی۔ انکو خارج کر کے تقریباً ایک لاکھ روپیہ وصول کیا جاتا۔ کوہستان کے شنواری عاجزی سے ادا کر دیتے تھے مگر انکے سرحدی بھائی ہند کیسے متحمل ہوتے۔ ایک دو سال کچھ دیتے دلاتے رہے پھر خیال کیا کہ حاکموں کے علاوہ یہ مکتب کی بلا اور سر پڑی ان سب کا صفایا لازم ہے اسلئے سرکاری عمارات کے ساتھ مدرسوں کی بھی شامت آئی ضرور تھی اور یہ تعجب کا مقام میرے لئے نہیں تھا۔ میں اس دن کا منتظر تھا اور امان اللہ خاں کو بار بار لکھ چکا تھا بلکہ محمود طرزی کو جو ملک کے داخلی معاملات سے بالکل بیخبر تھے اور انکی بیوی کو جو مکتب مستورات کی برائے نام مدیرہ تھی سختی سے سمجھایا کہ اپنے داماد کو آگاہ کریں ورنہ تباہی بدیہی ہے۔ مگر ذرہ بھر انتباہ نہوا ع بگذار تا بمیرد در عین عشق و مستی۔

یہ مضمون وزرا و حکام آپس میں دہراتے اور گردش سے خوف کھاتے کہ مبادا خود بھی مصائب
کے چکر میں آ جائیں مگر بادشاہ کو ڈرانے کی جرأت نہ کرتے۔ و العصر میں یہی نکتہ
ہے کہ انسان خسارے میں ہے اگر زمانے کو ملحوظ رکھکر باہم حق و صبر سے نصیحت و
توصیہ نکریں۔

سنگو خیل نے سرکاری ملازموں کو بے عزت کر کے قید میں ڈال دیا پھر کہی کی چھاؤنی
پر ہجوم کر کے سپاہیوں کے ہتیار چھین لئے اور اسلحہ خانے سے خود مسلح ہو گئے گرد و نواح
کے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے اور دین کی حمایت اور بے دینی کی مخالفت کے نعرے مارتے
ایک طرف ڈکہ کی طرف بڑھے اور اسے محصور کر لیا اور دوسری جانب جلال آباد پر
جا پڑے۔ آنکھ جھپکنے میں تمام سرکاری عمارات اور شاہی محلات کو تاخت و تاراج کر کے
آگ لگا دی۔ اسی طرح نعمان اور سرخ رود وغیرہ میں لوٹ مچائی اور بادشاہی عمارتوں کو
برباد کیا۔ کابل سے جو سپاہ آتی اسکو بھی اپنی کثیر تعداد اور جوش کی وجہ سے مغلوب و منہوب
کرتے اور جس کسی پر حکومت کی طرفداری کا شبہ ہوتا اسے سخت اذیت پہنچاتے۔ مصالحت
کی کوشش کی گئی جس سے باغی اور دلیر ہو کر دست درازی کرنے لگے۔

محمود خاں فوج لیکر گیا اور اسیر ہو گیا۔ علی احمد خاں کو بھیجا تو اسوقت کوہدامن میں
چوروں نے زور پکڑا اور کابل پر چڑھائی کی۔ اس نے موقع پا کر اپنی بادشاہی کا اعلان
کر دیا۔ مگر ہر چند امان اللہ خاں کا دلی مخالف تھا رشتہ داری کے سبب لوگوں نے
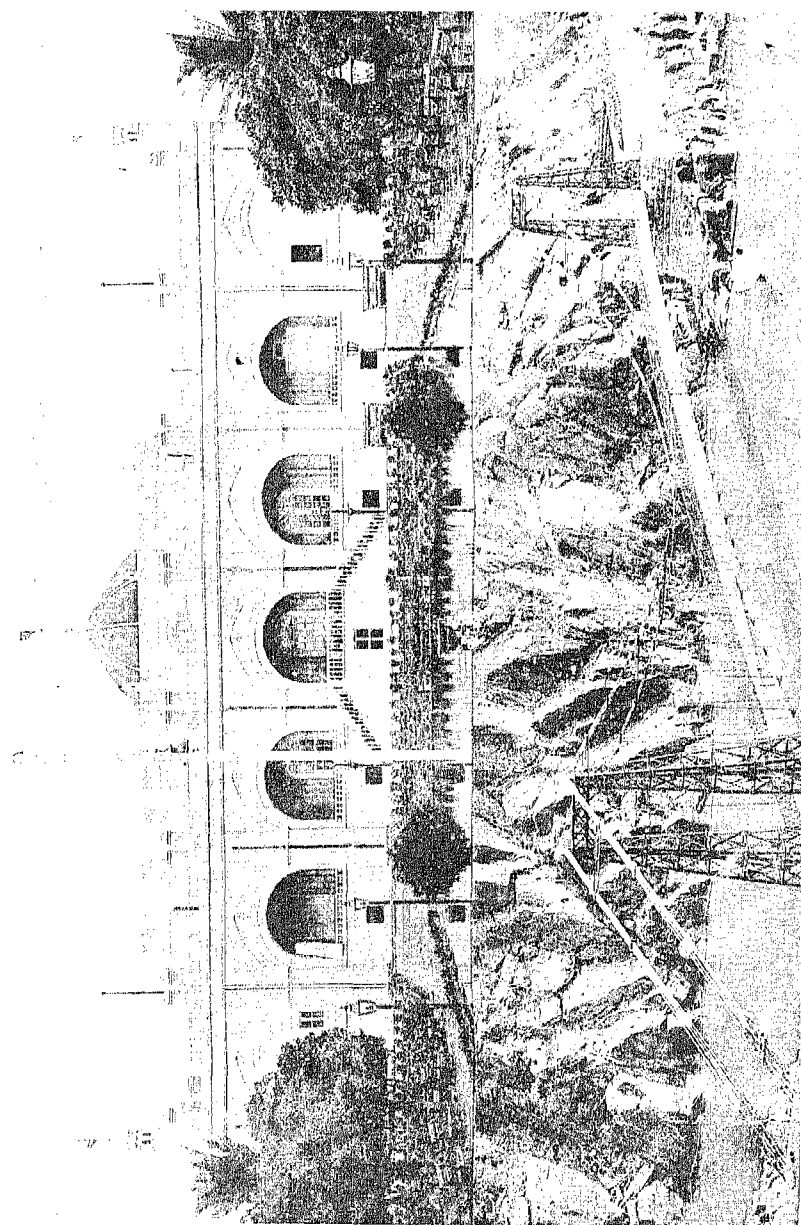
اطاعت نہ کی بلکہ اسکا مال و متاع لوٹ کھسوٹ کرے گئے اور وہ بمشکل جان بچا کر پشاور
پہنچا۔ سمت مشرقی کے صوبے میں بد ابتری پھیلی اور انتظام کا نام تک نہ رہا۔ انکے مقابلے
کیلئے سمت شمالی سے رعیت کو امداد کی تکلیف دی گئی مگر انھوں نے بھی اپنے بھائیوں کے
ساتھ لڑنے سے انکار کیا جو الحاد و لا مذہبی کے خلاف جنگ آزما تھے بلکہ انکے ساتھ شریک
ہو کر حکومت کو تہ و بالا کرنے پر آمادہ ہوئے۔

بچہ سقا اور سید حسین دو تین سو ہمراہیوں کے ساتھ ڈاکے مار رہے تھے جن سے تمام
سمت شمالی کا ناک میں دم تھا۔ جلال آباد میں بغاوت کا زور ہوا تو حکومت اسکی روک
تھام نہ کر سکتی تھی۔ چوروں کا دفعیہ کیسے کرتی اسلئے ان کے ساتھ عہد و پیمان کی طرح ڈالی۔
انکے سرغنوں کو منصب عطا ہوئے انکی جمعیت کو تنخواہیں دی گئیں اور سامان حرب پیش کیا
گیا تاکہ مسلح و آراستہ ہو کر باغیوں کی خبر لیں۔ نہ تو وہ حکومت پر اعتماد کر سکتے تھے اور نہ
ہی انکے ساتھ اور لوگ متفق ہو سکتے تھے۔ اس کشمکش میں کوہدامن و کوہستان کے خانوں اور
ملاؤں کو یہ سوجھی کہ اس سلطنت کو پہلے تباہ کرنا چاہیئے جو اسلام کے برعکس کارروائیاں
کر کے اب قاتلوں اور سفاکوں کے ساتھ اتحاد کرتی ہے اور انھی چوروں اور دھاڑویوں کو
آلۂ تباہی بنانا چاہیئے۔ چنانچہ بچہ سقا کو امیر بنا کر کابل پر دھاوا بول دیا۔ دس دن کے
محاصرے اور میگزین سے مالامال ہونے کے بعد یہ لشکر رجعت کر گیا مگر انکا تعاقب نہ کیا
گیا۔ کیونکہ جلال آباد کی جانب فوجیں بھیجی جاتی تھیں اور خود امان اللہ خان ایسی بے پروائی د

رسوائی میں مصروف تھے کہ انکی کرتوتوں کو دہراتے شرم آتی ہے۔ پہلی جلد میں ان کی قلعی کافی کھولی گئی ہے۔

چونتیس دن کے بعد یہ چور پھر لوٹے اور انکے مقابلے کیلئے جرنیل شاہ محمود خاں کو بھیجا جنکو جلال آباد کی حکومت سے واپس بلالیا گیا تھا کہ مبادا کوئی مخالفانہ حرکت کریں کی مرے قتل کے بعد اسنے جفا سے توبہ ✣ ہائے اس زود پشیمان کا پشیماں ہونا اگر وہ سمت مشرقی میں رہتے تو ممکن تھا کہ بغاوت کی کلی نوچ دیتے اب ندامت ہوئی تو انکو بچہ سقا کے مقابلے کیلئے روانہ کیا۔ اب بھی وہ پیش قدمی کرتے اسکے علاقے میں گھس گئے تھے کہ دوسری طرف سے غفلت ہوئی اور وہاں سے چور کابل میں آداخل ہوئے۔

امان اللہ خاں کے تو اسکی پہلی ہی آمد پر چھکے چھوٹ چکے تھے چنانچہ انھوں نے اپنی بیوی والدہ اور بہنوں کو مع زر و جواہر کے ایک بڑے ہوائی جہاز میں قندھار بھیج دیا تھا اور ایک مہینے تک اسی طرح قیمتی اسباب خفیہ طور پر نکالنے کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ اب وہ خود موٹر میں بیٹھ کے بھاگ نکلے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی جب غزنی پار ہو گئے تو تمام اعیان و ارکانِ مملکت کو جمع کر کے فرمان سنایا گیا جس میں انکے سرخ دستخط سے یہ اعلان تھا کہ مجھ سے نہ معلوم ملت کیوں بیزار ہو گئی ہے۔ بہر حال ایسی حالت میں مناسب ہے کہ میں بادشاہی سے دست بردار ہو جاؤں اور اپنے بڑے بھائی سردار

عنایت اللہ خاں کو افغانستان کے تخت پر چھوڑ جاؤں۔

بیعت شروع ہوگئی اور ارک مبارک میں خلقت کا تانتا بندھ گیا۔ چھ سات ہزار فوج بھی تھی مگر نئے بادشاہ کا عزم لڑائی کا نہیں تھا۔ صلح کے لئے حضرت شور بازار وغیرہم کو بھیجا۔ بڑی مشکل سے انکی رسائی میدان محاربہ میں چوروں کے امیر تک ہوئی۔ جس نے سگ زرد برادر شغال کا جواب دیا اور شام کو کابل پر قابض ہو گیا۔ عنایت اللہ نے تین دن بادشاہ یادگار رہکر کیونکہ اس اثنا میں بچہ سقا سے اپنی جان چھڑانے کیلئے سوال وجواب کرتا رہا۔ آخر اس سے اجازت حاصل کر لی کہ انگریزی طیارے میں بیٹھکر مع اہل وعیال کے وطن کو ہمیشہ کے لئے وداع کرے۔ کابل ڈاکوؤں کے نرغے میں آگیا۔ امان اللہ خاں نے قندھار سے پھر رخ کیا مگر غزنی سے شکست کھا کر لوٹے اور قوم کی بیزاری کا مزید ثبوت پاکر مع کنبے اور اموال کے ہندوستان کی راہ لی۔ علی احمد خاں نے قندھار میں بھی بادشاہی کا دعوی کرکے ناکامی حاصل کی اور چوروں کے ہاتھوں اذیت سے قتل ہوا۔ اب ظالم تقریباً تمام افغانستان پر چھا گئے۔ وبا سوا خلال الدیار +

باب چہارم

نہایت تنزل میں ترقی کی جدوجہد

قبائل کو متحد کر کے بچہ سقّا سے مقابلہ

فصل اوّل

فرانس سے سرحد تک اشاعتِ عزم

سردار محمد نادر خاں نے سخت بیماری کی حالت میں انقلاب کی خبریں اخباروں میں پڑھیں جس سے انکی بیقراری بیحد بڑھی۔ جب چوروں کے مکمل غلبے کی اطلاع پائی تو اگرچہ آپکی کمزوری اسدرجہ تھی کہ حرکت سے عاجز تھے مگر دفعتاً ایک خاص جوش سے اٹھکر فرمانے لگے کہ اب ملت کی مدد مجھ پر فرض ہو گئی ہے۔ جب امان اللہ خاں اور ان کے بھائی نے ملک کو بدمعاشوں کے حوالے کر دیا تو اسکا چھڑانا میرے ذمے عائد ہوتا ہے میں زندہ اس بدنامی کو برداشت نہیں کرسکتا کہ ڈاکو نااہل حکمرانی کریں اور آخر وطن کو پامال کر کے غیر کے سپرد کردیں۔ مجھ پر زندگی موت ہے اگر گھر سے باہر رہکر اپنی قوم کے مظالم سنوں اور انکی نجات کے لئے ہاتھ پاؤں نہ ہلاؤں۔ البتہ میں بیمار ہوں مگر ابھی لہو اور سانس مجھ میں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ دم واپسیں اور آخری قطرۂ خون اسی کوشش میں نثار کروں کہ افغانستان بلاؤں سے نکلکر آزاد و آباد ہو جائے

اس قصد کے بعد سفر کی تیاری شروع کی۔ ڈاکٹروں نے اور نیز تیمارداروں

نے روکا۔ راستے میں ہی ضعف کے ہلاکت میں نتیج ہونے سے ڈرایا۔ طبی مشورہ یہ کہ مرض زیادہ ہے اور نقل و حرکت میں جان کا خطرہ یقینی ہے۔ عام صلاح یہ کہ تم مسافرت میں بیکس خوار و بے اختیار رہو۔ کس جمعیت خزانے اور اقتدار سے ظالموں کا مقابلہ کروگے۔ مگر آپ نے کسی کی نہ سنی اور سردار محمد ہاشم خاں اور سردار شاہ ولیخاں کو جو ہمراہ چلنے کو تھے تسلی دی کہ اگر منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی مرگ نصیب ہو گئی تو حسرت دل میں نہیں رہیگی بلکہ افتخار حاصل ہو گا کہ وطن عزیز کی راہ میں جان دی۔

سنہ ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء میں نیس سے روانہ ہوئے تو دوسروں نے اٹھا کر آپکو سوار کیا اسی طرح جہاز میں بھی سٹریچر کے ذریعے لائے گئے۔ اب اندیشہ لاحق ہوا کیونکہ پہلے چند روز طبیعت ایسی بگڑی کہ حواس بجا نہ رہے اور بیہوشی کی باتیں کرنے لگے۔ مونس بھائی پاس بیٹھے کیا سنتے ہیں کہ سپہ سالار سمندر میں میدان جنگ کے احکام دیتے ہیں انکو لڑائی کی تجویزیں بتاتے ہیں۔ ملت کو مصیبت سے نکالنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان سے حالات محاربہ پوچھتے ہیں اور کسی وقت غصے میں آکر ڈانٹتے ہیں کہ یہ غفلت کی وہ تدبیر کیوں عمل میں نہ لائی گئی۔ اس تشویش و پریشانی کے بعد آپ کچھ سنبھلے سینے اور دم کی شکایت کو افاقہ ہوا اور بمبئی پہنچکر آپکی صحت میں کچھ ترقی ظاہر ہوئی۔

آپ کی شہامت و شہرت کے شایان اہل بمبئی نے استقبال کیا اور افغانی کونسلیت میں ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں آپ نے فرمایا کہ میں افغانستان

امن و صلح و اتفاقِ ملی کیلئے کوشش کرنے جا رہا ہوں پھر چند روز استراحت کی خاطر تاج محل ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے وہاں اخباروں کے نمائندوں نے آپکے طرز عمل کی بابت استفسار کیا جنکے جواب میں فرمایا کہ میرا اور میرے خاندان کے سب افراد کا صرف یہ مقصد ہے کہ اس نازک وقت میں اپنی ملت اور وطن کیلئے خدمت کریں۔ ہم اپنے قوتِ بازو اور دلی و دماغی مساعی کو امن قائم کرنے اور تمام اقوام افغانستان میں مصالحت کی روح پھونکنے میں صرف کرینگے تاکہ ایسی مقتدر حکومت اسلامی کیلئے راہ صاف ہو جائے جو عمومی میلان و رضا کے مطابق ہو اور استقلال و شرف کے ساتھ دوام کر سکے کیونکہ اگر یہی موجودہ اوضاع جاری رہیں نہ صرف افغانستان کی آزادی اور خود مختاری برباد ہو جائیگی بلکہ دنیا کے امن میں بہت خطرات واقع ہو جائینگے لہذا باوجود علالت کے میں نے لمبے سفر کی تکلیفیں گوارا کی ہیں تاکہ اپنے وطن کیلئے ایک خدمت بجا لاسکوں۔ اس پر اخبارات کے نمائندوں نے آپ سے تحریری بیان کی درخواست کی جو آپ نے خلق کریمانہ سے جو انکا ہمیشہ خاصہ رہا ہے قبول فرمائی۔

یقین کیجئے کہ میں خلوص نیت کے ساتھ امن و صلح و خیر کا پیغام لیکر افغانستان کی موجودہ بدحالی کو درست کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ اس مقدس خدمت کے ایفا میں میرا ذاتی مدعا کچھ نہیں۔ میرے خیر مقدم کے بیانات میں میرے احباب نے یہ توقع کی ہے کہ میں قندھار جاؤں لیکن انکو چاہیئے کہ مجھ پر اعتماد کر کے مجھے میرے ارادے

اور فکر پر چھوڑیں تاکہ جو طریقہ امنیت و مصالحت کے قیام کے لیئے لازم دیکھوں اس پر عمل کروں۔ میری اول مشغولیت اس آتش سوزاں کو گل کرنا ہے جو افغانستان میں شعلہ زن ہے اور اسکے استقلال و آزادی کو جلا کر رہیگی۔ اگر فوراً بجھائی نہ جائے بلکہ امن عالم کو بھی اس سے خطرہ ہے جس وجہ سے ہر قوم کا فرض ہے کہ اسکے فرو کرنے میں کوشش کرے۔ میں اپنے وطن کے فدائی کی حیثیت میں با وجود بیماری کے اپنے بھائیوں کے ساتھ فرانس سے آیا ہوں۔ ہم کوئی ذاتی غرض نہیں رکھتے نہ تاج و تخت کے مدعی ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ حکومت افغانستان ماضی و حال کے خلاف ملت کے ارادے پر قائم ہو وہ جس صحیح شخص کو بادشاہی کے لیئے منتخب کرے ہم بھی اسکی متابعت میں اپنے وطن کی خیر خواہی کرتے ہوئے اس کی اطاعت کیلئے حاضر ہونگے اور اسکی رکاب میں خدمت کرینگے۔

مجھے اس فتنہ و فساد اور بغض و عناد سے جو افغانستان میں برپا ہے بہت افسوس اور صدمہ ہے۔ خدا تعالیٰ اسکے استقلال و حریت کو ہمیشہ برقرار اور اسکے تعلقات کو تمام دولِ عظمے کے ساتھ خوشگوار رکھے اور ہمیں توفیق و قوت عطا فرمائے کہ ایک مصلح خیر اندیش اور منصف بے غرض کی مانند مشورہ دے کر اختلافات اور خانہ جنگی کو رفع کر سکیں اور ایسی خدمات بجا لائیں جو افغانستان کی عزت و عظمت کا موجب ہوں ہیں اور میرا خاندان اعلیحضرت امان اللہ خاں کے موجودہ حال یقت

اشتعال کو تاسف و ہمدردی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ افسوسناک حوادث ان کے ناعاقبت اندیشانہ اقدامات سے واقع ہوئے ہیں جو تجدد پسندی کے جوش میں حسیات عمومی کے خلاف عمل میں آئے ہیں۔ تاہم ان کی ذاتی بہبودی اور ملت کی منفعت کے لیئے اپنی خالصانہ مساعی سے ہم دریغ نہیں کرینگے اول ہماری صادقانہ دعا یہ ہے کہ ملک میں اتفاق و اتحاد قائم ہوا اور اس گرداب سے نجات ملے۔

اسی مضمون کے اشتہارات چھپوا کر اپنے دستخط سے افغانستان کی اقوام طوائف کے اعیان و اشراف کے نام ارسال کیئے اور ان کو نصیحت کی کہ ایک جرگہ منعقد کر کے بحث و مذاکرہ سے فیصلہ کریں اور باہم جنگ و جدال سے باز رہیں بمبئی سے رخصت ہو کر مشہور سٹیشنوں پر لوگوں سے ملاقات کے دوران میں یہی تذکار کرتے جاتے کہ میں ایک عام جرگے میں مصالحت و اتحاد اور ایسی سلطنت کے قیام کا فیصلہ کروں گا جو ملت کی مرضی و آرزو کے مطابق ہو اور ایسا شخص بادشاہ ہو جو نیک کردار دیانت شعار اور سب اوصاف میں ممتاز ہو۔ میں اعلیحضرت امان اللہ خاں یا علی احمد خاں یا کسی اور کے برعکس اقدام نہیں کروں گا بلکہ صرف اس آدمی کا طرفدار رہوں گا جس کے دل میں وطن و ملت کی خیر خواہی ہو اور ساتھ ہی اس کو عمومی حمایت حاصل ہو۔ اکثر لوگ درخواست

کرتے تھے کہ آپ امان اللہ خاں کے لئے استرداد تاج و تخت کی کوشش کریں تو آپ فرماتے تھے کہ میں ان کے ساتھ اس مصیبت میں جو ان کے اپنے ہاتھوں ان کی عجلت کے سبب واقع ہوئی ہے ہمدردی رکھتا ہوں مگر ان کی بادشاہی کے متعلق اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ امیر کا انتخاب ملت کے اصولی فرائض میں سے ہے جس شخص کو وہ محبت و اعتماد کی نگاہ سے دیکھیں اور وہ واقعی خیر اندیش اور لائق ہو تو وہ امارت کا مستحق ہو گا۔

پشاور میں بھی شہر اطراف اور سرحدات کے لوگوں کو جو بڑی تعداد میں ان کے پاس آتے تھے مذکورہ بالا بیانات سے متسلی کرتے رہے۔ اس اثنا میں علی احمد خاں تاخت و تاراج ہونے کے بعد وہاں پہنچے اور ان سے افغانستان کی اصلی حالت سے آگاہی ہوئی۔ نیز اور اصحاب سے جو چوروں کے جور و ستم سے بھاگ کر نکل آئے تھے تازہ واقعات معلوم ہوئے۔ ان کی بنا پر آپ نے مناسب سمجھا کہ اپنے بھائی سردار محمد ہاشم خاں کو جلال آباد کی طرف بھیجیں تاکہ وہاں اپنے دیرینہ اعتبار اور حسن سلوک کی وجہ سے لوگوں کو خانہ جنگی سے روک کر اتفاق پر مائل کریں۔ اگرچہ ابھی سپہ سالار غازی کو سینے اور سانس کی مرض کا دورہ عائد ہوتا تھا اور ایسی حالت میں ان کو چھوڑنا شاق گذرتا تھا مگر ملت کے درد کی دوا کے لئے ان کے حکم کی تعمیل لازم ہوئی۔ آپ اپنے بھائی سردار شاہ ولی خاں کو لے کر کوہاٹ کے راستے ٹھل کو گئے

عرض راہ میں خلقت کا ہجوم یہ داد دیتا تھا کہ جو شخص وطن کی خدمت میں اپنی صحت کی پرواہ نکرے ملت کی نجات کے لئے اپنی جان فدا کرنے کو تیار ہو اور جو پہلے ان اطراف میں اپنی شجاعت کا سکہ جما چکا ہو وہ عزت و حرمت کے قابل ہے۔

فصل دوم

قبائل کے اتحاد میں مشکلات اور پیچیدگیاں

چونکہ چوروں کے ساتھ بعض سمجھدار اشخاص بھی شریک ہو گئے تھے انھوں نے شروع ہی میں صلاح دی کہ پہلے سپہ سالار محمد نادر خاں کو بلا کر اپنے ساتھ شامل کرنا چاہیے۔ چنانچہ فوراً انگریزی طیارے میں آپ کے چچازاد بھائی سردار احمد شاہ خاں کو پشاور روانہ کیا جو بمبئی سے جہاز پر سوار ہو کر فرانس کی طرف چلے اور کہیں راستے میں بیخبرانہ گذر گئے۔ جب غازی وہاں سے واپس آ رہے تھے۔ سردار شاہ محمود خاں کو سمت جنوبی اعزام کیا تاکہ وہاں سے لوگوں کو نہ صرف امان اللہ خاں کے برخلاف اٹھائیں بلکہ ان کو لے کر قندھار لڑائی کے لئے جائیں۔ لوگر سے گذر کر اور وہاں کے باشندوں کو حقیقت سے آگاہ کر کے جب سمت جنوبی پہنچے تو افواہ سے معلوم ہوا کہ بڑے بھائی ہندوستان تشریف لے آئے ہیں۔ ان کی بیماری پرسی اور ان کو حالات سے خبردار کرنے کے لئے پارہ چنار کی طرف روانہ ہوئے جہاں اس وقت سپہ سالار رونق افروز ہو گئے تھے۔ ذاتی رنج وغم کی داستانوں کو بالائے طاق رکھا کیونکہ یقین

تھا کہ کابل میں ان کے عزیز و اہل و عیال سب بلا کے شکنجے میں جکڑے جائینگے
سردار شاہ محمود خاں اب اس مہم پر متقرر ہوئے کہ واپس جاجی اور چمکنی جا کر لوگوں کو جمع
اور ان میں اتحاد قائم کریں۔

سپہ سالار نے خوست کی طرف رخ کیا۔ سرحد پر بیشمار لوگ منتظر تھے اور
بڑے اشتیاق سے ملتے تھے۔ افغانی توپوں سے آپ کی سلامی لی گئی۔ مشائخ و
خوانین کے مجمع میں آپ نے ایک موثر تقریر کی اور جرگے کے انعقاد کی بابت اعلان
کیا۔ اس اثنا میں آپ نے مکاتیب تمام نواحی کے ارکان و اعاظم کے نام لکھکر جرگے
میں اتفاق کی صورت پیدا کرنے کی بابت ارسال کئے۔ عید کی نماز کے بعد جو میدانِ
گالفنا میں ادا ہوئی آپ نے پھر تقریر کی جس میں چوروں کے تسلط کے سبب بیان
کرکے اس دن کو غم کا روز بتایا اور سامعین کو جو کثیر تعداد میں جمع تھے اتفاق و اتحاد
کی وعظ فرمائی۔ خوست کی چھاؤنی آپ کے ورود سے پہلے محاصرے میں تھی اور
چاروں طرف میدان محاربہ تھا۔ آپ کے جلوہ فرما ہوتے ہی امن قائم ہوگیا اور یہ نیک
فال تھی جیسا کہ رعیت اور سرکاری ملازمین کے درمیان مخالفت دور ہوگئی۔ اسی طرح
سپہ سالار غازی کی بروقت کوشش و تدبیر سے مہاجر وزیریوں اور مقامی باشندوں
کے مابین جو زمین کا جھگڑا چلا رہا تھا دفع ہوگیا ورنہ خوف تھا کہ ایک جدا جنگ چھڑ جاتی
اور اس کا حلقہ وزیرستان تک وسیع ہو جاتا۔

یہ ان واقعات کا آغاز ہے جن کا سلسلہ بڑی پیچیدہ الجھنوں کے ساتھ سرحدی معاملات میں جاری ہوتا ہے۔ دونوطرف اکھڑ لوگ اپنی قومی اکڑ میں زنجیر کو توڑے ڈالتے ہیں جس کی کڑیاں قبائل کی خصوصیات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ سپہ سالار غازی ان لوگوں کے نزدیک بڑے محترم ہیں اور ان کی عزت دلی اخلاص پر مبنی ہے جو ہمیشہ آپ کا شیوہ رہا ہے اور اس کا اثر فریق ثانی پر پڑے بغیر نہیں رہتا ورنہ اس وقت وہ بادشاہی ہیبت اور اقتدار کے سائے سے دور ہیں جس کے نیچے وہ پہلے یہاں کے باشندوں پر اختیار رکھتے تھے۔ اب یہ سب کامل آزاد ہیں۔ بچہ سقا کو ان کی خوشامد منظور ہے وہ کوشش کر رہا ہے کہ ان کو طمع دے کر اپنے ساتھ ملائے امان اللہ خاں قندھار میں ہے اور اسکے ہوا خواہ خام طمعی سے امید لگائے ہوئے ہیں کہ وہ پھر کابل پر متصرف ہو جائیگا۔ اسلئے سمت جنوبی کے بہادروں کو زیادہ بیگانے بننے کے مواقع نہیں دینے چاہئے۔ سپہ سالار غازی کے سامنے صرف یہ منظر ہے کہ ملت متحد ہو جائے اور یہ لوگ باہمی نزاع و تفرقے کو دور کر کے متفق ہوں اور چوروں کا تسلط رفع کر کے عظیم الشان ملی اتحاد کے رہنما بنیں۔ یہ عالی افکار انکے دماغوں میں سمانا بڑا ہی مشکل مسئلہ ہے۔ راستے میں خوں چکاں روڑے ہیں استخواں دوز کانٹے ہیں۔ ان کی ماہیت سمجھنا دقت کا کام ہے مگر ایک گونہ دلچسپی سے بھی خالی نہیں۔

شیر کا مقابلہ کرنا جب شکاری ہاتھی پر ہو بندوق اور نیزہ بھی پاس ہو آسان ہے

بنسبت سانپ کو مارنے کے جب وہ پھن نکالے آ پڑے اور آدمی کے پاس پتھر یا لکڑی بھی نہو اور علاوہ بریں جسم بھی ناتواں ہو کہ چھلانگ مار سکے "تادل نلرزد پا نلغزد" اورنگ زیب کا ایسی صورت میں ہی ارشاد ہے۔ سپہ سالار غازی نے انگریزوں کے محاربے میں کامیابی حاصل کی اور یہ ان کی زندگی کی زریں فصل ہے مگر اب جو منازل درپیش ہیں کہیں زیادہ مخوف اور مہلک خطرات سے پٹی پڑی ہیں انکو طے کرنا اور موفقیت سے انجام کو پہنچنا جواہر اندوز باب ہے جس کا مطالعہ البتہ مرغوب ہونا چاہیئے اگرچہ گوہر مقصود تکلیف کے بعد ہی ہاتھ لگتا ہے۔

شمسی سال کی پہلی تاریخ کو غوث الدین خاں ولد جانداد خاں احمد زائی چھ سو آدمیوں کے ساتھ مع چند خوانین کے باریاب ہوا جانداد سمت جنوبی کی اول بغاوت میں سرغنہ تھا اور اسکی سزا میں توپ سے اڑایا گیا تھا۔ اسکے پانچ بیٹوں کو پھانسی ملی تھی اور یہ غوث الدین ہندوستان بھاگ جانے سے سمت جنوبی کی دوسری بغاوت میں امان اللہ خاں کے کام آیا جس پر اسنے بڑا انعام پایا۔ جب بچہ سقا پہلی دفعہ کابل پر حملہ آور ہوا تو اسکے لشکر کا ہراول وہ افغانان کے نو آباد حصے میں داخل ہو گیا۔ غوث الدین نے اپنے گھر کی چھت پر چڑھکر شور مچایا کہ "چور چور" یعنی لوٹ لو مگر کابلی ایسی حرکت کے لئے آمادہ نہیں تھے کہ شہر کو تاراج کریں۔ سقاوی دستہ واپس چلا گیا اور غوث الدین پھر امان اللہ خاں کے ایک ظاہری طرفدار کی حیثیت میں خدمت کرتا رہا۔ بعد میں اپنے

علاقے کو چلا گیا جہاں سے باطناً چوروں کو کمک پہنچاتا رہا۔ اب اس کا سپہ سالار غازی کے پاس مع خوانیں اور جمعیت کے آنا حوصلہ افزائی کا موجب ہوا۔ اور اس سے دوسرے قبائل پر اچھا اثر پڑا۔ اگرچہ بعد میں معاملہ کچھ اور نکلا۔

دوسرے دن جرگہ بیٹھا جس میں سپہ سالار غازی نے حسب معمول تقریر کی جو حاضرین پر کارگر ہوئی۔ انھوں نے جواب میں یہ عرض کیا کہ ہماری عقیدت آپکے ساتھ ہے ہم آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہیں اور آپ کے سوا کسی کو بادشاہ نہیں مان سکتے البتہ شرط یہ ہے کہ آپ امان اللہ خاں کے ساتھ کوئی رابطہ وہمراو دہ نہ رکھیں کیونکہ ہم اسکو یا اسکے کسی رشتہ دار کو بادشاہی کیلئے قبول نہیں کر سکتے بلکہ جو کوئی اسکے ساتھ تعلق رکھے ہم اس کا یہ جرم بھی معاف نہیں کر سکتے۔ سپہ سالار غازی نے واضح کیا کہ میں صرف افغانستان میں فساد رفع کرنا اور اتحاد قائم کرنا چاہتا ہوں اور اس میں میری ذاتی غرض کوئی نہیں واقعاً میں نہ اپنے لئے نہ کسی اور کے لئے بلکہ صرف اس لئے کام کرتا ہوں کہ ایک صحیح سلطنت عمومی اتفاق سے تشکیل کی جائے اور میں تم سبکو نصیحت کرتا ہوں کہ جب تک ساری ملت ایک شخص کو منتخب نہ کرے کسی کی اطاعت اختیار نہ کرو۔ تمام روز کے مباحثات کے بعد جس میں طرفین کا اصرار برقرار تھا یہ فیصلہ ہوا کہ اب گردیز کی طرف رُخ کریں جہاں پہنچکر ایک بڑے جرگے میں اس امر پر مذاکرہ ہو۔

خوست میں دو ہفتے گذر گئے اور اس اثنا میں لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ جن کو

سپہ سالار اور ان کے دونوں بھائی سردار شاہ ولیخاں اور سردار شاہ محمود خاں سمجھاتے بجھاتے رہے کہ باہم متفق ہو کر چوروں کا تختہ پلٹیں اور پھر ایک پائدار بادشاہی کی بنیاد رکھیں۔ دعوت ناموں کے جواب میں مختلف قبائل کے خان اور جوان آتے قومی ناچ کے ساتھ نعرے لگاتے اور آئندہ کامیابی کی امید دلاتے تھے۔ ان لوگوں میں اسلحہ تقسیم کرنا بڑا مشکل مسئلہ تھا۔ میگزین میں ہر قسم کی بندوقیں موجود تھیں۔ قبائل کی تعداد غیر معین تھی۔ کن کن کو کس کس قسم کی بندوقیں دی جائیں۔ ہر قبیلہ بلکہ ہر شخص زیادہ اور اعلیٰ ہتھیاروں کا دعویٰ کرتا تھا۔ سپہ سالار غازی نے بڑی فراست اور تدبیر سے اس مسئلے کو حل کیا دوسرا نازک معاملہ یہ تھا کہ کونسے قبائل آپ کے ہمرکاب ہوں۔ ہر قبیلہ اور ہر فرد اس میں بھی تقرب کا خواہاں تھا۔ آخر یہ قرار پایا کہ تین راستوں سے سفر کیا جائے۔ سپہ سالار جدرانیوں کے ساتھ ان کے علاقے میں سے جرنیل شاہ ولیخاں منگلوں کے ساتھ ان ان کے علاقے میں سے اور اسی طرح جرنیل شاہ محمود خاں جاجی کی راہ سے لوگر کا رخ کریں۔

اسلحہ تقسیم ہو رہا تھا اور اسکے اختتام پر کوچ ہوتا کہ چھ ہزار منگلوں کی آمد آمد کی خبر پہنچی۔ سپہ سالار صاحب چھاؤنی سے باہر نکلکر انکے ساتھ ملاقی ہوئے۔ بہادروں نے جوش میں آ کر بندوقیں چلانی شروع کیں۔ زمین سے یہ آوازیں اور آسمان سے بادل گرجنے کی صدائیں جوش و خروش کو دوبالا کر کے گواہی دیتی تھیں کہ عالم علیا و سفلی دونوں اس حرکت

برکت میں موافق ہیں۔ باران رحمت کے نیچے کھڑے سپہ سالار نے اپنے نیک و بلند ارادے بیان کئے جن کے جواب میں ایک منگل خطیب نے لمبے بیانات کا سلسلہ چھیڑا کہ امان اللہ خاں کے حکام رشوت خور اور عیاش تھے۔ حکومت رعایا کے حال سے غافل تھی۔ پھر ملی اور دینی اصول کے خلاف کارروائیاں جاری ہوئیں۔ ہم امان اللہ خاں کو اپنا دشمن اور کافر سمجھتے ہیں اسلئے سپہ سالار صاحب سے یہ اقرار لینا چاہتے ہیں کہ اسکے طرفدار نہوں اور اس کیلئے کوئی کوشش نکریں۔ جواب میں آپ نے پھر تکرار کیا کہ میں رفع فساد اور قیام اتحاد چاہتا ہوں اور سلطنت کا عقدہ بڑے جرگے میں گردیزچلکر حل ہوگا۔

اسکے بعد صبری قبیلے سے ملاقات کی جو نئے وارد ہوئے تھے اور اسمیں بھی ویسے ہی قومی شور و غوغا کا اظہار ہوا۔ سپہ سالار چھاؤنی میں واپس آئے۔ دفعتہً باہر سے بندوقوں کی آواز آئی۔ ہر قوم اپنے آدمیوں کو بلانے لگی۔ چھاؤنی کے دروازے بند ہو گئے اور احمد زائیوں نے اوپر کے مورچوں پر قبضہ کرلیا۔ باہر بندوقوں کی آواز زیادہ ہوتی جاتی تھی اور تشویش یہ تھی کہ آیا کسی مخالف قوم نے حملہ کیا ہے یا باہم مخالفت پیدا ہو گئی ہے۔ آخر موخرالذکر سبب ثابت ہوا کہ منگل اور صبری قبیلوں میں دیرینہ کینہ برو زکر کے جنگ کا باعث ہوا ہے۔ صلح کا وفد بھیجا گیا اور مسئلہ فیصلہ ہو گیا۔

اسلحہ کی تقسیم قبائل کا تعین کہ کہاں مامور ہوں اور مذکورہ نزاعوں کا پیش آنا ایک اندیشے کا موجب تھا کہ کہیں کوئی خفیہ ہاتھ ان فتنوں کی تحریک نہ کرتا ہو۔ گردیز کی طرف

حرکت فوری لازم تھی اور یہ اسباب تاخیر بچہ سقا کو مزید تیاری کی فرصت دیتے تھے۔ جب سفر کی آمادگی کا دن آیا تو پھر شور و شر اٹھا اور جدران کے دو قبیلوں میں جھگڑا شدت پکڑ گیا۔ دریخیل کہتے تھے کہ ہم کو ببرک خان کی قوم سے کمتر بندوقیں ملی ہیں۔ یہ ایک قدیم متمول وفادار سرکار خان تھا۔ ننگے پاؤں پھرتا ڈاڑھی پر رومال باندھتا اور اپنے لڑکوں کو بھی اسی وضع میں رکھتا۔ ان کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے ان کے سر کے اوپر نشانہ باندھکر گولی مارتا۔ امان اللہ خاں نے ان کی عتیق شکل و پوشاک کو بدل دیا اور ایک لڑکے کو فوجی منصب دیا۔ ببرک خاں کی قوم البتہ معزز سمجھی جاتی تھی اس لئے دریخیل نے حسد سے گمان کیا کہ ان کو بندوقیں زیادہ ملی ہیں مگر جب وہ لڑنے پر اتر آئے تو ایسا معلوم ہوا کہ فساد کے لئے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ سپہ سالار صاحب نے اس مجادلے کو بڑھنے نہ دیا بلکہ اپنی فراست و فہم سے فوراً سلجھا دیا مگر یہ حل عارضی تھا کیونکہ درحقیقت بعض قبائل فتنے پر کمر باندھتے تھے اور موقعے کی تاک میں لگے رہتے تھے تاکہ تفرقہ پیدا ہو۔ اسی دن شام کے قریب پھر چھاؤنی کے باہر ہنگامہ برپا ہوا اور ہر طرف دوڑ دھوپ شروع ہو گئی جس سے ثابت ہو گیا کہ یہ کارستانیاں اتفاقی نہیں ہیں بلکہ قصداً جاری رکھی جاتی ہیں اور اس دفعہ مفسدوں کا یہ ارادہ تھا کہ خوست کے شہر میں دست اندازی کر کے لوٹ مار مچا دی جائے۔ چونکہ اکثر قبائل سپہ سالار صاحب

کے ساتھ صدق سے وابستہ تھے اور یہ فساد صرف ایک دو قبیلوں کی طرف سے شروع ہوتا تھا۔ اسی لئے فوری اور عام سرایت نہیں پاتا تھا اور سپہ سالار اور ان کے بھائی اس کے دفعیہ میں کوشش کر کے کامیاب ہوتے تھے۔ ایسی شورشوں کے انسداد کا بڑی سختی سے اہتمام کیا گیا تھا۔ چنانچہ رات کو پھر شبہ ہوا اور شہر کے محافظوں نے گولیاں چلائیں اور جلدی خاموشی ہو گئی۔

فصل سوم

لشکرکشی اور آگے بڑھنے میں مزاحمتیں

دوسرے دن غوث الدین کو احمد زائیوں کے ساتھ گردیز کی طرف روانہ کیا اور خود سپہ سالار غازی تیسرے دن رہسپار ہوئے۔ راستے میں دریخیل کے ایک آدمی نے ایک سپاہی سے بندوق چھیننے کے لئے ہاتھ مارا۔ اس پر گولیاں چل گئیں مگر بغیر کشت و خون کے معاملہ رفع ہو گیا۔ البتہ یقین کہ دریخیل میں فساد کا مادہ موجود ہے کوچ میں تعطیل کا موجب ہوا۔ تین دن ببرک خاں کے قلعے میں قیام کرنا پڑا اور آگے دری خیل کا علاقہ تھا جس سے گذرنا اس پر موقوف کیا گیا کہ وہ لوگ یرغمال دیں تاکہ راہ میں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ نیز سپاہی کی بندوق مع تاوان کے واپس کریں۔ دریخیل جھکتے نہیں بلکہ راہ دینے سے ہی انکار کرتے ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ سپہ سالار امان اللہ خاں کی طرفداری میں کام کر رہے ہیں۔

ان کے درمیان ایک بیو نے (مست) فقیر ہے جو اس قبیلے کو میٹھی میں

لئے ہوئے ہے۔ رات کو وجد میں آکر نعرے لگاتا اور عالم غیب کی خبریں بتاتا ہے
علما اس کو بری نظر سے دیکھتے ہیں اور سوائے دری خیل کے اور کوئی قبیلہ اسے
نہیں پہچانتا۔ غالباً اس کا تعلق جرنیل محمد صدیق کے ساتھ ہے جو اسے فراوانی
کے ساتھ روپیہ پہنچاتا ہے تاکہ سپہ سالار کی پیش قدمی کو روکے اور قبائل
میں اتحاد قائم ہونے نہ دے۔ محمد صدیق کا بھائی شیر جان بچہ سقا کا وزیر دربار
ہے اور یہ پہلے امان اللہ خاں کا ایک حاکم تھا۔ حافظ قرآن، فقہ فہم قانون
دان اور رشوت خور۔ تیسرا بھائی عطاء الحق وزیر خارجہ ہے جو پہلے ایک کرنیل تھا
بڑا خدا ترس صالح عابد اور بامروت۔ یہ اب چوروں کے نوکر تھے اور اس کی
خدمت میں سرگرم اور اپنے مناصب سے سرشار دوسری سلطنت کو بھلا
کب پسند کرتے۔ اس لئے سپہ سالار کی مساعی کے راستے میں روڑے اٹکاتے
اور دری خیلوں کو اس ملنگ کے ذریعے سے قابو کئے ہوئے تھے۔

جب انھوں نے ہٹ دھرمی دکھائی تو باقی قبائل بھڑکے اور لڑائی پر آمادہ
ہوئے بلکہ کچھ زد و خورد بھی ہوئی مگر سپہ سالار نے اس اندیشے سے کہ مبادا
خانہ جنگی واقع ہو اور اس میں مدت گذر جائے اس راہ ہی کو چھوڑ کر دوسرے راستے
سفر کرنا مناسب سمجھا۔ اس اثنا میں سردار شاہ ولی خاں کی طرف سے چند سوار
پہنچے اور ان کے پاس خط تھے جو منگلوں نے جدران اور دری خیل کے خانوں

کے نام نصیحت اور تہدید کے لہجوں میں لکھے تھے مگر اس خیال سے کہ دونوں قوموں کے درمیان عناد سر نہ نکالے اور تاخیر مزید نہو ان خطوں سے کام لئے بغیر سپہ سالار صاحب نے کوچ کو جاری رکھا۔

تین دن کے دشوار مرحلوں کے بعد جدران کے علاقے سے گذر کر خروٹیوں کی سرزمین میں پہنچے یہاں اطلاع ملی کہ یہ قوم سپہ سالار کو امان اللہ خاں کا طرفدار سمجھتی ہے اس لیئے ان کو راہ دینے پر ہرگز آمادہ نہیں۔ اس کی اہمیت پر نظر کرکے احمد زائیوں کے چند خانوں کو آگے روانہ کیا تاکہ غلط فہمی کو رفع کریں اور نزدیک کے خروٹی خوانین کو بلا کر خود سمجھایا۔ یوں قضیہ نبٹا کر آگے بڑھے اور ارگون کی چھاؤنی میں وارد ہوئے جہاں توپوں کی سلامی ہوئی۔ فوج کو ان کی استقامت کے صلے میں ایک رتبہ ترفیع اور دو مہینے کی تنخواہ انعام دینے کا وعدہ کیا اور انکے بعض منصبی جھگڑے فیصلہ کرکے پھر سفر جاری رکھا۔

اب خوانین حاضر ہوگئے اور بہت مباحثے کے بعد ان کو یقین ہوا کہ سپہ سالار امان اللہ خاں کی حمایت میں نہیں بلکہ عمومی اتفاق کے لیئے اقدام کر رہے ہیں پھر بھی انھوں نے خطرہ ظاہر کیا کہ اگر ہم مانع نہوں باقی اقوام سلیمان خیل جو زرمت اور کٹہ واز میں ہیں ضرور مقابلہ کریں گی کیونکہ وہ امان اللہ خاں کی دوبارہ سلطنت کے قیام کو روکنے کے لئے ہر طرح آمادہ ہیں اور آپ کو وہ اس کا طرفدار سمجھتی ہیں۔ اس سے

بہت تشویش ہوئی مگر سپہ سالار غازی میں کوئی افسردگی نہیں پائی جاتی تھی۔ اپنی جمعیت کے افراد کو اور خوانین کو بار بار یہی نصیحت و موعظت کرتے تھے کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ افغانستان کی عزت خاک میں مل جائے گی سلطنت کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ باہمی نزاع و نفاق سے گذر کر اتحاد و اتفاق کو پیش نظر رکھو سب ملت جمع ہو کر ایسے بادشاہ کو منتخب کرے جو ظلم و ستم کی بجائے اپنے مامورین کو عدل و داد پر قائم رکھے اور قومی و دینی احکام و رسوم کی پابندی کرائے۔ لوگ عہد سابق کی دست درازیوں سے رم کھائے اس کے پھر بحال ہونے سے البتہ ڈرتے ہیں۔ دودھ کا جلا اگر چھاچھ پھونک پھونک کر پیئے تو معذور ہے سپہ سالار غازی جب دوسروں کو ملامت نکرتے خود بھی پریشان نہوتے مگر احتیاط سے کام لیتے بڑھتے تھے۔ آپ کے ساتھ تقریباً ڈھائی سو آدمی ہمرکاب تھے جو مختلف قبائل سے منتخب کسی حادثے سے خوف نہیں کھاتے تھے اور فداکاری پر آمادہ تھے۔

ہمرروضہ پہنچکر پھر خوانین اور ملکوں کو اپنے اصلی مقاصد سے آگاہ کیا۔ اگرچہ اکثر آپ کی کلام سے متاثر ہوتے تھے مگر چونکہ یہ خبر عام ہو گئی تھی کہ سپہ سالار امان اللہ خاں کے لیے ساعی ہیں پھر بھی اندیشہ تھا کہ کہیں سے مخالف گروہ نمودار نہو جائے۔ زرمت سے ایسی خبریں آتی تھیں جس شخص نے آپ کو اپنے قلعے میں مہمان رکھنے کی دعوت دی تھی اس نے اب پہلوتہی کی۔ آپ نے

کوئی پرواہ نکر کے جادہ پیمائی جاری رکھی اور سیدھے گردیز کی منزل کا قصد کیا۔ چار روز بڑے دشوار گذار سفر میں گذرے جو ظاہری و معنوی مشکلات سے بھرا تھا۔ بارے یہ مراحل طے ہوئے اور گردیز پہنچکر بجائے چھاؤنی کے بالا دہ میں مقیم ہوئے کیونکہ گردیزی خانوں نے آپ کو متعدد عرائض سے اپنا مہمان رکھنے کی درخواست کی تھی۔

ملک کی ابتری کا یہ حال تھا کہ ہر قبیلے اور ہر شخص کو خود سرا ور خود رائے ہونیکی قدرت حاصل تھی۔ افغانستان کے دانا لوگ بادشاہی کو ایک طلسم سے تشبیہ دیتے جو خود بمقابلہ لشکر و رعیت کے کمزور ہے مگران دونو کو باندھے اور تھامے ہوئے ہے یہ کرشمہ عملی معنوں میں ملی رضامندی ہے جسکے بغیر ایک مدت تک بادشاہی کا بقا ہوسکتا ہے مگر آخر فنا ہو کر رہتی ہے۔ اس پر ملت بھی بکھر کر ملوک الطوائف بلکہ افراد کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ افغانستان اس مخمصے میں مبتلا ہے اور اسکے دشمن یہی ظن غالب رکھتے ہیں کہ اقلاً جنوبی و مشرقی علاقے سرحدات کی طرح آزاد رہینگے اور اسکے وجوہ بھی قوی ہیں۔ ان سمتوں کے باشندے تمدن سے دور محصول و مالیے کی تکلیف کیوں برداشت کریں ظالم حکام کے جوئے کو کس لئے سہیں۔ فوج میں کس غرض سے جبری بھرتی ہوں جبکہ وہ اپنی حفاظت خود کر سکنے کے گھمنڈ میں ہوں۔

یہ فاجعہ ہے۔ اس دردناک ڈرامے کے کئی مناظر میں سے ایک مضحکہ حصہ بھی

ہے جوان اوراق کی تسوید تک ابھی ختم ہوا ہے۔ سرحد میں دو نے مست فقیر کا قصہ اخباروں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس نے دریخیل جدرانوں کو اعلیحضرت محمد نادر خاں کی بادشاہی کے دوران میں ابھارا۔ بعض وزیریوں کو اپنے معاملے میں شریک کر کرلیا۔ آخر وہ سلطنت کی تدبیر اور باقی قبائل کی اطاعت سے پسپا ہوئے اور دریخیل مغلوب و پشیمان ہو کر رہ گئے۔ اس فقیر نے بعد ازاں ایک مدت غائب رہ کر باجوڑ کی طرف سر نکالا اور مہمندوں کو ابھارا۔ حکومت ہند نے لشکرکشی کی۔ پھر یہ مست رفو چکر ہو گیا آخر گرفتار ہو کر کابل پہنچا مگر چونکہ اسے بادشاہی معافی مل چکی تھی اسلئے وہیں اسے رہنے کا حکم ہوا۔ اسکے ساتھ ایک تور (سیاہ) ملنگ تھا جسنے خوست میں فتنہ برپا کیا تھا وہ ہلاک کیا گیا۔ مگر اب بچہ سقا کی حکومت میں یہ مست مختار ہے اور ابھی سپہ سالار غازی کو دریخیل سے عبور کرنے میں سد راہ ہوا تھا۔ اب گردیز میں بھی نمودار ہوتا ہے اور بندوقیں کارتوس اور روپے طلب کرتا ہے اور سپہ سالار اسکی عرض اور دھمکی کو سنتے ہیں کہ اسکی درخواست قبول ہونے پر قبیلے کو شمولیت کا فتویٰ دیگا ورنہ اور کتنے اس کی شرکت کے محتاج ہیں۔

فصل چہارم

جرگے کے انعقاد پر صعوبتیں اور امیدیں

گردیز میں ایک تو حاکم ہے جو ابھی امان اللہ خاں کا دم بھرتا ہے اور لوگوں کو
کو امید و بیم دلاتا ہے کیونکہ اس کا بادشاہ قندھار میں دوبارہ تخت پر متمکن ہو گیا
ہے۔ دوسرا جرنیل محمد صدیق خاں جس کے ساتھ کوہدامنی اور کوہستانی سپاہیوں کی
اچھی خاصی تعداد ہے چھاؤنی میں پڑا ہے۔ یہ سمت جنوبی کی دوسری بغاوت میں رعایا
سے اسلحہ لینے پر مامور تھا جو میگزین میں جمع کیا گیا تھا۔ اب لوگ اس کا واپسی مطالبہ
کرتے تھے۔ اس نے اپنے خیر خواہ قبائل کو تو اپنی اور سرکاری بندوقیں بھی دیں مگر
احمدزائیوں کو محروم رکھا جس پر وہ بگڑتے پھرتے تھے اور دیرینہ انتقام بلکہ قصاص
چاہتے تھے کہ اس نے امان اللہ خاں کے وقت میں رشوتیں لیتے چند آدمیوں کو بھی
قتل کر دیا تھا۔ عام قبائل بھی سپہ سالار غازی کے عقیدتمند تھے۔ اب یہ فیصلہ ہوا کہ
دہ بالا میں جرگہ منعقد ہو جس میں حاکم اور جرنیل بھی مدعو کئے جائیں۔ حاکم تو مجبوراً شامل
ہو گیا مگر جرنیل نے لیت و لعل کی۔ آخر مولوی اللہ نواز خاں نے چھاؤنی میں داخل

ہونے کی جرأت کرکے جو انکی فطرتِ عالی کے موافق تھی اور ایسی دلیرانہ خدمات بہت سی بجالائے تھے، اسے سمجھایا کہ ابھی بچہ سقا کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہوا اور ملت پراگندہ حالت میں ہے۔ اسلئے مناسب ہے کہ دونوں کے مابین محمد نادرخان کو منصف مقرر کریں کیونکہ وہ اسی غرض کے لئے آئے ہیں۔ وہ شریک تو ہوا مگر اپنے ساتھ تین سو سوار و پیادہ لیکر آیا۔

غوث الدین بھی پہنچ گیا تھا اور سردار شاہ ولی خاں بھی دوسری راہ سے آگئے تھے بالا دہ کی مسجد میں سب لوگ جمع ہوئے اور گردیزیوں نے سپہ سالار صاحب کے ساتھ خاص ارادت ظاہر کی اور نہایت اخلاص سے انکے افکار کی پیروی کرنے کا وعدہ کیا۔ گردیز میں تاجیک آبادی ہے جن میں برکی بھی ہیں اور نواحی کے افغانوں کے ساتھ ان دنوں جو انکی سخت مخالفت تھی وہ اب سپہ سالار غازی کی برکت سے مصافحہ و معانقہ میں مبدل ہو رہی تھی۔ یہ نظارہ بھلا چرخ ستمگر کو کب بھاتا یا شیطانِ لعین کو کیسے گوارا تھا؟ اس نے تو ظاہری پردہ اٹھا کر حقیقت کھول دی۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ مجھے ملامت نکرو بلکہ اپنے آپ کو ملزم ٹھیراؤ۔ مسجد میں یہ روداد و اتفاق جاری ہے کہ دفعتہً باہر بندوقوں کی آوازیں آنے لگیں اور ساتھ ہی آندھی بھی شدت سے چلنے لگی۔ دونو کا طوفان بڑھتا گیا جو آدھ گھنٹے کے قریب برپا رہا۔ ہر قبیلہ اور ہر شخص جہاں کہیں تھا وہاں کھڑا رہا اور ایک دوسرے

پر بدگمانی کرتا تھا۔ اس اثنا میں جرنیل کے تین سو آدمی غائب ہو گئے۔ میدان صاف ہو گیا اور مقتولوں اور مجروحوں کے سوا اور کوئی نہ رہا جن میں چار سوار سپہ سالار غازی کے ہمرکاب بھی شہید ہوئے۔ یہ ہے ایک اور نمونہ قبائل میں اتفاق پیدا کرنے کی زحمات کا۔

مسجد سے قلعہ میں آکر مذاکرہ ہوا کہ یہ حرکت کس سے سرزد ہوئی۔ بعض حاکم کو اور دوسرے جرنیل کو محرک بتاتے تھے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ان دونو کے ساتھ چونکہ اکثر قبائل کو مخاصمت و پرخاش ہے اس لئے ایک بے طرف قبیلے کی حفاظت میں رکھے جائیں تاکہ انکو کوئی نقصان نہ پہنچائے اور چھاؤنی میں جانے نہ پائیں۔ چنانچہ قرآن شریفوں کے سائے میں انکو وداحمدزائی کی طرف لے گئے۔ اس سے قبائل میں قدرے تسکین ہوئی مگر عمومی اتحاد کی عمارت میں تزلزل پیدا ہو گیا اور باہم اشتباہ اس درجہ بڑھ گیا کہ آئندہ اجتماع کے لئے دقتیں دکھائی دینے لگیں۔ ہمرکاب جدران احمدزائیوں کو اس ہنگامے کا موجب سمجھکر علیحدہ ہو گئے۔ منگلوں میں بھی بے اعتباری کے آثار نمودار ہوئے۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہوتی تھیں مگر سپہ سالار حسب دستور اطمینان سے مفاہمت و مصالحت میں کوشش کے علاوہ دوسرے علاقوں میں خط و کتابت بھی کرتے تھے تاکہ تمام ملت میں اتفاق کی تبلیغ ہو گردیزمیں بھی ملکی و عسکری انضباط کے لئے ایسے آدمی مقرر کئے جن پر گردیزیوں کو اعتماد تھا۔

ان دنوں کابل سے ایک طیارہ پرواز کرتا آیا اور کچھ اشتہار ڈالکر خوست کی طرف چلا گیا۔ جب واپس لوٹا تو اہل گردیز نے اس قدر گولیاں لگائیں کہ تیل کی نالی خراب ہونے سے اترنے پر مجبور ہوا۔ دو جہاز ران زیر حراست لئے گئے اور اشتہاروں کو دیواروں پر چسپاں کرکے گولیوں سے اور اسکے مضمون پر مضحکہ اڑایا جو کندہ عبارت میں ان کو تحریص دلاتا تھا کہ جو سپہ سالار اور انکے بھائیوں کو قتل و قید کریگا اسے بہت سا انعام دیا جائیگا کیونکہ وہ ملک کنفرنس میں منصوبے باندھکر آئے ہیں۔ قبائل میں سپہ سالار کی عزت و حرمت اتنی زیادہ تھی کہ مخالف طماعوں کو بھی یہ بیجا جسارت نہیں ہوسکتی تھی کہ ان کو ضرر پہنچائیں۔ سب سے زیادہ سچا اور گہرا سبب نجاح و فلاح تو یہ تھا کہ آپ حقانیت کے لئے شجاعت سے کام کرتے تھے جسکی وجہ سے خیر خواہوں کو آپ کے ساتھ عقیدت اور دشمنوں پر آپ کی ہیبت تھی۔

بخت کی یاوری بھی ایک معتنابہ امر ہے چنانچہ جرنیل لیمان سانڈرس نے مصطفےٰ کمال کے ساتھ باتیں کرتے فتح کے لئے اول و آخر شرط اسی قسمت کو قرار دیا تھا کیا اپنے بارے میں کیا مصطفےٰ کمال کی کامیابی پر مگر یہ نصیب چوروں کو بھی میسر ہے البتہ کچھ عرصے کیلئے اور پائدار مقصوریت عقلا و صلحا کا ہی حصہ ہے ابھی وہ وقت نہیں آیا اور سپہ سالار غازی اور انکے برادران کرام کے سامنے

ابتلاؤں کا لشکر ہے ابھی آزمائشوں کا مقابلہ درپیش ہے۔ ابھی کئی امتحانوں میں سے گذرنا باقی ہے۔ ملت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو پیوند لگانا گیاہ ضعیف سے گلدستے کو باندھنا جس میں کانٹے بھی ہیں اور پھولوں کو بلبلیں نہیں بلکہ زاغ وزغن اچکے لئے جاتے ہیں ایک نازک سلیقے کا کام ہے ؎

پڑگئی کیا لوٹ یارب گلشن ایجاد میں + دست گلچیں میں ہے گل بلبل کف صیاد میں

ہر طرف پراگندہ اوراق ہیں بے ربط مضامین مطالعے میں آکر مطالب کی غلط فہمیوں کا باعث ہوتے ہیں۔ انکو اکٹھا کر کے مجلے کی صورت میں قوم کے سامنے پیش کرنا ایک مدت چاہتا ہے اور اس اثنا میں وہ مختلف معنے نکالتے ہیں۔ فتنہ پردازوں کے لئے دھوکا دینے کا موقع ہے اور ابھی بعض لوگ بہی خواہوں کے لباس میں پھرتے ہیں اور آگے چلکر انکی قلعی کھلیگی مگر فی الحال تو کسی پر شک کرنا مصلحت نہیں۔ ان تمام وسوسوں کی موجودگی میں ان تاریک گھٹاؤں میں سورج کی کرنیں بھی گرمی اور روشنی پہنچا دیتی ہیں چنانچہ اب ایسا سہانا سماں سامنے آیا۔

سمت مشرقی کی تمام اقوام کے نمائندوں کا ایک وفد جو ایک سوتیس آدمیوں پر مشتمل تھا سمت جنوبی کے ساتھ تاریخ میں اول بار اتحاد قائم کرنے کے لئے وارد ہوا ایک تو سپہ سالار غازی کی قدیم صادقانہ عنایات کی کشش دوسرا نائب سالار محمد ہاشم خاں کی مساعی بلیغہ کا اثر جو علاوہ سابقہ تعلق کے دو مہینے پہلے اس طرف روانہ ہو چکے تھے تیسرا محمد گل خاں کی مردانہ وار کوششوں اور عالی ہمتوں کا نتیجہ جو انہی

ملی خدمات کی وجہ سے اس وقت دفتر مذکور کے صدر تھے اور بعد میں وزیر داخلہ ہوئے۔ افغانستان کے ان دو نسیتانوں کا اتصال تھا جن میں شیر بستے ہیں اور وہ اپنی عادت کے اقتضا پر اکٹھے نہیں رہتے تھے اب سمت شمالی کے بھیڑیوں کو چیرنے کے لئے جمع ہوئے جو شہروں کی بھیڑوں کو پھاڑ رہے تھے۔ ان دونوں نے باہم مذاکرات کر کے یہ فیصلہ کیا کہ چوروں کی سلطنت ننگ و عار ہے اور تباہی و بربادی کا باعث ہوئی ہے امان اللہ خاں اپنی غفلتوں اور بدعتوں کی وجہ سے ان تمام خرابیوں اور ویرانیوں کا موجب ہوا ہے۔ لہذا بادشاہ آئندہ کل ملک کے وکلا کی مرضی سے منتخب ہو اور بچہ سقا کو مشرقی و جنوبی سمتوں کے متحدہ تنبیہ نامے سے آگاہ کیا جائے کہ سلطنت سے فوراً دست بردار ہو جائے ورنہ بزور بازو علیحدہ کیا جا کر مع اپنے حامیوں کے کیفر کردار کو پہنچایا جائیگا۔ چونکہ جناب محمد نادر خاں اعتدال و دوراندیشی اور ملی خیر خواہی میں یگانہ فرد ثابت ہو چکے ہیں وہ پیشوا ہوں اور ہم سب ان کی ہدایت کے ماتحت ہر طرح کی فدا کاری پر آمادہ ہیں۔ مشرقی نمائندوں کی اس تجویز پر جنوبی خوانین متفق ہو گئے اور سب نے اس پر دستخط کئے۔

اب یہ مناسب سمجھا گیا کہ زرمت اور کٹرواز کے سلیمان خیلوں کو بھی اس میں شریک کیا جائے مگر انھوں نے یہ جواب دیا کہ امان اللہ قندھار کی طرف سے حملہ کرنے کو ہے۔ اس کا دفعیہ پہلے لازم ہے بعد ازاں اگر بچہ سقا لائق سلطنت

نہوا تو اسکا چارہ کیا جاسکتا ہے۔ غرض یہ کہ انھوں نے مشرقی وجنوبی اتحاد میں شرکت سے بے اعتنائی کی اور علیحدہ رہکر کارروائی جاری رکھی۔ انکی مثال سے متاثر ہوکر اور قبائل میں بھی کنارہ کشی کے آثار نمودار ہونے لگے چنانچہ دریخیل جدران انکے ساتھ جاکر شامل بھی ہوگئے تاکہ غزنی سے آگے بڑھکر امان اللہ خاں کا راستہ روکیں۔

سلیمان خیلوں سے خط وکتابت کے اثنا میں یہ درخواست آئی کہ اگر سپہ سالار امان اللہ خاں کے طرفدار نہیں ہیں تو اپنے ایک بھائی کو بھیجیں تاکہ وہ لشکر کے افسر بنکر اسکا مقابلہ کریں۔ سپہ سالار صاحب کا نقطۂ خیال یہ تھا کہ پہلے چور کو تخت سے اتار کر رائے عمومی سے فیصلہ لیا جائے کہ آئندہ امان اللہ خاں یا کوئی اور مالک سلطنت ہے اور سلیمان خیل مقدم یہ سمجھتے تھے کہ اول امان اللہ خاں کے دوبارہ زور کو توڑیں انمیں سپہ سالار کے کسی بھائی کی شمولیت انکے نزدیک مرغوب تھی مگر خود سپہ سالار اور ان کے بھائی سابقہ علاقہ مندیوں اور لاحقہ ارادوں کی رو سے اسکو گوارا نہیں کرسکتے تھے اسلیے سخت صدمہ کھا کر نہایت افسوس سے مجبور ہوئے کہ سلیمان خیلوں کے بغیر اپنے مقصد پر عمل پیرا ہوں۔

فصل پنجم

سقاوی فوج کے ساتھ جنگ اور شکست

اب یہ لزوم دیکھا گیا کہ مشرقی و جنوبی اتحاد کے بعد لوگر کو اپنے ساتھ ملا کر بچہ سقا کو اخطار بھیجا جائے اور اس کے بعد مشرقی لشکر ہتخاک کی راہ سے وہاں آکر موجود ہو اور جنوبی جمعیت سپہ سالار کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ وہاں پہنچے۔ چونکہ قومی معاملات میں ہر فرد کو واقف کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے سب کو اطلاع دیتے دیر ہوئی۔ اس اثنا میں غوث الدین نے خوفزدہ حالت میں آکر اطلاع دی کہ بچہ سقا کی فوج التمور میں پہنچ گئی ہے ان کے مقابلے کے لئے تیاری ہو۔ اس نے ڈھول بجوانا اور جنوبی جنگجویوں کو آگے روانہ کرنا شروع کر دیا۔ مشرقی نمایندوں نے اس نیت سے کہ جلدی واپس جاکر کابل پر چڑھائی کریں رخصت لی اور سپہ سالار صاحب التمور کی طرف بڑھے جو لوگر کی حد پر ہے۔ سردار شاہ ولیخان گردیز کو گئے تاکہ اسے صدر مقام کی منزلت میں آراستہ رکھیں۔

سپہ سالار صاحب نے لوگر میں داخل ہو کر معلوم کیا کہ سقاوی فوج موضع دردیش میں ہے اور چرخ خالی ہے اس لئے وہاں پہنچے۔ غوث الدین نے اس عذر سے کہ چرخیوں کے ساتھ اس کی پرانی رنجش ہے مع اپنے احمدزائیوں کے چرخ کے علاقے سے چند میل دور ڈبر میں قیام کیا۔ لوگر میں باقی مملکت کی طرح کئی گروہ ہیں۔ کچھ لوگ طمع میں آکر اور بعض ان کے فریب سے بچہ سقا کے ہواخواہ ہیں دوسرے اس کے ظلموں سے خبردار ہو کر پھر امان اللہ خاں کو واپس لانے کے خواہاں ہیں مگر اکثر سپہ سالار غازی کی وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر جو انھوں نے چرخی خوانین کے سامنے بڑے رقت آور لہجے میں فرمائی عمومی جرگے کے انعقاد پر متفق ہیں جس سے قبل کا یہ فیصلہ ہے کہ ایک تنبیہ نامہ بچہ سقا کو بھیجا جائے چنانچہ طرہ باز خاں رئیس ارکان حرب گردیز کے ہاتھ ایک کاغذ کاریز دردیش ارسال کیا گیا۔ اس کی رسید یا جواب کے انتظار میں تاخیر ہوئی بعد میں معلوم ہوا کہ قاصد مذکور قید میں ڈالا گیا۔

غوث الدین کا خط پہنچا کہ شاہ مزار میں جو لوگر کا ایک حصہ ہے سقاوی فوج سے مٹ بھیڑ ہو گئی اس لئے کمک بھیجئے۔ یہ واقعہ خلاف توقع اور نقشہ جنگ کے برعکس رونما ہوا کیونکہ ابھی بچہ سقا سے اخلا رنامے کا جواب مطلوب تھا جس کے بعد صلح ہوتی یا لڑائی۔ دوسرا گردیز سے کارتوس وغیرہ منگائے

گئے تھے جو دیر کے بعد پہنچے اور موجودہ حالت میں ان کے بغیر لڑنا البتہ گمان میں نہیں تھا۔ بہرحال اس خبر سے کہ لڑائی چھڑ گئی لشکر جوش میں آکر مقابلے کے لئے نکلا اور سپہ سالار صاحب نے حتیٰ الوسع ان کا انتظام کیا۔ ایک دن رات کے محاربے کے بعد کوئی نتیجہ نہ نکلا تو خود میدان میں پہنچے جہاں دونو طرف سے بندوقیں چل رہی تھیں۔ آپ نے دو توپوں کو آگے بڑھا کر خود نشانہ باندھنا شروع کیا اور ان کے گولوں کے سائے میں لشکر نے پیش قدمی کی تین قلعے دشمن سے خالی ہو گئے مگر دوربینوں سے شاہ مزار کے پیچھے سے آتی دکھائی دی جس نے توپیں چلائیں اور قومی لشکر پیچھے ہٹا لیکن سپہ سالار صاحب کی ترغیب سے پھر آگے بڑھا اور شام تک لڑائی جاری رہی۔ رات کو طرفین سے خاموشی تھی۔

سپہ سالار صاحب نے چسرخ کے لوگوں سے کارتوس خریدے اور یہ بڑا مشکل سودا تھا کیونکہ جہاں فوجی انضباط مفقود تھا وہاں روپیہ بھی نہیں تھا اس دشواری کے ساتھ حریص لوگ البتہ دوسری جانب مائل تھے چنانچہ غوث الدین کو ہزاروں روپیوں کی طمع دی گئی تھی اور نائب سالاری کا عہدہ بھی پیش کیا گیا تھا۔ اسی لالچ میں پھنس کر اس نے سپہ سالار کی تدابیر میں خلل ڈالا آخر راتوں رات اس کے احمدزائی دوڑ گئے جس سے باقی لشکر میں ہراس

پیدا ہوا۔ صبح دشمن کی پیش قدمی جاری ہوئی اور توپ کے گولے اس قلعے کے اوپر سے گذرتے تھے جس میں سپہ سالار صاحب تھے لازم ہوا کہ وہاں سے نکلیں۔ راستے میں احمدزائیوں کا تغر قبیلہ جواب تک بیطرف تھا مانع ہوا۔ ان کی گولیوں کی بوچھاڑ سے دوسرا راہ اختیار کیا اور عین آگ میں سے گذرتے نکل گئے۔ سوائے خاص آدمیوں کے جو سپہ سالار صاحب کے ساتھ تھے اور کچھ بعد میں آملے باقی سب لشکر پراگندہ ہو گیا۔

اب صرف جرنیل شاہ محمود خاں کی طرف سے امید کی کرن نظر آتی تھی جنھوں نے موضع خوشی سے بچہ سقا کی فوج کو نکال کر ان کے ذخائر حرب پر قبضہ کر لیا تھا اور آگے بڑھنے کا اقدام کیا تھا۔ چونکہ اُن پاس سقاوی فوج تھی اور سپہ سالار کے اپنے لشکر میں خیانت کام کر رہی تھی۔ اس لئے جرنیل موصوف کو وہ خطنہ پہنچا جس میں شکست کی خبر درج تھی۔ اگرچہ ان کی جمعیت میں محکم طریقے سے اتفاق تھا اس لئے فتح کرتے جاتے تھے مگر بے خبری میں سقاوی فوج نے پیچھے سے حملہ کیا جو سپہ سالار کی جہت سے فارغ و دلاور ہو گئی تھی۔ جرنیل شاہ محمود خاں کے ساتھ سردار احمد علی خاں تھے جو ان کے معاون کی حیثیت میں ان تمام مجاہدات میں شریک رہے اور اپنی شرافت کے ساتھ شجاعت کا ثبوت دیتے رہے انھوں نے

محصوری کی حالت میں مدد مانگی سپہ سالار صاحب نے باوجود انتشار لشکر کے پریشان نہ ہو کر فوراً نواحی اقوام کو طلب کر کے ایک ہزار آدمی مع سامان حرب جو گردیز سے منگوایا گیا بھیجنے کا قصد کیا اور ان کا ایک حصہ روانہ کیا گیا۔ جرنیل صاحب اس کے پہنچنے سے پہلے سقاوی غلبے کو دیکھ کر مجبور ہوئے کہ واپس لوٹیں اور محاصرے کو توڑیں جو چاروں طرف سے گھیرا ڈال رہا تھا۔ تمام رات بڑے صعب راستے سے گذرتے سپہ سالار کے پاس پہنچے اور اب ہر جانب سے اندھیرا تھا۔

اس تاریکی میں سپہ سالار غازی کا روشن چہرہ اس امر کی دلیل تھا کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے

جہاں میں کامیابی ہے کرشمہ جوش ہمت کا
اگر یہ لہر آجاتی ہے بیڑا پار ہوتا ہے

آپ شکست کو نا امیدی نہیں سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ مقصد کا ضعف اور غیر معقولیت بذات خود ہزیمت ہے اور یہ طرف مقابل میں پایا جاتا ہے۔ ہم ملت کی نجات کے لئے ساعی ہیں جس کے واسطے اتحاد لازم ہے اور یہ دونو بلند مطالب ہیں جو بنفس خود غالب ہیں۔ اگرچہ ہم اس مرحلے میں مغلوب ہوئے مگر قوم مرعوب نہیں ہوئی بلکہ متفقانہ طور پر پھر تعرض کرنے کے لئے تیار رہے

اب ہمیں جرگے ہیں وہ طریق سوچنا اور اختیار کرنا واجب ہے جو جلدی کامیابی
کی طرف رہبری کرے ۔ اس طرف تمام قبائل کے نمائندے جمع ہو کر مذاکرات
کر رہے ہیں جن کے مطابق پھر سلیمان خیلوں کو اپنے ساتھ متحد کرنے کے
لئے لکھا گیا ۔ وہاں اب حضرت صاحب تشریف رکھتے ہیں اور ان کے رسوخ
اور عاقلانہ رویہ سے امید ہے کہ اس اتحاد کا حلقہ وسیع ہو جائیگا ۔

(۱)

اس گیرودار میں محمد صدیق جو بھاگ کر کابل چلا گیا تھا بچہ سقا کی طرف سے نائب سالاری کا عہدہ لے کر سمت جنوبی میں چوروں کا راج پھیلانے واپس آیا۔ احمد زائیوں کے کچھ آدمی اس کے ساتھ وابستہ ہو گئے مگر باقی قبائل نے اسکی حرکتوں کو نفرت سے دیکھا۔ اس اثنا میں بچہ سقا کی طرف سے ایک ایلچی پہنچا عبداللطیف خاں کوہاٹی جو کابل چھوڑ کر افغانستان میں ہجرت کر گیا تھا اور خفیہ شرارتوں کے سبب کابل سے بھی نکالا جا کر بدخشاں میں بسایا گیا تھا وہاں جرنیل شاہ محمود خاں نے اس پر شفقت فرمائی تھی جس کے صلے میں اب ان کو بچہ سقا کی عنایت کا پیغام پہنچانے آیا ہے! اس کا زبانی حصہ یہ ہے کہ سپہ سالار کابل تشریف لے آئیں پھر آپ اور بچہ سقا قرعہ ڈالیں جس کے نام پر نکل آئے بادشاہی اسے مبارک! اگر کابل آنا قبول نہ کریں تو آپ کا سارا خاندان تہ تیغ

کردیا جائیگا۔ آپ اور حاضرین ہنسے اور پھر متفکر بھی ہوئے کیونکہ واقعی سپہ سالار کے سب عزیز چوروں کے ہاتھ میں تھے اگرچہ وہ اس صدمے سے پہلے ہی چوٹ کھائے ملت کی رہائی کے لئے اپنی اور اپنے اقربا کی قربانی دل میں ٹھان چکے تھے۔ پیغام کے تحریری وعدے بہت تھے ۔ منجملہ یہ کہ آپ لڑائی کے خیال کو چھوڑ کر کابل آجائیں تو بچہ سقا آپ کے فکر و منشا کے مطابق کام کریگا اور آپ کی املاک اور گھر بار کو مسترد کر دے گا۔ اس کا جواب آپ نے خود لکھا جس کا مضمون یہ ہے :۔

تہور نشان حبیب اللہ بچہ سقا۔ تیرے پیغام سے معلوم ہوا کہ تجھے میرے ارادوں سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ میری بڑی آرزو یہ ہے کہ مملکت سے پریشانی و پراگندگی دور ہو کر امنیت قائم ہو جائے۔ اس بارے میں جو کوئی بھی میرا ہمفکر ہو اگرچہ تو ہی کیوں نہ ہو وہ میری جماعت میں داخل ہے۔ تو نے میرا وہ پیغام قبول نہ کیا جو جنوبی و مشرقی اقوام کی موافقت سے لکھا گیا تھا۔ اب بھی اس شرط پر تیرے ساتھ سمجھوتا کرتا ہوں کہ تو صحیح سلطنت کی بنیاد رکھنے میں میرے ساتھ متفق بنے اور وہ یوں ہو سکتا ہے کہ اس دعوے سے تو دست بردار ہو جائے کیونکہ تو نہ تو اسکے قابل ہے اور نہ ملت تجھ سے راضی ہے۔ لہٰذا آخری لمحے تک تیرے ساتھ مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تو اس ملک کی بربادی کا ذریعہ بننا نہیں

چاہتا تو پھر میرا پیغام سن عنقریب اقوام کا جرگہ منعقد ہوگا جس کا فیصلہ تجھے بھیجا جائیگا۔ تیرے پیغام کے اس حصے کے جواب میں جو میری ذات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یہ لکھتا ہوں کہ میں نے اپنے خاندان کے سب افراد کو خدائے عظیم کے سپرد کر کے اپنے وجود اور عزیزوں کو ملت کے حصے بخرے ہونے کی بلا کو رد کرنے کے لئے نذر قرار دیا اور امن قائم کرنے پر قربان کیا ہے۔ اب بھی اس نذر و قربانی سے پشیمان نہیں ہوں اور اس کی قبولیت کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ آخر میں تیرے اور تیرے ہمدستوں کے لئے ہدایت چاہتا ہوں۔ خیر خواہ ملت محمد نادر +

(۲)

آپ نے اس خط و کتابت سے سب خوانین کو آگاہ کر کے ایلچی کو محافظت کے ساتھ رخصت کیا۔ اسکے دس دن بعد پھر سقادی قاصد آیا اور اپنے ساتھ ایک نیا شگوفہ کھلا کر لایا جو نادرخانی خاندان کی خزاں میں ایک بہار کا سماں دکھاتا ہے۔ ناظرین اس ہول و ہراس اور رنج و غم کا اندازہ کریں جس میں یہ خاندان بتلا ہے۔ احمد علی خاں کا ذکر ہوا جو جرنیل شاہ محمود خاں کے ساتھ معاونت کر رہے ہیں۔ یہ سپہ سالار کے چچا کے پوتے اور نیز بھانجے ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی مع ساٹھ عزیزوں کے چوروں کے شکنجے میں ہیں۔ نجابت کے

بتیلے اور فرض شناس کرنیل علیشاہ خاں۔ ان کو مجلس سے نکالکر بچہ سقا نے اپنے ایلچی کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی مصیبت کی داستان سے اپنے ماموں کو خبردار کریں۔ چوروں کو یہ گمان تھا کہ سپہ سالار شکست کے بعد اطاعت پہ مائل ہو جائینگے۔ جب انکو پہلی طرح ثابت قدم پایا تو یہ جتانا چاہا کہ تمھارے احیاء و اقربا کسی درد و محن میں پھنسے ہیں ان کا قصہ ایک کو دیکھکر اور ان کی زبانی سنکر خوف کھائیں۔ وہ محرک مقدس جو ان اشخاص کو لڑنے مرنے پر آمادہ کئے ہوئے تھا بھلا رذیل ڈاکوؤں اور ان کے کوتاہ اندیش مشیروں کی سمجھ میں کیسے آسکتا تھا۔ انکو یقین تھا کہ علیشاہ خاں کی حالت زار سے وہ تمام عائلے اور گھرانے کی آفتادگی قیاس کر کے ان شرائط کو قبول کرنا غنیمت سمجھینگے جو دوسری دفعہ قاصد کے ذریعے پیش کی جاتی ہیں۔ اگر سپہ سالار کابل تشریف لائیں تو نہایت اعزاز و اکرام سے ان کی پزیرائی کی جائیگی اور اس منصب پر جس سے بلندتر کوئی نہو مقرر کئے جائینگے اگر کابل آنا منظور نہو تو بچہ سقا کے ساتھ پرخاش ترک کر کے جہاں چاہیں چلے جائیں۔ ان کے اہل و عیال قید سے رہا کر کے سفر خرچ اور بہت سے نقد روپے کے ساتھ وہیں بھیجدیئے جائینگے اور ان کی اراضی کی آمدنی قسط وار پہنچا دی جایا کرے گی۔ علاوہ بریں انکو دول خارجہ میں جہاں وہ پسند کریں سفارت کے عہدے پہ مقرر کر دیا جائیگا۔ ان دو شرطوں کے انکار کی صورت میں ان کے

سردار علی شاہ خاں

سردار احمد شاہ خاں
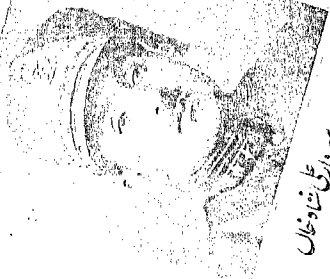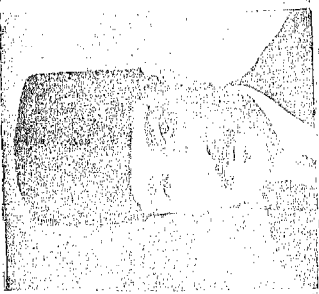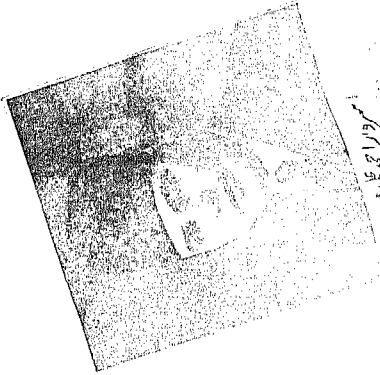
سردار احمد علی خاں

سب اعزہ و اقربا طرح طرح کی اذیتوں اور عذابوں کے بعد جان سے مار دئے جائینگے۔

طبعی احساسات اپنوں سے شروع ہو کر بیگانوں تک بعد میں پہنچتے ہیں۔ ابتدا میں اہل قرابت اور ہمسایوں کے ساتھ مواسات آخر میں دور کے رہنے والوں اور مسافروں کی امداد تک پہنچاتی ہے۔ جو بنی نوع کا خیر خواہ ہو اہل ہند کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہو۔ مہاجرین کی غمخواری کا ثبوت دے چکا ہو اور اپنی ملت افغان کو آزادہ و آسودہ بنانے کے لئے مصیبتیں جھیل رہا ہو وہ ضرور ہے کہ اپنے کنبے کے ساتھ بھی محبت و شفقت کا سلوک کرے۔ یہ کنبہ ظالم دھاڑیوں کے پنجے میں گرفتار گونا گوں اندیشوں اور عقوبتوں کا شکار رہے۔ کرب و بلا کی اور کیا حد ہو سکتی ہے۔ کربلا ہی کا سانحہ درپیش ہے۔ بیوی بچے اور رشتہ دار یرغمال میں لئے جاتے ہیں تاکہ ان کے قتل سے ڈر کر حریف دبا رہے۔ یہاں مقابلے پر اڑا ہے۔ سخت جد و جہد اور ناکامیوں کی مقاومت کر کے ایک دفعہ لڑا ہے تو گردش چرخ نے الٹا پلٹا کھایا اور سخت شکست کا منہ دکھایا۔ قبائل میں نفاق و شقاق ہے۔ کئی مار آستین بیخبری میں ڈس چکے ہیں۔ دریخیلوں اور ان کے مست ملنگ کی کجروشوی اور احمدزائیوں اور ان کے گھوڑ چڑھے سوداگر غوث الدین کی دغابازیوں کے سوا خردٹی اور سلیمان خیل علیحدہ جادو کی ہنڈیا پکا رہے ہیں یا جدا ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رہے ہیں تاکہ امان اللہ خاں کی دوسری بادشاہی عمارت کی جو قندھار میں ناک رگڑ کے رسول اللہ کے خرقہ

مبارکہ کے سامنے توبہ کرکے ریت پر کھڑی کی ہے اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ ان
دشمن کو اتفاق اور امیدیں ڈھا دینے والے اسباب میں ڈھارس بندھانے والی
کیا چیز ہے؟

شکست کے بعد جرگے میں یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ فصل کاٹنے کا وقت آگیا لڑائی
جاری رکھنے سے فاقہ درپیش ہوگا۔ بھوکا لشکر کٹ مرے گا مگر بال بچوں کا تڑپنا اور روٹی
کے لئے ترسنا انہیں لڑنے کب دیگا۔ لہٰذا جنگ ملتوی کی جائے یعنی بچہ سقا کو
مہلت دی جائے کہ سارا ملک فتح کرکے پوری قوت سے مقابلے کے قابل ہو جائے
محاربے میں ایک منٹ کی دیر سے نپولین کی رائے میں مظفریت ہزیمت میں مبدل
ہو جاتی ہے۔ یہ اتنی لمبی تاخیر کیوں روا رکھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ روپیہ نہیں جس سے
سب حاجات قضا ہو جاتی ہیں لشکر کو تنخواہ دے کر فصلوں کی تلافی غلے کی خرید سے
ہو سکتی تھی مگر پیسہ کہاں سے آتا۔ غرض ظاہری و معنوی سامان مزاحمت و ممانعت
اتنا فراواں تھا کہ ذاتی اور خاندانی نجات کی شکل بمشکل دکھائی دیتی تھی چہ جائیکہ ملی
نجاح و فلاح میسر آتی۔ کیا اس سے پہلے امان اللہ خاں اور عنایت اللہ خاں باوجود اپنی
شہرت اور شہزادگی کے اس پر قناعت نہیں کر چکے تھے؟ مگر محمد نادر خاں ان سب
صعوبات کو دیکھکر فرماتے کہ اگر میرے ساتھ کوئی بھی نہ رہے تو اکیلا بندوق لیکر
بڑھونگا تاکہ وطن کو فلاکت سے نکالوں یا ہلاکت سر پر لوں۔

جب بچہ سقا کا خط پڑھا گیا تو سپہ سالار غازی کے چہرے میں کوئی تغیر نہ آیا اور اسی ثبات و متانت کا اظہار کیا جو پہلے مکتوب پر دکھایا تھا۔ اگر ان کے دل میں اپنے خاندان کی طرف سے کوئی دغدغہ رہ گیا ہوتا جس کی وہ ملی خدمت کے موازنے میں پرواہ نہیں کرتے تھے تو افغانستان کے فرزند نوجوان اور غیرت و شرافت کے مجسمے علی شاہ خاں نے رفع کر دیا۔ جب اس نے سقاوی نامے کے ساتھ اپنے سب عزیزوں کی طرف سے وکالتاً یہ پیغام کہ سنایا کہ ہماری عرض اور آرزو سپہ سالار صاحب کی خدمت میں یہ ہے کہ بچہ سقا کی دھمکیوں کو اعتنا میں نہ لائیں جو ہمارے بارے میں دی گئی ہیں کیونکہ ہم افغانستان کی نجات کے لئے آپ کی کامیابی پر اپنی جانوں کی نذر مانے فدا ہونے کو تیار ہیں۔

پھر علی شاہ خاں نے خوانین اور ملکوں کے سامنے جبکہ سقاوی قاصد بھی حاضر تھا چوروں کی دست درازیوں بے انتظامیوں اور اس بدبختی کے قصے سنائے جو کابل میں حکم فرما تھی تو رات کو یہ صلاح ٹھیری کہ علی شاہ خاں کو دوبارہ کابل نہ بھیجا جائے ورنہ سخت تکلیفوں کا اندیشہ ہے۔ اس غیور کمسن افسر عسکر اور اب اسیر حقیر سقاوی نے شرم کھا کر جواب دیا کہ اگر میں واپس نہ جاؤں تو بچہ سقا کہے گا کہ علی شاہ نے پیام رسانی کے ضمن میں اپنی رہائی کو غنیمت سمجھا حالانکہ ان کے ساٹھ آدمی قید میں ہیں۔ میرا جواب بھی نہ لایا۔ اس کے علاوہ اپنے عزیزوں

کو بھی جواب پہنچانا ہے جو میرے ساتھ ایک مجلس میں تھے ان کو اسی حال میں چھوڑ کر
خود آزاد پھرنا میرے لئے ننگ و عار ہے جس کو میں کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ ایسے
وداع کرتے ہوئے سپہ سالار غازی نے فرمایا کہ میرے تمام مظلوم و محبوس
خاندان کو سلام پہنچا کر کہنا کہ تمھارے باشرفانہ پیغام سے ممنون و متشکر ہوں تمھارے
لئے صبر و اجر کی دعا کرتا ہوں۔ وطن کی نجات کے لئے جہاں تم فدا ہونے پر آمادہ
ہو میں اور میرے تینوں بھائی بھی اپنی قربانی تقدیم کرتے ہیں۔ خدا افغانستان
کا حافظ ملت کا حامی اور تم مظلوموں کی جماعت کا ناصر ہو۔

بچہ سقا کو پہلی طرح جواب دیا جس کا ماحصل یہ ہے:۔ حبیب اللہ کو یقین
ہو کہ میں تمام ملت میں اتحاد و اخوت قائم کرنے اور افغانستان کے مقدس جھنڈے
کو دول دنیا کے پایہ تختوں میں اونچا کرنے کے لئے مجبور ہوں کہ اپنی بشری مساعی
میں کوتاہی نکروں اس پاک مقصد کے حصول کے لئے پیرس سے حرکت کرتے
ہوئے اپنی جان، مال، اہل و عیال اور سب افراد خاندان کو وقف کر چکا ہوں
اگر تو ملی وحدت اور صحیح سلطنت کے قیام میں میرے ساتھ موافق ہو گیا تو
خانہ جنگی دور ہو جائے گی جس سے وطن کی سلامتی معرض ہلاک میں ہے۔ اگر
تو نے اپنی موجودہ روش پر اصرار کیا جس سے ہزاروں مصیبتیں برپا ہو کر افغانستان
کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں تو میں بھی تیرے ساتھ اپنی زندگی کے آخری لمحے

تک لڑوں گا اور تیسری ظاہری قوت و قدرت سے نہ ڈروں گا۔ اپنی جان دینا اور اپنے خاندان کو قربان کرنا تاکہ ملت کے لاکھوں افراد اور خاندانوں کو راحت و سعادت نصیب ہو میں اپنا جاودانی فخر سمجھوں گا۔ فقط

سارے افغانستان پر چوروں کا قبضہ اور اس میں نکتہ

بے فقر آشکار نگردد عیار مرد ÷ بخت سیاہ بود محک اعتبار مرد

پاس وقار دسد سکندر برابر است ÷ بے آبرو چو تیغ نشاید حصار مرد

بیش است عزم شیر نگاہ و بلند شاخ ÷ بر خصم بے سلاح دلیری ست عار مرد

اینجا در آب تیغ بخوں غوطہ خوردن است ÷ آئینہ تا کجا بود آئینہ دار مرد

حضرت بیدل کی سب شرائط مردانگی کا مظہر و مجموعہ سپہ سالار غازی ہیں ناداری میں استقامت جاری ہے۔ نقد کے مفقود ہونے سے جنس کو ہاتھ میں لانے کے لئے لشکر رخصت کیا جاتا ہے تاکہ فصل کی خبر لے۔ پھر بھی مقابلے پر آمادگی ہے۔ عزِ نفس کا تقاضا ہے کہ چوروں کے ساتھ مصالحت نکی جائے اور غیرت و متانت کی حصن حصین کی حفاظت تلوار کی دھار سے کی جائے غاصبوں کی طاقت بڑھ رہی ہے
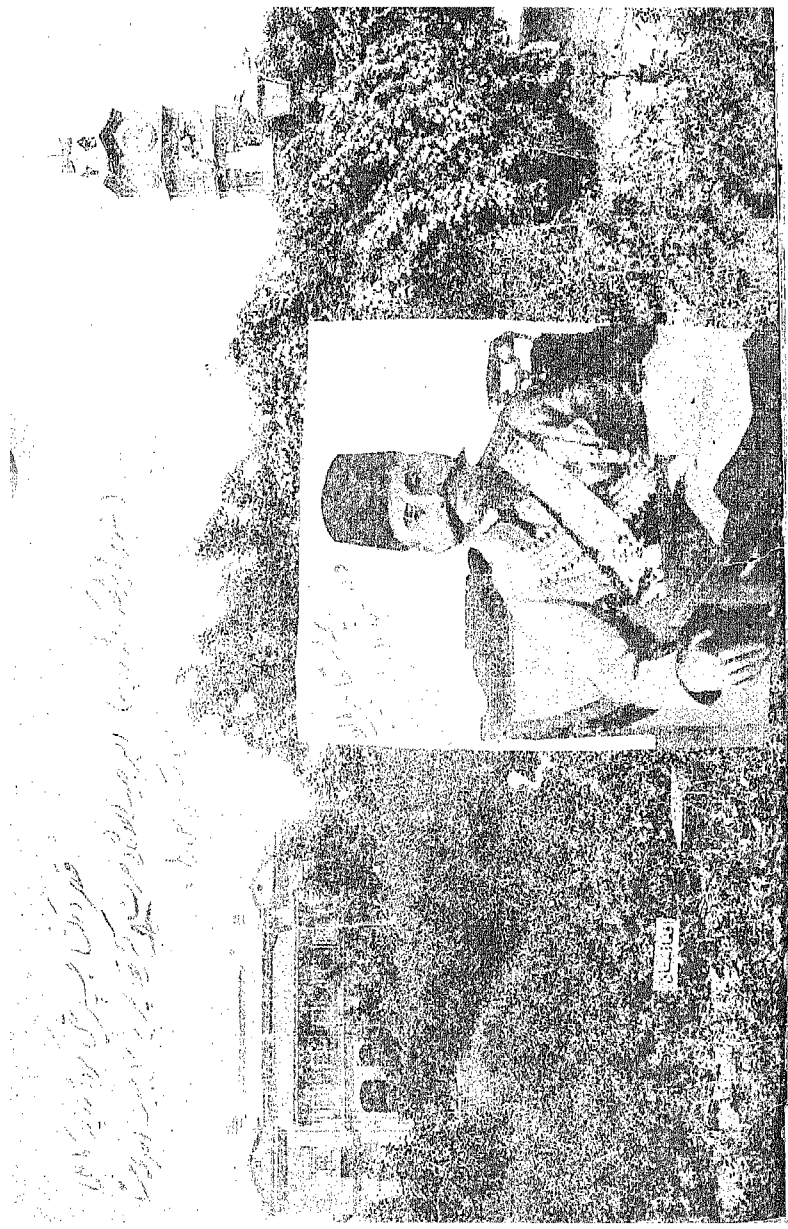
ان کا تسلط سارے افغانستان پر مستولی ہو رہا ہے اور اسلحہ و خزانہ انکے
پاس وفور سے ہے مگر بجائے پست حوصلگی کے اتنا ہی حمیت کا جوش انکی سرکشی
کیلئے زیادہ ہو رہا ہے کیونکہ جوہر فتوحات قوت ہی کے سامنے پورا کھلتا ہے -
جب سپہ سالار غازی فصلوں کے کاٹے جانے کی تعویق میں پڑے کابل اور
جلال آباد کی طرف مخابرہ و رابطہ کی ڈوریاں ڈال رہے ہیں افغانستان کو جو میں
وہ واقعات و انقلابات درپیش ہیں جو ظاہرہ انکی آشفتگی کا باعث ہیں مگر آخر چلکر
وہی انکی کامیابی کا موجب ہونگے جو رفع فتنہ و فساد اور قیام امن و اتحاد ہے -
قدرتِ حکیمانہ کردگار دشمن کے ہاتھ سے سانپوں کا سر کچل رہی ہے تاکہ اسی ایک
دشمن کے فنا ہونے کے بعد باقی اعداء سے میدان صاف ہو - چور کی لاٹھی نے
یہ کام کیا اور بھینس کا وہ مالک بن گیا شیروں کے حملے سے وہ اسے مع دودھ دہی اور
پنیر کے چھوڑ کر بھاگ گیا - جو لڑائیاں ڈاکوؤں کو پیش آئیں وہ انکے فاتح کو لڑانی پڑیں
اب مستقبل نظر جبکہ انجام مکتوم ہے دشواریوں کی گھٹا دیکھ رہی ہے جس میں دھار دیو
کے بادل گرج رہے ہیں اور ہمارے شیروں کی دھاڑیں نقاروں کے سامنے
طوطیوں کی آوازیں ہیں - انکی بجلیاں ذرا چمک لیں ابھی مطلع صاف ہو کر شمشیر
نادری آنکھوں کو چند چندھیا دیگی مگر فی الحال کالی رات ہے اور ہولناک برق کی روشنی
میں اگر کچھ دکھائی دیتا ہے تو صدای تفنگ سے گولوں کے اولے برستے نظر

آتے ہیں۔ اسکے دشمن بھاگتے جاتے ہیں مارے جاتے ہیں یا ان کی مشکیں کسی جاتی ہیں۔

سلیمان خیلوں کی امداد سے بچہ سقا کو امان اللہ پر دوبارہ فتح نصیب ہوئی جس کے دوبارہ خفیہ فرار سے قندھار بھی سقاوی فوج کے قبضے میں آگیا۔ اس سے البتہ ان کے حوصلے بڑھے اور قصد اور پختہ ہوا کہ سپہ سالار کے مقابلے میں پورے زور سے اتریں۔ جنوبی لشکر میں البتہ ہول و ہراس واقع مگر ساتھ ہی سرداروں کی تشویق و ترغیب سے انکی حس حمیت بھڑکی اور رگ غیرت تڑپی۔ اگر امان اللہ خاں کابل پر متصرف ہوجاتے تو محمد نادر خاں کیا کرتے انکے ساتھ کیا روش ہوتی یا شرقی و جنوبی قبائل کس طرح پیش آتے؟ ان نازک مسئلوں کا حل غیب سے جو کچھ ہونا تھا بہتر ہوا۔ الخیر فیما وقع۔

کابل سے چار سو میل جنوب سقاوی قبضے کے ساتھ اتنی ہی دور شمال مغرب میں بھی اسکا علم لہرانے لگا۔ امان اللہ خاں کے عہد میں ہرات کے لوگ اتنا تنگ آگئے تھے کہ اب انھوں نے ڈاکوؤں کی حمایت کو ترجیح دی۔ گورنر اور جرنیل مع دیگر امان اللہ خانی حکام اور افسروں کے سب مقتول کئے گئے۔ اگر محمد نادر خاں کابل فتح کر لیتے تو یہ لوگ کبھی اس بیرحمی سے مارے نہ جاتے مگر کیا وہ مطیع ہوجاتے یا امان اللہ خاں کے پھر واپس لانے کی کوشش کرتے؟ اسکا جواب خود چوروں نے دے دیا

اور ہراتیوں کی فریادوں کے منابع کو بارے مسدود کرکے اپنے جور و جفا سے انکو پھر چیخنے چلانے کا موقع دیا تاکہ سردار محمد سلیمان خاں مرحوم کی نائب الحکومیت اور سردار محمد ہاشم خاں کی نائب سالاری کو یاد کرکے انکی نصرت کے لئے دعائیں مانگیں اور خاموشی سے وقت آنے پر اطاعت اختیار کرلیں۔ ڈاکوؤں کا غلبہ لہٰذا بالفعل روحانی استدلال سے مناسب تھا۔ الخیر فیما صنع اللہ تعالیٰ۔ مگر اس نتیجے سے قبل مجاہدوں کے لئے ڈاکوؤں کی روز افزوں ہیبت وقوت موجب تشویش ضرور تھی۔

کابل سے سینکڑوں میل جانب شمال بھی بدمعاشوں کا سکہ جم گیا تھا۔ جنرل غلام نبی نے روس کی طرف سے مزار شریف پر حملہ کیا۔ اسکے ساتھ افغان ہزارہ اور ترکمان اعلیٰ درجے کے اسلحہ و سامان حرب سے آراستہ تھے۔ انھوں نے توپوں اور طیاروں کے بمبارڈمنٹ سے سقاوی فوج کو شکست دی جس کے رد میں اعلان شائع ہوا کہ غلام نبی روسی افسر و لشکر کے ساتھ ہماری اسلامی سرزمین میں داخل ہوکر امان اللہ خاں کی بحالی کے لئے لڑ رہا ہے اسلئے تمام ملت کا فرض ہے کہ اس غلبۂ کفر کے اندیشے کو متفق ہوکر دفع کریں۔ چنانچہ غلام نبی کو واپس روس میں پناہ لینی پڑی اور پھر وہ خطۂ پاک مسلمانوں کے قبضے میں آگیا اگرچہ وہ مسلمان فاسق تھے مگر کافر نہ تھے۔ بخارا و خیوا کی مثالیں کافی شاہد ہیں کہ روس آگ لینے کے لئے آتا ہے و ہیں

کی خیریت و حریت کو چولھے میں پھونک کر خود گھر بار کا مالک بن جاتا ہے۔ یہاں بھی اگر اسکا پاؤں جم جاتا اور پھر محمد نادر خاں کابل پر قابض ہوتے تو معلوم نہیں کیا قیامت برپا ہوتی۔

یہ تائید ایزدی تھی کہ سقاوی حکام نے گھمنڈ ہو کر ایسے ظلم و تشدد کئے کہ رعایا اپنی شامت اعمال سے تائب ہو کر ایسی حکومت کا انتظار کرنے لگی جو سلطنت کسری سے مشروط ہو۔ یہ تو بعد میں معرض ظہور میں آیا مگر اب افغانستان کے چار کھونٹوں میں چوروں کا ڈنکا بجنے لگا اور ملت کو تقریباً یقین ہو گیا کہ انکی سلطنت مستحکم ہو گئی ایک سقہ زادان بلکہ سمت شاہی کا ایوان تاریخ کی بارگاہ سلاطین میں تعمیر ہو گیا۔ انکو بھی اس جاہ بیجا اور کبر بیجا بادشاہی کے نشے میں اب سوائے اسکے اور کچھ نہیں سوجھتا کہ اس ایک سد راہ کو ڈھائیں جو جنوب کی طرف انکی تکمیل مراد میں حائل ہے۔

فصل ششم

فتح و شکست

جرنیل محمد صدیق نے غازیوں کو کھیتی باڑی میں مصروف پاکر جلدی دھاوا بول دیا۔ مکمل لوازم جنگ کے ساتھ راتوں رات تیرہ کی گھاٹی کو عبور کر کے گردیز کی جانب قلعہ سفید پر قبضہ کر لیا اور سقاوی فوج گویا گردیز پر سوار ہو گئی۔ یہاں سے انھوں نے محاربے کا نوٹ بھیجا کہ تین گھنٹے کے اندر چھاؤنی اور شہر اطاعت اختیار کر لیں ورنہ بمبارڈمنٹ شروع ہوگا۔ جرنیل شاہ ولیخاں نے سپہ سالار صاحب کو ٹیلیفون میں اطلاع کر کے جو بارہ میل دور ہے ضروری ہدایات منگائیں۔ مجلس مشورت منعقد ہوئی جس کے آغاز میں سردار شاہ ولی خاں نے کہا کہ میں اپنی طرف سے موت کو قبول کر کے زندگی کے آخری سانس تک لڑوں گا۔ بہت بحث کے بعد فیصلہ ہوا کہ بہرحال لڑائی ضروری ہے جو آناً فاناً جاری ہوگئی۔ توپوں اور بندوقوں کی مہیب آوازوں سے پہاڑ ہل گئے اور دل دہل گئے مگر ان سے گردیزیوں کے دل مرعوب نہیں ہیں جو صرف ساٹھ کی تعداد میں بچہ سقا کے پانچ ہزار آدمیوں کے مقابلے میں

لڑنے کو نکلے ہیں۔ اگرچہ بعد میں کمک بھیجی جارہی ہے مگر جب یہ پوری پہنچ جاتی ہے تو بھی چھ سو جنگجوؤں سے زیادہ میدان جنگ میں نہیں گنے جاتے۔ لڑائی شدت پکڑتی جاتی ہے۔ سقاوی فوج اپنی کثرت کے سبب آگے بڑھتی ہے اور میدان طیارہ سے گذر کر گردیز کے قلعوں تک پہنچ جاتی ہے۔ غازیوں کی بائیں طرف پیچھے ہٹتی ہے۔ مگر درمیان اور دائیں جانب سے حملہ شروع ہوتا ہے جس کو دیکھ کر پسپا جماعت بھی پیش قدمی کرتی ہے۔ سقاوی فوج کی پہلی صف میں ضعف پیدا ہوتا ہے ان کے پیچھے قدم رکھتے ہی غازی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اتنے میں سپہ سالار غازی کی طرف سے منگل طوطاخیل اور احمد زائی پہنچ جاتے ہیں جو باوجود سفر کی تھکان کے دفعۃً میدان میں کود پڑتے ہیں۔ محمد صدیق زخم کھا کر گھوڑے پر مع چار سو آدمیوں کے بھاگ کر سہاک چلا جاتا ہے جو گردیز سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ باقی دشمن قلعہ سفید میں جا آرام کرتے ہیں مگر جیسا تمام دن توپوں، مشین گنوں اور بندوقوں سے محاربہ قائم رہا ہے اب بھی شام کو ویسی ہی شدت سے جاری ہے۔ رات کو بدمعاشوں کا لشکر قلعہ سفید سے بھی نکل جاتا ہے کئی توپیں مشین گنیں لاریاں کارتوسوں کے چھکڑے اور پانچ سو سپاہی اسارت جنگ میں ہاتھ آتے ہیں۔

علاوہ ان تنقیدات کے جو لایڈ جارج نے کیچنر پر عاید کی ہیں ایک ایرانی محرر نے لکھا تھا کہ یہ سپہ سالار مشرقیوں کے غیر منتظم لشکروں پر فتح پاکر مشہور ہو گیا جب یورپ کے

منضبط عسکر سے پالا پڑا تو شکست سے دوچار ہوا۔ جرنیل محمد صدیق ایک تعلیم یافتہ
جوان تھا جس نے علاوہ جنگی تجربوں کے پانچ سال سمت جنوبی میں فوجی حکمرانی
کی تھی۔ سقاوی افواج تمام ملک میں مظفر و منصور ہو کر اب اس جرنیل کے ساتھ
آخری سر توڑ حملہ کرنے کو آمادہ ہوئی تھیں۔ انھوں نے بیس میل کا سفر راتوں رات
طے کر کے بیخبر قلعہ سفید پر قبضہ کیا۔ دن چڑھنے کے چار گھنٹے بعد جرنیل نے
نوٹ بھیجا۔ دوپہر کو لڑائی چھڑ گئی۔ اس طرف جرنیل شاہ ولی خاں رات بھر نہیں
سوئے۔ دن کو ضروری صلاح و مشورے سے محاربے کے نقشے کے ہر ایک
نکتے کو سوچکر اسی پر عمل کرتے رہے کارتوس رسد اور کمک پہنچانے میں
پوری مستعدی سے کام لیا۔ اپنے مافوق سپہ سالار کو بروقت اطلاع دیتے
تھے۔ الغرض ہر طرف سے ایسا اہتمام و انصرام کیا کہ اپنے جیسے جرنیل کو جسکے ساتھ
دس حصہ زیادہ فوج اور سامان تھا شکست فاحش دی جو سقاوی قوت کو پہلی
زک ہے اور جرنیل شاہ ولی خاں کا بحیثیت افسر اور مدبر کے بڑا کارنامہ ہے جو
ان کے دیگر معرکوں کے ساتھ افغانی تاریخ میں طلائی حروف کے ساتھ لکھا رہیگا
اس زیبا افغان اور رعنا جوان پر ملت جتنا فخر و ناز کرے انکے شایان شان ہے
قبائل کی تحریکات کے اثنا میں سپہ سالار غازی آئندہ جنگ کی تیاری میں منہمک تھے
پہلے تو اسیران حرب کو معائنہ کر کے انھیں ندامت دلائی کہ کیوں ایک واجب القتل

چور کی اطاعت میں کمر باندھی تھی بچیران کو فی کس پانچ پانچ روپے سفر خرچ دے کر گھروں میں بھیجدیا مگر کو ہامنی سپاہیوں کو حراست میں رکھا۔ تیرہ کی گھاٹی پر محافظین مقرر کیئے۔ جرنیل شاہ محمود خاں کو لکھا کہ اپنے لشکر کا ایک حصہ لوگر میں حملہ کرنے کو اور دوسرا تیرہ کی طرف روانہ کرو۔ اسکے ساتھ ہی احمدزائیوں کا ایک دستہ اس طرف بھیجا جنھوں نے دیکھا کہ سقاوی فوج کی موٹریں التمور میں پہنچکر خود بچہ سقا کے ساتھ تیرہ کی طرف چڑھ رہی ہیں۔ ناگہاں ان کو دو طرف سے گھیر کر گولیوں کی بوچھاڑ میں لیا چوروں کے بادشاہ نے ایک پتھر کے پیچھے جا کر مشین گن کو اپنے ہاتھ سے چلایا۔ ڈھائی گھنٹے مساوی گولہ باری جاری رہی۔ آخر غازیوں نے چند آدمیوں کو بے خبر بچہ سقا کی طرف روانہ کیا جنکی شدید آتش میں گھر کر وہ پھر موٹر کی طرف لپکا اور باقی چور بھاگ گئے یا اسیر ہوئے۔ فاتحین التمور پہنچکر کارتوس مشین گنیں اور دو توپیں ہاں سے لائے۔ بادشاہی کے دوران میں بچہ سقا کو یہ پہلی شکست فاش ہوئی۔

باوجودیکہ ان دونوں خوش نصیبوں سے سرداروں کے اقتدار و وقار میں اضافہ ہوا مگر انکے عملی اختیارات میں اسلیئے ترقی نہوئی کہ لشکریوں میں بھی غرور اور رعونت نے سر نکالا۔ محمد صدیق سہاک میں تھا اور وہاں کے باشندے اسے پناہ گزیں سمجھکر افاغنہ کی رسم کے مطابق اپنی حفاظت میں لیئے ہوئے تھے۔ سپہ سالار اور جرنیل شاہ ولی خاں مصالحت سے انکے ساتھ فیصلہ کرنا چاہتے تھے مگر بعض قبائل زور

سے ان کو منواتے تھے کہ سقاوی جرنیل کو انکے حوالے کردیں ۔ اس سے اندیشہ تھا کہ آپس ہیں لڑائی چھڑ جائیگی اور کابل کی طرف حملے ہیں دیر ہوگی ۔ پھر غوث الدین پردے سے نکلتا ہے اور اپنی قوم کے ساتھ منگلوں اور طوطا خیلوں کو بھی ملا کر سہاک ہیں قطعی اعلام بھیجتا ہے کہ محمد صدیق کو ہمارے سپرد کردو ورنہ لڑو ۔ چنانچہ لڑائی شروع ہوگئی ۔ سقاوی توپیں چلنے لگیں غازیوں کی طرف سے بھی پورا جواب دیا جاتا تھا ۔ کئی دن کی جنگ کے بعد سہاک والوں اور سلیمان خیلوں کو اپنی کمزوری محسوس ہوئی جب ان کے کئی قلعے خالی ہوگئے تو صلح کا پیغام دیا کہ ہم محمد صدیق کو اپنے ہاں سے نکالے دیتے ہیں ۔ محاربہ بند ہوگیا ۔

عین انتظار ہیں کہ صلح کا وفد آئیگا سہاک کی طرف سے سخت گولہ باری جاری ہوئی جو رات بھر متواتر قائم رہی ۔ پو پھوٹتے سقاوی لشکر جو دوسری راہ سے مع سامان حرب کے دن کو وارد ہوا تھا اور یہی از سر نو لڑائی کا باعث ہوا تھا محمد صدیق کی کمان ہیں امنڈتا گردیز کے دو میل نزدیک آگیا ۔ اب مقاومت محال تھی اور میدان کا ہاتھ سے جانا بدیہی تھا اس حال ہیں جرنیل شاہ ولی خاں نے سپہ سالار کو خط لکھا کہ یہ بے سر و پا لڑائی جو قبائل نے بغیر انتظام کے شروع کردی ختم ہونے کو ہے ۔ دشمن ہر لحظہ گردیز کے نزدیک پہنچ رہا ہے ۔ مجھے ایک دو گھنٹے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہئیے تھا مگر مجبور ہوں کہ باشندوں

کو پہلے رخصت کر کے پھر اپنی فکر کروں۔ یہ سب سقاوی حکومت پہ ہجرت کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے آبائی گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ان کی آخری تسلی میری موجودگی ہے لہٰذا آخری شخص جو یہاں سے نکلے میں ہوں گا۔

فصل نہم

داخلی اور سرحدی اتحاد میں مزید کوششیں اور لڑائیاں

وہ ملی وحدت جس کے لئے سپہ سالار غازی اور ان کے بھائی جان لڑا رہے ہیں اور جس کے ساتھ ضبط و ربط اور نظم و نسق لازم و ملزوم ہیں۔ چند سال پہلے سکندلا کی طرح آغوش میں تھی مگر اتنی اہم چیز مفت ہاتھ نہیں لگتی۔ اس کی قدر فراموش ہو گئی۔ وہ دیوی شرم کھا کر فراق کے پہاڑ پر جا بسی۔ ابھی وصال دور ہے۔ قبائل کی خونریزی اور دشمنی پھر اپنا رنگ لائی۔ فتح شکست میں مبدل ہو گئی۔ گردیز کا معتنابہ مقام پھر قبضے سے نکل گیا۔ سپہ سالار کو یہ علاقہ ہی چھوڑنا پڑا اس لئے راتوں رات کوچ کرتے اور ایسے دروں سے گذرتے جہاں ہر وقت باشندوں کے ناگہاں حملے کا خطرہ تھا ایک گاؤں میں تھوڑا قیام کیا پھر دن بھر سفر کرتے شام کے قریب جاجی کے موضع ششگیہ میں وارد ہوئے جہاں جرنیل شاہ محمود خاں اور ان کے لشکر نے بڑے اژدحام اور احتشام کے ساتھ استقبال کیا۔

یہ بہادر جرنیل اپنے برادر ارشد کے ارادوں کو مؤثر بنانے میں کوشاں

رہکر کا منگار ہوتے ہیں جاجیوں کے ساتھ لوگر میں پہنچکر فتحیاب ہو چکے ہیں اگرچہ دوسرے قبائل کی بدنظمی و بے اتفاقی سے ان کو رجعت کرنی پڑی مگر ان کے اپنے جیتھے میں کوئی تفرقہ نہیں ہے۔ تمام جاجی قوم ان کے خلق ایثار مردانگی شجاعت اور ہمت پر ثناخواں ان کے اشارے پر فدا ہونے کو تیار ہے اور وہ خود بھی جاں نثاری کی روشن مثال قائم کیئے فعالیت سے ہر مخوف محل میں جا داخل ہوتے ہیں اور اپنی ہوشمندی استقامت اور صلاحیت سے نامداری کا سہرا باندھے لوٹتے ہیں یہ نوجوان افغان جن پر پیر و برنا فخر کرتے ہیں کئی ہنگاموں میں شہرت حاصل کر چکے ہیں اور اب جاجی میں انھوں نے وہ معرکۃ الآرا کام کیا ہے جس سے آئندہ کامیابی کی امیدیں وثوق کے ساتھ وابستہ ہیں۔ سب قوم متحد ہے اور گذشتہ ہزیمت و پریشانی کی پرواہ نکر کے جو دوسری اقوام کی ابتری و خود رائی سے پیش آئی ہے سب کی تلافی کا یقین دلاتی ہے۔

سپہ سالار حسب معمول اسی پر زور دیتے ہیں کہ تمام قبائل میں پہلے اتحاد محکم کر کے پھر کابل پر حملہ کیا جائے ورنہ جاجیوں کے دو ہزار آدمی ابھی جا کر اسے فتح کر سکتے ہیں۔ ایک وفد گردیز کی طرف روانہ کیا جائے تاکہ بکھرے ہوئے شیرازے کو پھر ملائے اور دوسرا جلال آباد کی جانب بھیجا جائے کیونکہ سردار محمد ہاشم خاں کی مساعی جمیلہ سے لوگ آمادہ ہو گئے ہیں کہ چوروں کی ننگ دور کر کے کابل میں

ایک درست سلطنت کی بنیاد رکھی جائے۔ مشرقی قبائل لڑائی کے لئے بیچین ہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ ایک دن ان کی طرف سے اور جنوبی جانب سے حملہ ہو۔ مشرق میں بھی ایک وفد بھیجنا لازم ہے تاکہ ان کے ساتھ مشورہ کر کے نقشۂ جنگ تیار کرے۔ تیسرا کام یہ ہے کہ ایک لشکر دوبندی کی راہ سے لوگر میں جا کر مقیم ہو تاکہ ناگہانی حوادث کا مقابلہ کرے۔ خوانین حاجی نے ایک رات کی سوچ وچار کے بعد ان تجاویز کی تصدیق کی اور تعمیل کیلئے آمادہ ہوئے۔

جرنیل شاہ محمود خاں ڈھائی ہزار لشکر کے ساتھ لوگر کی طرف روانہ ہوئے اور سمت جنوبی کے ساتھ مخابرات وارتباط کا کام بھی ان کے سپرد ہوا۔ قاسم خیل پہنچکر انھوں نے لوگر کے ساتھ راہ ورسم شروع کی اور اس اثنا میں مصنوعی لڑائیوں اور ورزشوں میں مصروف ہوئے۔ لوگر کے احمدزئی ڈھائی سو کی تعداد میں حاضر ہو کر جنگ کی تعجیل کے خواہاں ہوئے۔ حاجیوں نے بھی چند روز کے بعد بے صبری ظاہر کی اور جرنیل صاحب کی رضامندی سے خوشی پر حملہ آور ہوئے جو چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ چھ گھنٹے کی لڑائی کے بعد فتحیاب ہوئے۔ بہت سا سامان حرب اور ایک سو ستر اسیر حرب ہاتھ آئے جو سپہ سالار کے پاس علی خیل بھیجے گئے۔ کاریزدرویش پر تعرض کا ارادہ تھا جو سقاوی عساکر کا مرکز ہے مگر گرمی کی شدت کے سبب جس میں دو آدمی ہلاک ہوئے یہ فیصلہ ترک کرنا پڑا۔

اس کے بعد گردیز کی طرف متوجہ ہوئے اور احمد زئیوں اور طوطاخیلوں کے لشکر کے ساتھ سقاوی فوج پر دو دن کی لڑائی کے بعد غالب آئے اور ان کا بالا دہ تک تعاقب کیا جو گردیز سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ لشکر زیادہ کرکے یہاں ان پر حملہ کیا گیا اور جیسا اس موضع کا نام ظاہر کرتا ہے یہ ایک ٹیلے پر تھا جہاں سے دشمن کو اتارنا سہل نہ تھا۔ رات بھر کے مقابلے کے بعد لشکر صبح واپس آیا۔ اس اثنا میں سقاوی کمک پہنچنے کی خبر آئی جسکے روکنے کا بندوبست کیا گیا۔ بڑی سخت لڑائی کے بعد دشمن مقتولوں زخمیوں اور اسیروں کی بہت تعداد مع ذخائر حرب چھوڑکر بھاگ گیا۔ اب بالا دہ پر بھی تصرف ہوگیا اور بعد ازاں جب کبھی سقاوی فوج کے ساتھ مٹ بھیڑ ہوتی جرنیل موصوف فاتح ہوتے۔

سمت مشرقی کی طرف وفد عبداللہ خاں شاہجی پشاوری کی ریاست میں سرعت کے ساتھ سردار محمد ہاشم خاں کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں اکثر قبائل لڑائی کے لئے تیار تھے چنانچہ ان کا ایک لشکر تیزین کی جانب روانہ ہوا تاکہ حملے کے لئے وہاں منتظر رہے۔ بچہ سقا خود ان کے مقابلے کے لئے نکلا۔ جنگ جاری ہوگئی جس میں چور کو بھاگنا پڑا اور اس کا کابل سے پانچ میل کے فاصلے تک تعاقب ہوا۔ چونکہ ابھی حملے کا وقت معین نہیں ہوا تھا اس لئے مشرقی لشکر واپس آگیا۔ بچہ سقا نے اگرچہ ارک میں محصور رہنے کا اندیشہ و انتظام کیا تھا مگر دوسری طرف سے پیش قدمی نہ دیکھکر پھر

باہر نکلا اور مشرق سے ہجوم کو روکنے کے درپے ہوا

جاجیوں کا وفد گردیز کی طرف روانہ ہوا اور منگل طوطاخیل احمدائی گردیزی وغیرہ بڑی مروت سے پیش آئے اور سب نے سپہ سالار صاحب کے رخصت ہونے پر حسرت دکھائی اور دکھائی آخر ایک معاہدہ قرآن شریف پر تحریر کیا گیا جس میں اتحاد کے استحکام کا عمومی اقرار ہوا۔ اس کے رو سے قبائل کا ایک لشکر گردیز کی محافظت کے لئے اور باقی جرنیل شاہ محمود خاں کے ساتھ الحاق کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ ہر ایک قبیلے سے چالیس چالیس آدمی منتخب کئے گئے جو متحدہ جنگ کے لئے اور لشکر فراہم کریں۔

سپہ سالار صاحب کسی اور خبر و واقعے سے اتنا خوش نہیں ہوتے تھے جتنا اقوام کے اتحاد سے لہٰذا اب مطمئن ہو کر اس وحدت کو زیادہ وسعت دینے کا اہتمام کرنے لگے۔ اہل قندھار ہزارہ سرحدات فراہ ہرات میمنہ مزار اور قطغن وغیرہ سب کو اسی اتفاق و اتحاد کے دعوت نامے بھیجے گئے تاکہ جمع ہو کر چوروں کے دھبے کو دھوئیں اور آئندہ ایک صالح ولائق بادشاہ کا انتخاب کریں۔

اس اثنا میں سابق افغانی وکیل التجار نے پشاور سے پچاس ہزار روپیہ کابلی بھیجا۔ بعض متمول اشخاص سے قرض لیا اور چندہ بھی اکٹھا کیا جس سے رسد کی خرید کا انتظام ہوا۔ ان اصحاب کے نام مع دیگر مقالات کے اخبار ''اصلاح'' میں جو

سائیکلوسٹائل میں چھپانا شروع کیا درج ہوتے تھے۔ اس کے نسخے ہر جگہ مفت تقسیم کئے جاتے تھے اور اگر کوئی کابل میں آ جاتا تو اس کو نوجوان نقل کر کے اور اشاعت دیتے۔ سپہ سالار غازی کا بہت وقت علاوہ فوری جنگی تیاریوں کے اعلانات و اشتہارات لکھنے لکھانے اور بھیجنے بھجوانے میں صرف ہوتا تھا جس لئے یہ اخبار بہت مفید و مؤثر آلہ ثابت ہوا۔ علاوہ ان اشخاص کے جو ہر افسر کے ساتھ خبریں بہم پہنچانے کے لیے معین تھے ایک جدا جماعت صرف اسی کام پر مقرر کی گئی کہ بچہ سقا کے غلط اعلانات کا جواب شائع کرے اور صحیح خبروں سے قومی وحدت میں مدد دے۔ قندھار کے قبائل کو یہ سب تحریریں پہنچ جاتی تھیں اگرچہ چمن کے راستے جو قاصد بھیجا گیا اس کو انگریزوں نے منع کر دیا۔

اورکزئیوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی صلاح کی گئی مگر ان کا راہ عبور انگریزی علاقے میں واقع تھا ان کو کبھی اجازت نہ ملی اور یہ عذر پیش کیا گیا کہ افغانستان کے معاملے میں انگریزی حکومت اپنی بے طرفی کی وجہ سے مداخلت یا معاونت کا موقع نہیں دے سکتی۔ اب وزیریوں کی طرف توجہ کی گئی کیونکہ ان کا ملک افغانستان کے متصل ہے اور ان کے شریک ہونے کی مخالفت میں جلدی نہیں ہو سکتی۔ وزیرستان میں ایک وفد بھیجا گیا جس کی کامیابی اللہ نواز خان کی جد و جہد پر منحصر تھی۔ یہ جوان ملتانی افغان لاہور کالج سے ہجرت کر کے گیا تھا اور نہ صرف جہاد استقلال بلکہ اس سلسلہ مجاہدات

میں بڑی جاں نثارانہ خدمات کا مصدر ثابت ہوا ہے۔

اب وزیری تو آمادہ ہیں مگر ان کے راستے میں معنوی مزاحمات حائل ہیں خوست میں بعض لوگ ان کے دیرینہ معاند ہیں اور سفادی ترغیبوں نے انکو اور بھڑکا دیا ہے حتیٰ کہ چوروں کے کپڑے لاٹھی کے گزوں سے ناپے جا کر نیم ملاؤں کی فراخ خلعتوں میں جلوہ دکھا رہے ہیں اور وہ اس ڈاکو کو مہدی کہتے شرم نہیں کرتے اور اسی انداز اور معیار سے سپہ سالار غازی کی مذمت کرتے ہیں کہ ان کے پاس دینے کو کچھ نہیں لہٰذا ان کے ساتھ معاونت کرنا بغاوت ہے۔ ان باتوں کے انسداد کے لئے منگلوں اور جدرانوں کی کافی تعداد پہلے روانہ کر دی گئی کہ وہ وزیریوں کا استقبال بھی کریں۔ خوست میں پہنچتے ہی لڑائی ہوئی مگر وزیری جو چار ہزار کے قریب تھے منگلوں اور جدرانوں کی مدد سے غالب آئے اور بعد ازاں بغیر مزاحمت کے سپہ سالار غازی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انگریز پھر جھنجلائے اور درشتی سے وزیریوں کے واپس بھیجے جانے پر اصرار کرنے لگے مگر سردار غازی نے دلائل دے کر انکی مراجعت سے انکار کیا۔ انکا ایک حصہ جرنیل شاہ محمود خاں کے پاس بھیجا گیا جو گردیز کے نزدیک اقدامات کر رہے تھے اور دوسرا جرنیل شاہ ولی خاں کے پاس کابل پہنچنے کے لئے روانہ کیا گیا۔

سمت مشرقی میں سردار محمد ہاشم خاں بعینہٖ وہی کارروائی کرتے رہے جو ان کے

بڑے بھائی سمت جنوبی میں کر رہے تھے۔ قبائل کو جمع کرنا ان میں اتفاق ڈالنا اور پھر کابل کی تسخیر کے بعد ایک صحیح اسلامی سلطنت قائم کرنا۔ ان کو اس درجہ کامیابی ہوئی کہ مشرقی لشکر نے بچہ سقا کو کابل کے قلعے میں پناہ لینے پر مجبور کیا مگر جیسا سپہ سالار چاہتے تھے کہ اقوام کے اجتماع سے ایک دفعہ حملہ ہو اسی طرح نائب سالار کی بھی یہی خواہش تھی۔ انھوں نے سمت مشرقی کے دور دراز علاقوں میں اس اتحاد کا جال پھیلایا حتیٰ کہ مہمندوں اور آفریدیوں کو بھی شریک کیا۔

بچہ سقا نے دیکھا کہ ان کی قوت بڑھتی جاتی ہے اور اس کا اقتدار کابل سے شرقی جانب صرف دس میل تک ہے لہٰذا اور سب طرف سے زیادہ اب اس جانب توجہ کی۔ شنواریوں کا ایک حصہ تو شروع میں اس کا طرفدار ہو گیا تھا۔ اب خوگیانوں کے دو فریقوں میں سے ایک کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اپنے بھائی حمید اللہ کو مع ڈاکوؤں کے گروہ کے موٹروں لاریوں اور گاڑیوں میں بٹھا کر موافق خوگیانوں کے پاس پہنچا دیا۔ اس ناگہانی نفاق و شقاق اور قومی ہجوم کے سامنے یہ مصلحت ہوئی کہ سردار محمد ہاشم خان جیسا کہ سپہ سالار غازی نے ان کی قندھار میں ضرورت کے متعلق لکھا تھا وہاں روانہ ہوں اور محمد گل خاں جاجی میں جائیں۔

فصل دہم

کابل پر غازیوں کا دلیرانہ حملہ

اس لیل و نہار کے دورے میں جب فتح کے بعد شکست کا اندھیرا اور ہزیمت کے بعد موفقیت کی روشنی اور پھر دن کے درمیان تفرقے اور حملے کے بادل اور رات میں چاندنی کے متواتر مناظر چکر لگا رہے تھے۔ آخر وہ وقت آگیا جس کے لئے بیمار سپہ سالار تندرستوں سے بڑھ کر جد و جہد کرتے تھے۔ جرنیل شاہ ولی خاں مسلح جمعیت کے ساتھ قاسم خیل پہنچے تاکہ لوگر کے راستے کابل پر حملہ آور ہوں۔ سقاوی طیارہ نمودار ہوا جس پر اتنے فائر ہوئے کہ تھوڑے سے بیہودہ اشتہارات پھینک کر سیدھا کابل لوٹنے پر مجبور رہا۔ ایک سو آدمی کا پہرہ مقرر ہوا کہ تمام راستوں اور دروں میں گھوم کر سقاوی مخبروں کو پکڑیں چنانچہ دو شخص گرفتار کئے گئے جن سے بہت مفید مطلب کاغذ برآمد ہوئے۔ لوگر کے ملکوں کو تسہیلات کے لئے اطلاع دی گئی اور پندرہ ہزار لشکر کے کھانے کا انتظام کیا گیا۔ ایک دستے نے پہلے جا کر ایک بڑے پل کو ڈھایا اور ٹیلیفون کو کاٹا۔ ایک ہزار آدمی تنگی واغجان کو بھیجا گیا جو کابل اور لوگر کے

درمیان ایک تنگ درہ ہے۔ ایک رات کی لڑائی کے بعد تمام سقاوی فوج مع سامانِ حرب و رسد کے گرفتار ہوئی۔ اگرچہ اس مفتوح جگہ کو قبضے میں رکھنے کے لیے کمک بھیجی گئی مگر ایک طرف کابل سے اور دوسری جانب کاریز درویش کی سقاوی فوج آ پہنچی جن کے مقابلے میں رجعت مرجح سمجھی گئی۔ مولوی اللہ نواز خاں محمد آغہ کھیجے گئے جہاں سخت جنگ کے بعد دو سقاوی پلٹنیں مغلوب ہوئیں اور سب سامانِ حرب چھوڑ کر فرار اور پراگندہ ہوگئیں۔ اب تنگی واغجان کے پیچھے سے حملے کی تیاری ہوئی اور دوسری طرف سے بھی غازیوں نے گھیرا ڈالا جن کے درمیان سے بچہ سقا اپنی جمعیت کے ساتھ موٹروں پر سوار کابل کو بھاگا اور اس کی فوج کچھ اس کے پیچھے دوڑی جن کا چار آسیا تک تعاقب ہوا جو پایہ تخت سے دس میل دور ہے اور باقی کاریز درویش کے صدر مقام میں آ چھپی۔ ان لڑائیوں میں ایک دردانگیز سانحہ یہ تھا کہ سقاوی خندقوں میں عورتیں نہایت پریشان حالت میں ملیں۔ اسیرانِ جنگ میں سے جن پر جرم ثابت ہوا وہ قتل کئے گئے۔

چار دن کے بعد مولوی اللہ نواز خاں اپنے لشکر کے ساتھ چار آسیا پر متصرف ہوگئے۔ فتح کابل کے اس پہلے اور بڑے اقدام پر جس کی توقع جرنیل شاہ ولی خاں اس وسیع دل ہمدرد افغانان سے رکھتے تھے آپ نے حکم دیا کہ اس طرف سب قومی لشکر روانہ ہو۔ چار آسیا میں پہنچ کر یہ قرار پایا کہ اللہ نواز خاں اور محمد گل خاں طبنی حصہ یعنی جنوب مشرقی

سے اور آپ چہل ستون یعنی جنوب مغرب سے کابل پر حملہ آور ہوں۔ رات کو اللہ نواز خاں ایک گاؤں میں پہنچے جہاں ان کے بال بچے ایک غریب البتہ وفادار آدمی کے ہاں چھپے ہوئے تھے ان کو کئی مہینوں کے بعد جو دفعتہً ملے اور پھر فوراً جدا ہونے لگے تو وہ رونے چلانے لگے کہ اب ہم کو اکیلے مت چھوڑو۔ عجیب مشکل سے ان کو خاموش کیا اور اپنے ملی فرض کے ایفا کرنے میں مشغول ہو گئے۔

جب قومی لشکر نے استحکامات میں عارضی بسیرا کیا تو نواحی کے دہات سے لوگوں نے جو سقاوی ظلموں سے تنگ آ گئے تھے مہمانی کے طور پر ہر طرح کی رسد مہیا کی۔ شہر میں یہ حال ہے کہ باشندوں کو زبردستی پکڑ کر ان کے ذریعے سے ردلی پانی اور کارتوس پہاڑوں پر پہنچائے جاتے ہیں جو سقاوی فوجوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کی چوٹیوں پر ہر جگہ توپیں رکھی ہیں۔ ایک طرف قومی حملے کو روکنے کے یہ سخت انتظامات ہیں دوسری جانب موٹروں لاریوں اور گاڑیوں پر سامان حرب وغیرہ لاد کر کوہستان کی طرف لے جا رہے ہیں۔

کابل کے تین طرف تمام پہاڑوں سے توپوں مشین گنوں اور بندوقوں کی بجلیاں کڑک رہی ہیں اور بادل گرج رہے ہیں۔ شہر کے لوگ عجیب امید و بیم میں پھنسے عورتیں بچوں کو سجدے میں ڈال کر ان معصوموں سے دعائیں منگوا رہی ہیں کیونکہ بچہ سقا گلی کوچوں میں پھر کر اعلان کرتا ہے کہ اس حملے کو رد کرنے کے بعد شہر اور دہات میں

قتل عام اور جلاوطنی کا حکم دے گا۔ آسمائی اور شیر دروازہ کے پہاڑوں پر اتنی توپیں تھیں کہ وہ ان کے سبب چاردہی کی طرف سے مطمئن تھا جہاں غازی قابض تھے اسلئے وہ تپہ مرنجان میں زیادہ گردش کرتا تھا۔ دن کو قومی لشکر نے تین دفعہ حملہ کیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ بالاحصار کی جانب تمام روز بڑی شدت سے لڑائی ہوتی رہی مگر شام کو یہاں بھی حملہ آوروں کو پسپا ہونا پڑا۔

ناظرین حیران ہونگے کہ اس آخری اور قطعی محاربے میں بھی قومی لشکر کے بعض افراد سفادی تحریکات سے متاثر ہر دم کوئی خلل ڈالنے کے درپے تھے چنانچہ کسی نے وزیریوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ہمارے پاس کارتوس کم رہ گئے ہیں اور اگر کابل آج فتح نہوا تو ہم گرفتار ہو جائینگے اسلئے مناسب یہ ہے کہ ابھی کارتوسوں کے ساتھ جو راستے میں کام آئینگے گھروں کو لوٹیں۔ اللہ نوازخاں کو اس فتنے کی خبر ہوئی اور آنکھ جھپکتے سب وزیریوں کو آگاہ کیا کہ راستے کی قومیں مخالف ہیں تھوڑے کارتوسوں کے ذریعے انکے ہاتھوں زندہ بچکر نکلنا محال ہے اسلئے اگر مرنا ہے تو اسی نامدار لڑائی میں مرو جسمیں اگر جیتے رہے تو بادشاہی اعزاز حاصل ہونگے۔ اس پر غازی دوراندیشی سے دشمن پر ٹوٹ پڑے اور کسی مزاحمت کی پرواہ نکر کے اندھیرے کے پردے میں میگزین پر پہنچے اور تپہ مرنجاں کی طرف بڑھے جو شہر کے نواح میں ہے۔ یہ مقام سب سے زیادہ مستحکم تھا اور سقادی فوج کا قومی حصہ یہاں موجود تھا مگر ملی اور مقامی غازی اس چالاکی اور مہارت سے آدھی

نائب سالار عبداللہ خاں شاہجی

وزیر محمد گل خاں

وزیر اللہ نواز خاں
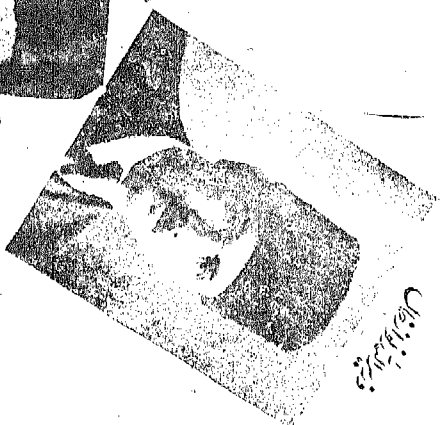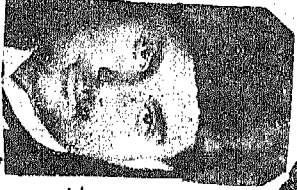
مرزا نوروز خاں سر منشی حضور

رات کو زندہ باناں سے گذر کر چمن میں پہنچے جو شہر کے متصل ہے کہ انکی پیشقدمی کی دشمن
کو اسوقت خبر ہوئی جب وہ محفوظ مواضع سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ایک طرف سقادی
فوج پر حملہ ہوا اور دوسری جانب قومی ڈھول بجنے لگے جنکی آوازوں سے شہر کے باشندوں
کی جان میں جان آئی۔ پو پھٹتے تپہ مرنجاں اور بالا حصار پر اللہ نواز خاں اور محمد گل خاں
مع اپنے بہادر لشکر کے متصرف ہو گئے۔

اس سے پہلے سردار شاہ ولی خاں نے شام سے پہلے آگے حرکت کی اگرچہ کوہ آسمائی
سے سخت گولہ باری جاری تھی مگر غازی باغ بابر اور دہ مزنگ میں پہنچگئے جو شہر سے ایک
میل دور ہیں۔ اب ان پر کوہ شیر دروازہ اور گذرگاہ کے پہاڑ سے بھی مشین گنیں اور بندوقیں
آگ کے اولے برسانے لگیں۔ رات بھر کی لڑائی کے بعد جب دوسرا حصہ لشکر کا میاب
ہوا تو سردار موصوف نے صبح کے وقت کوہ شیر دروازہ پر نہایت دلاوری سے قبضہ کر
لیا اور سقادی توپوں کو ہاتھ میں لاکر ان کا منہ کوہ آسمائی کی طرف موڑا جہاں دشمن اسلئے
اڑا رہا کہ کوہستان کی جانب خط رجعت کی حفاظت کرے آخر اس پر بھی غازیوں نے قبضہ کیا
جرنیل شاہ محمود خاں نے عبداللہ خاں شاہجی کو جو سمت مشرقی کے وفد کی ریاست
پر مقرر ہوئے تھے اور وہاں سے سرخروئی کے ساتھ لوٹے تھے اور دیگر خدمات بڑی
دلاوری جاں نثاری اور ہوشیاری سے بجالا چکے تھے اب گردیز کے محاصرے پر مقرر کیا
اور اسی طرح کاریز درویش اور جلال آباد کے راستوں میں کافی تعداد متعین کر کے تاکہ ان

مقامات کی سفادی افواج کو روکیں خود کابل کی طرف روانہ ہوئے جہاں رات سے
طالعمند واقعات سے آگاہی ہوئی - سپہ سالار کی خدمت میں ہر تین گھنٹے کے بعد تمام
محاذوں کی خبریں پہنچائی جاتی تھیں اور وہ سب جگہ لازمی ہدایات ارسال فرماتے تھے
اب ان کا حکم صادر ہوا کہ کابل کے عسکری امورات جرنیل شاہ ولی خاں اور محمد گل خاں کی
افسری میں اور ملکی معاملات جرنیل شاہ محمود خاں اور اللہ نواز خاں کے ادارے میں
سپرد کئے جائیں -
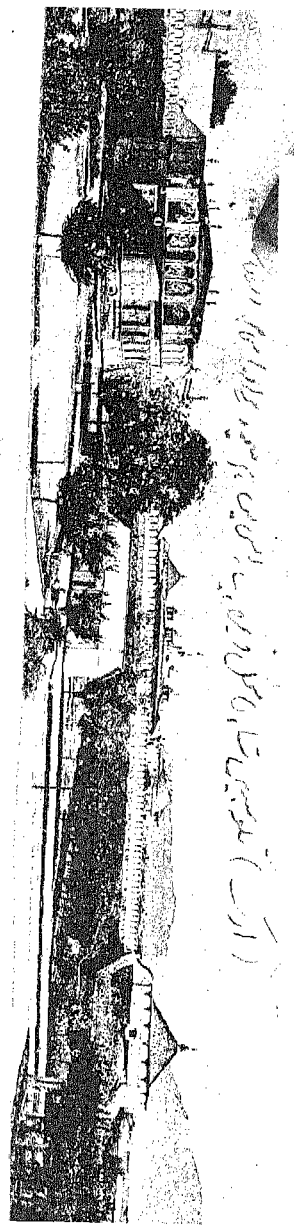
فصل یازدہم

کابل کی فتح
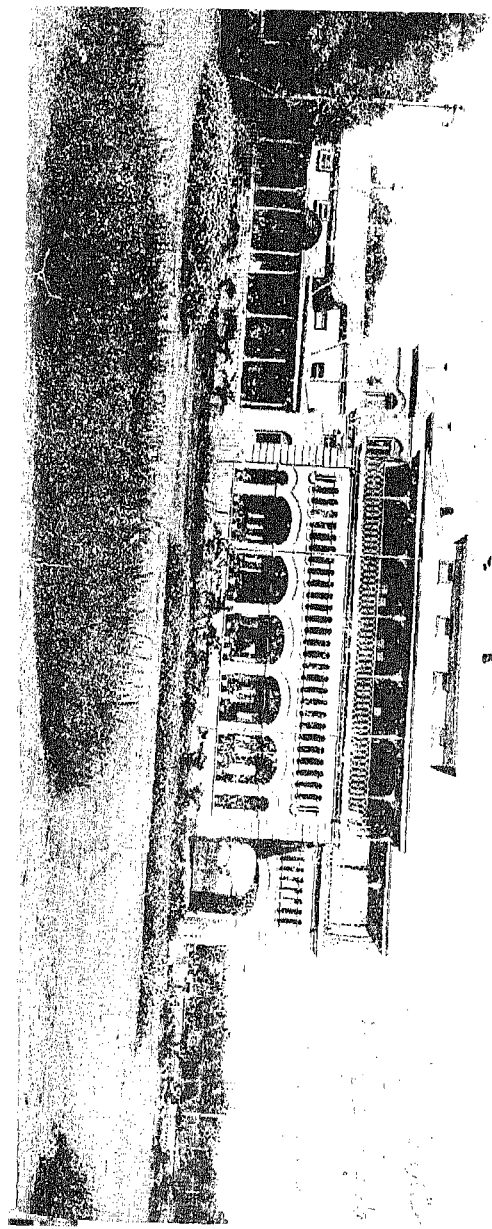
۱۶ ؍ میزان ۱۳۰۸ھ / ۸ ؍ اکتوبر ۱۹۲۹ء کابل میں ملی لشکر اور قبائل کے افراد گشت لگا رہے ہیں اور سقاوی ملازموں کی تلاش میں ہیں جو پہلے سے شہر چھوڑ گئے تھے۔ کوہ شیر دروازہ پر سے اتر کر جرنیل شاہ ولی خاں مع اپنے لشکر اور کابل کے باشندوں کے جو استقبال کے لئے وہیں پہنچ گئے تھے سڑکوں اور بازاروں میں سے چکر لگاتے مسجد شاہ دو شمشیرہ کے نزدیک فروکش ہوئے۔ جرنیل شاہ محمود خاں اسی طرح شہر میں امن کی تسلی دیتے چوب فروشی کی مسجد کے نزدیک نزول فرما ہوئے۔ محمد گل خاں اور اللہ نواز خاں اپنے رفقا کے ساتھ نہایت ہوشیاری اور پھرتی سے شہر کے انتظام کے سوا ارک کے محاصرے میں مصروف ہیں جو ایک پرلے درجے کی نزاکت اختیار کر گیا ہے کیونکہ بچہ سقا کے ساتھ فی تحیین کا سارا کنبہ ارک میں محبوس ہے اور گولہ باری سے یہ سب معرض تلف میں آتا ہے اور اگر ڈھیل دی جائے تو چوروں کو پھر کمک حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ ماجرا سپہ سالار کی خدمت میں فوراً تحریر کیا گیا۔

شیر جان وزیر دربار اور ملک محسن والی کابل وغیرہ سقاوی لوگ سمت شمالی میں حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور دوسری طرف پُردل سقاوی سپہ سالار نوگرسے پغمان کے راستے ایک کافی فوج کے ساتھ باغ بلند کے نزدیک پہنچ گیا ہے جو شہر سے ڈیڑھ میل دور ہے۔ یہاں سمت شمالی کی فوج بھی اسکے ساتھ ملحق ہو گئی ہے یہ دو ہزار آدمی ہو جاتے ہیں جو انتقام خواہی کے طیش میں بڑھ رہے ہیں قومی لشکر جس کے ساتھ اب کابل کے نواح کے آدمی بھی ہیں مقابلے میں نکلتے ہیں اور ان کو شکست دے کر پُردل کی لاش کو فاتح افسروں کے سامنے لا ڈالتے ہیں۔ اب فتح کابل کی دوسری رات ذرا اطمینان سے گزرتی ہے۔ تیسرے دن سپہ سالار کا خط پہنچتا ہے جس میں وہ باتیں جواب تک مکمل امتحان میں نہیں آئی تھیں صدق عمل کے آخری درجۂ معیار میں پوری اترتی ہیں :-

میں نے اپنے وطن محبوب کی امنیت و استقلال اور افغانیت کے شرف کی حفاظت میں ہمیشہ اپنی جان نثار کی ہے ملت اور وطن کے مفاد کے مقابلے میں اپنی جان اپنی اولاد بھائیوں اور بیوی کسی کو اہمیت نہیں دیتا ہوں۔ وطن کی سلامتی اور قوم کی شرافت کو محفوظ رکھنے کی خاطر اپنے سب خاندان کو قربان کر کے تم کو حکم دیتا ہوں کہ خائنانِ وطن کی اس جمعیت کو دفع کرنے میں میرے گھرانے کی زندگی حائل نہ ہو نہایت خوشی سے بمبارڈمنٹ شروع کر دو اور اس بارے میں کسی طرح کی پریشانی دل میں نہ لاؤ

کیا اچھی ہے وہ مرگ جو ملت کی حیات کا موجب ہو۔ میں ان قربانیوں کو قبول کرنا اپنی خوش قسمتی کا باعث سمجھتا ہوں۔

آئندہ ملکہ افغانستان مع اپنے جگر گوشوں کے ارک میں موجود ہیں۔ ناظرین حق بین دقت سے ملاحظہ فرمائیں گذشتہ واقعات میں سے ایثار کی مثالیں نکالکر موازنہ کریں ملت اور وطن پر فدا ہونے کے سوانح منتخب کر کے پیش نظر لائیں۔ اگر تاریخ میں ایسی چند حالتیں مذکور ہوں تو ذرا اور مقابلے کو طول دیں۔ جرنیل شاہ ولی خاں کی بیوی مع تین لڑکوں کے اور جرنیل شاہ محمود خاں کی زوجہ مع سات فرزندوں کے ارک میں حاضر ہیں۔ ان دونو جرنیلوں نے خود کھڑے ہو کر توپوں کا منہ ارک کی طرف موڑا اور آناً فاناً گولے ارک میں برسنے لگے۔ ان دونو بلند ہمت عالی حوصلہ اور ملت کے سچے خیر خواہوں اور وطن پر اپنے اہل و عیال کو قربان کرنے والوں کا مقابلہ افغانستان اور پھر دوسرے ممالک کے جوانمردوں کے ساتھ خوب انصاف سے کرو ؎

نہ عارض نہ زلفِ دوتا دیکھتے ہیں ٭ خدا جانے ہم تجھ میں کیا دیکھتے ہیں

اطمینان سے توپوں کی آگ کے شعلے دست دشمن پر گرا رہے ہیں۔ ان کی دلی کیفیت کے ساتھ شہر کے باشندوں کی عقیدت البتہ بڑھ رہی ہے اور قلعے میں دشمن بھی اس سے حیرت میں ڈوب رہے ہیں جن میں سے ایک حصہ ایسا متاثر ہوتا ہے

کہ اس قربان خاندان کے ساتھ ہمدردی وحمایت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔
دن کے بعد رات کو بھی ارک پر گولہ باری ہوتی رہی اور چونکہ وہاں سے بڑی شدّت سے توپوں مشین گنوں اور بندوقوں کا جواب ملتا تھا اسلئے قلعے کے نزدیک جانا محال تھا۔ ایک دفعہ محاصرین نے حملہ کیا مگر پسپا ہونا پڑا۔ ارک سے شہر میں شرپنیل گرتے اور کئی گھروں اور باشندوں کو فنا کرتے تھے۔ دن کو بھی اسی طرح دونو طرف سے گولہ باری جاری رہی اور شام کے وقت سخت شرارت پکڑ گئی۔
جب اندھیرا ہوا تو ایک عالمگیر جھٹکے سے تمام شہر اور نواحی کانپ اٹھے پھر ارک سے ایسی دہشتناک آوازیں آنے لگیں اور ایسے زرد اور سیاہ دھوئیں نکلنے لگے جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ کر گندھک اور لاوا کے ستون ابھار رہے اور پتھروں کے جلنے اور گرنے سے دھماکے سنائی دیں۔ حملہ آور پیچھے ہٹ آئے اور حیرت و حسرت سے چہروں کے ظلم کے ظلمات کا تماشا دیکھنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان شیاطین الانس کے ساتھ جن اور بھوت بھی معاون ہو گئے ہیں کیونکہ اس وقت ایک تیز اور تند آندھی چلنے لگی جس سے آگ کے شعلے جو میگزین سے کارتوسوں اور بموں کے صندوق پھٹنے سے نکلتے تھے اور بھڑکنے لگے۔ ارک میں تو اس جگہ بارود کی دھندلی روشنی ہوتی تھی اور اسی نسبت سے آس پاس تاریکی گہری تھی کہ ہاتھ پھیلائے نہیں دکھتا تھا۔ اذا اخرج یدہٗ لم یکد یراھا۔

اس حالت میں بچہ سقا مع چند ہمراہیوں کے مجاہدوں کا لباس اوڑھ کر ارک کے شمالی دروازے سے باہر نکلا۔ محاصرین سے ملاقات ہوئی تو انھیں اپنی زنانہ چالاکی سے کابل کے طرفدار آدمی بتا کر جو نئے محاصرے کے لئے مقرر ہوئے تھے ان کے پنجے سے نکل گیا۔ کوہدامن کے سپاہی جو اس کی مدد کے لئے آرہے تھے۔ نزدیک مل گئے ان کے ساتھ اپنے موضع کلکان پہنچا۔ وہاں سے دوسرے دن جبل السراج چلا گیا۔

ابھی چور کے بھاگ جانے کی اطلاع ارک میں کسی کو نہیں ہوئی۔ اسلئے توپ مشین گن اور بندوق ایک دوسرے سے آگ برسانے میں سبقت لے جارہی ہے۔ ایک گھنٹے کے بعد خبر ہوئی تو دفعتاً اندر سے ان آلات کی خاموشی طاری ہوتی ہے مگر ابھی میگزین کے مواد کی ہیبتناک آتش بازی جاری ہے اور اس کے ساتھ اس جماعت کے نعروں کی صدائیں اٹھتی ہیں جو غازی کے خاندان کی حفاظت کر رہی ہے۔ باہر سے ابھی مقابلہ پورے زور کے ساتھ ہو رہا ہے کیونکہ ارک کے واقعات کی آگاہی اس شور محشر اور عرصات میں جبکہ سورج ایک نیزہ پر آرہا تھا کیسے ہو سکتی تھی۔ بڑی مشکل سے فاتحین کو حقیقت کا علم ہوتا ہے جس پر فوراً ارک میں داخل ہو کر نمرود کی آگ میں سے حنیفی اور حنفی ارکان خاندان جلیلہ کو زندہ اور سلامت پاتے ہیں۔ جن میں سے کسی کا بال تک بیکا نہیں ہوا۔ کذالک حقاً علینا ننجی المؤمنین۔ (اسی طرح ہم پر حق ہے کہ

ایمانداروں کو نجات دیتے ہیں)۔

بچہ سقا کا اسی رات کے اندھیرے اور دھوئیں کے طوفان میں تعاقب ہوا۔ چار پانچ میل تک کوئی سپھر نہ چھوڑا گیا جس کے پیچھے چور کی تلاش نہ ہوئی ہو مگر اس نے سمت شمالی میں جسے شاہی نام دیا گیا تھا پھر بادشاہی قائم کرلی۔ ترکستان سے سید حسین مع فوج اور سامان حرب کے پہنچ گیا۔ باقی تمام افواج جو غزنی اور جنوبی و مشرقی اضلاع میں تھیں لڑتی بھڑتی اور دوڑتی اسکے گرد جمع ہوتی گئیں۔ کوہدامن اور کوہستان سے نئے آدمی بھرتی کئے گئے۔ سقادی مشیروں نے منادی کردی کہ سپہ سالار عنقریب امان اللہ خاں کو طیارے میں بلانے والے ہیں اور وہ آکر سقاوی آدمیوں سے یقیناً انتقام لیگا اسلئے اس مرگ سے ابھی کابل کو دوبارہ فتح کرنے میں مرنا بہتر ہے۔

بلیں میزان شادمانی کا دن ہے ؎

ماتم و سور جہاں بسکہ بہم آمیز است ✤ خندۂ قہقہہ ہم اشک ندامت ریز است

کابل کا قلعہ جس میں شاہی محلات ہیں مفتوح ہو گیا مگر وہ ایسا آتشکدہ بن رہا ہے کہ کارتوسوں اور بموں کے متواتر پھٹنے کے سبب کسی کو نزدیک نہیں پھٹکنے دیتا۔ سخت جدوجہد کے بعد اس آگ کے اثر کو دوسری عمارات سے منقطع کیا۔ اس دوڑ دھوپ کے بعد تو فاتح سرداروں کو ذرا استراحت لازم ہے کیونکہ بیداری و بیخوابی اور غم و الم سے چکنا چور ہو رہے ہیں ؎

موجیم کہ آسودگیٔ ما عدم ماست ٭ ما زندہ بآنیم کہ آرام نداریم

شہر میں ابھی سقاوی تحریکات محسوس ہوتی ہیں کہ امان اللہ خان پھر لائے جائینگے سمت شمالی سے ایک سخت حملے کا اندیشہ لاحق ہے۔ اس قولی وفعلی اعتراض وتعرض کا رد و انسداد ضرور ہے جس کے لئے سپہ سالار غازی کی خدمت میں عریضہ لکھا گیا کہ خود تشریف لاکر رہبری فرمائیں۔

آپ جاجی سے فتح کابل کی اطلاعات تمام قبائل میں پہنچا کر ایک زبردست لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے جن کی حراست میں تین ہزار سقاوی اسیر جنگ بھی تھے۔ تمام راستے استقبال کرنے والوں سے بھرے تھے۔ سڑکوں کے دونو طرف میلوں تک پاؤں دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ قومی ڈھول بج رہے تھے جن کی آواز کے ساتھ افغانی ناچ اور گانا ملی وجد کے کیف میں رنگ لاتا تھا۔ بندوقوں کی صدائیں اندیشے کی بجائے سرور ولطف بخشتی ہیں۔ فوجی باجہ سنائی دیا اور سپہ سالار غازی جلوہ افروز ہوئے۔ حسب عادت تبسم فرما رہے ہیں مگر پرلے درجے کا ضعف ونقاہت آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ بیماری کے باوجود جو سخت مراحل آپ نے طے کئے اور ظاہری و معنوی شکستوں اور دلشکنیوں کے ساتھ جن صعب منازل میں سے آپ ہمت جسارت استقامت سے گذرے وہ توانا اور قوی مردوں کو لاغر ونحیف بنانے کے لئے کافی تھا آپ ہر چند کمزور معلوم ہوتے ہیں مگر وطن وملت کو شاد آباد وآزاد دیکھنے کی ہمی

خواہش حقانی نیت اور طاقتور ارادہ آپ کے اقوال وافعال میں حرکت و برکت پیدا کر رہا ہے۔ آپ شہر و دہات کے باشندوں سے باتیں کرتے افغانستان کی ترقیات کے ذرائع سمجھاتے مبارکباد کی ترنموں اور شکرانوں کے ترانوں کے درمیان سلام خانہ میں داخل ہوتے ہیں۔

تخت نشینی اور نامدار بادشاہی

فصل اوّل

شاہی قبول کرنے سے بتکرار انکار اور ملت کا الحاح و اصرار

امان اللہ خاں کے وزرا اور اسی عہد کے وکلا جو تمام ملک سے منتخب ہو کر آئے ہوئے تھے مع کابل کے اکابر و عمائد اور سفیروں کے موجود تھے۔ پہلے تو تکبیر کے نعروں سے پھر تبریکات و تہنیات کی صداؤں سے بعد ازاں شکر گزاری کے عریضوں اور قصیدوں سے فاتح اعظم کی خوش آمدید ہوئی۔ آپ نے کشادہ پیشانی سے ان سب علاماتِ حمیت و صمیمیت کی قدر دانی فرما کر یہ نطق ایراد کی:۔

میرے بھائیو اور عزیزو!

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے رسول کی روحانی مدد سے افغانستان کی قومی قوت نے بے شرف۔ وبے ناموس چوروں کو مغلوب و دفع کیا جو ہماری شامتِ اعمال سابقہ حکام کی کجرویوں اور دیگر اسباب کی وجہ سے مسلط اور ظلم و تشدد کے

قابل ہو گئے تھے۔ (سامعین کی تصدیق کی صدائیں)۔ اس کامیابی پر جتنا شکر کریں کم ہے وطن میں آگ لگ رہی تھی جس سے ملت کی حریت اور مملکت کا استقلال سب جل کر خاک سیاہ ہو جاتا اگر لطف الٰہی سے قومی شجاعت غیرت اور وحدت اس کے بجھانے میں جلدی جد و جہد نہ کرتی۔ (حاضرین کی تصدیق کے آوازے)۔ حضار محترم اور باقی ملت کے لئے جنھوں نے اس طوفان بلا سے وطن کو نجات دینے میں میری عملی مالی اور فکری امداد کی یا اس بارے میں تسہیلات بہم پہنچائیں یا موقع کے مطابق خیر خواہی کی، خداوند کریم سے دنیا و عقبےٰ میں اجر کی دعا کرتا ہوں۔

البتہ آپ سب آگاہ ہیں کہ ان حوادث دردناک کے ظہور پر میں شکستہ دل اور خستہ تن فرانس کے ایک کونے میں پڑا تھا۔ ان الم انگیز خبروں کو سنتے ہی پریشان حال بغیر زاد راہ اور ضروری لوازم کے اپنے بھائیوں محمد ہاشم خان اور شاہ ولی خان کے ساتھ میں نے افغانستان کا عزم کیا اور ان سات مہینوں میں میں اور میرے بھائیوں نے قوم بقوم موضع بموضع اور سنگ بسنگ پھر کر جنوبی ملک کے علاقوں میں رات دن وحدت کی روح پھونکنے بے اتفاقی کو مٹانے اور چوروں کی وحشت و تعدی کے اثر کو زائل کرنے میں اس طرح کوشش کی کہ ہر گھڑی ہم پر قسم قسم کی مشکلات اور بلائیں نازل ہوتی تھیں۔ عین اس وقت ہمارا مال و اسباب برباد اور ہمارے ساٹھ سے زیادہ اہل و عیال اور بچے ڈاکوؤں کے ہاتھ میں گرفتار تھے۔

کئی بار قومی اجتماع ہوا اور کتنے حملے کئے گئے مگر مختلف وجوہ سے شکست ہوتی رہی۔ اس مغلوبیت مالی تنگیوں اور قومی اختلافات میں جو ہر ایک میری دلشکنی کنارہ کشی اور مایوسی کا موجب ہو سکتا تھا۔ میں نے وطن اور توحید ملت کے عزم کو نہ چھوڑا کیونکہ میرا قصد مصمم تھا کوئی دنیاوی تعلقات اور مادی و معنوی مشکلات مجھے روک نہیں سکتی تھیں حتیٰ کہ تمام خاندان کی قربانی میں بھی میں نے دریغ نہ کیا۔ (حضار کی تصدیق کے نعرے) ۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنی مساعی ملک کے خیرخواہوں کی مساعدت اور اقوام کی معاونت سے اسدفعہ ظالم دھاڑیوں کی درندگی کو دور کرنے میں کامیاب ہوئے (شکر کی آوازیں) ملت اور وطن کے خیرخواہ سب ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور مجھے بھی عظیم صعوبات سے سابقہ ہوا مگر میں ناامید نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ہاتھ پاؤں مارے ہر طرح سعی و کوشش کی اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو ان کے نفع و نقصان سے خبردار کیا یہاں تک کہ وہ نتیجہ برآمد ہوا جو توقعات سے بہت بلند تر ہے۔

فی الواقع ہماری فلاکت و بدبختی پر خدا نے رحم فرمایا ہماری سچی توبہ اور گریہ و زاری اس کی بارگاہ بے نیاز میں قبول ہوئی جو ہم آج اس قدر مجمع میں کمال مسرت کے ساتھ شکر بجا لا رہے ہیں حالانکہ گذشتہ ہفتے میں دو تین آدمیوں کا اکٹھے ہونا کہاں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنا محال تھا کیونکہ تم اشرار کے تشدد اور استبداد سے ہر وقت فتنے اور اندیشے میں گرفتار تھے۔ ہم ابھی مکمل کامیابی کو نہیں پہنچے ہیں۔ ابھی

خطرات کے رگ و ریشے ہر گوشہ و کنار میں موجود ہیں۔ ابھی ہمارے سامنے بہت سے کام ہیں اسلئے اس فتح کے نشے میں سرشار ہونا مناسب نہیں ہے۔ نہ صرف انقلاب کے شعلوں کو گل کرنا باقی ہے جو ابھی بھڑک رہے ہیں بلکہ ان تلفات کی تلافی بھی لازم ہے جو ہر طرف ملک پر وارد ہوئی ہیں۔

اتنی تقریر کے بعد تمام حاضرین میں شور و غوغا برپا ہوا اور تکبیر کے نعروں میں یہ آوازیں آتی تھیں "زندہ باد اعلیحضرت محمد نادر خاں غازی۔ پادشاہ نجات دہندہ استقلال بخش۔ تمام اعیان و ارکان مملکت یکے بعد دیگرے اٹھکر نہایت اصرار و الحاح سے عرض کرنے لگے کہ بادشاہی کو آپ قبول فرمائیں۔ جب یہ سلسلہ عرائض ختم ہوتا دکھائی ندیا تو آپ نے بڑی کوشش سے حضار کو خاموش کراکے فرمایا:۔

میرا ارادہ کبھی ذاتی نہ تھا اور نہ ہے۔ مجھے بادشاہی کا خیال نہ تھا اور نہ ہے بادشاہی ایک انتخابی امر ہے اور اجماع امت پر اولی الامر کا انتخاب منحصر ہے۔ البتہ بڑے جرگے کی تشکیل کے وقت تک میں بحیثیت وکالت کام کروں گا لیکن بادشاہی کو قبول نہیں کرسکتا۔ جب تمام افغانستان سے ملت کے نمائندے جمع ہوکر اپنے آئندہ بادشاہ کے انتخاب پر کافی مذاکرات کرکے جس کسی کو اکثریت مطلقہ سے منتخب کرینگے ہم بھی اسی کی اطاعت کو اپنی مغفرت کا موجب سمجھکر نہایت خوشی سے اس کی بیعت کرینگے اور اسکے حکم کے ماتحت ملک و ملت کی خدمت بجالائینگے میرا مطلب

جیسا کہ شروع سے دنیا کے اخباروں میں اعلان کرچکا ہوں اس فساد خانہ جنگی اور سقاوی ظلم کو دور کرنا اور ملی وحدت کو قائم کرنا تھا جس میں خوش نصیبی سے ہم کامیاب ہوئے۔ اب پھر اسی مطلب کو جو فرانس ہندوستان اور تمام سرحدات افغانستان میں تحریری و تقریری طور پر بیان کرچکا ہوں یاد دلاتا ہوں کہ میں میرے بھائی اور خاندان اس پر فخر کرتے ہیں کہ اپنی ملت کی مسرت کے ساتھ شادمان ہیں جیسا اس کی مصیبتوں پر غمگین و پریشان تھے۔ ان فرائض کو جو اسلام نے ملی خدمات کے لیئے ہر فرد وطن پر عائد کیئے ہیں ہم بجا لا رہے ہیں اور یہی افتخار و اعتبار ہمارے لیئے کافی ہے کہ افغانستان کے ایک فداکار عسکر کی طرح میں اور میرے خاندان کے سب افراد بندوق کندھے پر رکھکر اپنا فرض ادا کریں اور امر سلطنت کو قومی اتفاق و آرائے ملت پر چھوڑیں جس شخص کو ملت انتخاب کرے ہم نہایت مسرت سے اسکی بیعت کرینگے۔

سپہ سالار کے خاموش ہوتے ہی پھر شور و غوغا بلند ہوا اور ہر طرف سے تقریریں ہونے لگیں جن کا ماحصل یہ تھا کہ آپ نے ہماری مشکل وقت میں مدد کی اور ہمیشہ ملی اور وطنی مفاخر میں فداکاری دکھائی۔ آپ کے سوا افغانستان میں ہم اور کسی کو نہیں پہچانتے جو بادشاہی کے بار گراں کو اٹھا سکے۔ ہم نے ایک سال کے انقلاب میں سب آدمیوں کو آزمایا۔ افغانستان کی تمام ولایات سے یہاں برگزیدہ لوگ

کم و بیش موجود ہیں اور سب کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ کی ذات کے سوا بادشاہی کے لائق اور کوئی نہیں۔ کئی مہینوں کی لگاتار شورشوں اور بربادیوں سے وطن پامال ہو رہا ہے اور بڑے جرگے کے انعقاد تک یہی حال رہے گا۔ ہم کو یقین ہے کہ اُس وقت بھی آپ سے بہتر کوئی شخص پیدا نہیں ہو گا اور ملت کے نمائندے آپ کے سوا کسی کو بادشاہ قبول نہیں کریں گے لہٰذا مصلحت یہی ہے کہ آپ بادشاہی کا ذمہ اٹھا کر اس ملت پریشان و پراگندہ کی اصلاح کریں اور اس کی لیاقت و قابلیت آپ کے سابقہ رویے سے ثابت ہو چکی ہے۔ اگر آپ انتخاب بادشاہی کو ملتوی رکھیں تو فتنے بڑھیں گے اور پہلے سے زیادہ خونریزیوں کا میدان وسیع ہو گا کیونکہ بچہ سقا اپنی ساری قوت کے ساتھ دوبارہ حملہ کرنے کو ہے۔

ہر نطق کے بعد اور درمیان اسکی تائید میں متحدہ آوازیں اٹھتی تھیں اور یہ سلسلہ پھر لمبا ہوتا جاتا تھا۔ بڑی مشکل سے سپہ سالار غازی نے اسے قطع کر کے اپنی تقریر جاری رکھی:۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ اور دوسری اقوام و اشخاص جو اس زمانے کی سلطنت کا سخت اور بھاری بوجھ مجھ پر ڈالنے کا تکرار و اصرار حد سے زیادہ کر رہے ہیں میرے اصولی مدعا کو نہیں سمجھے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح خداوند کریم کے فضل اور آپ لوگوں کی ہمت سے میں نے وطن کو مصائب کے گرداب سے نکالا ہے اسی طرح

افغانستان کے تاج وتخت کو بھی ذاتی رعایتوں سے پاک کروں اسلامی اصول
کے مطابق انتخاب شاہی کو آرائے عمومی پر موقوف کروں اور اس بارے میں قوت و
قدرت اور توپ وتفنگ کے استعمال کی ضرورت کو دور کروں۔ اسی لئے میں
اصرار کرتا ہوں کہ اس اہم امر کو جو تمام ملت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور وطن کی آئندہ
قسمت کا فیصلہ اسکے ساتھ وابستہ ہے آرائے عمومی پر چھوڑ دو اور عجلت و شتابی
سے درگذر کرکے خوب غور وفکر کے بعد افغانستان کی تمام ولایتوں اور حکومتوں کے
نمائندے وکلا کے ساتھ مذاکرہ کرکے جس کامل الصفات شخص کو برگزیدہ سمجھو میں بھی دل سے
اسکا ہاتھ چوم کر ایک سپاہی کی مانند اسکی رکاب میں خدمت کرونگا۔

اس کے بعد حضار کی طرف سے پھر بڑے زور وشور کی تقریریں ہوئیں اور ہر
تقریر پر جمہور کی تائید کی متفقہ صدائیں اٹھتی تھیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے افغانستان
کے مریض الموت وطن کو نزع سے لوٹا کر نئی جان بخشی ابھی اسکی حالت نازک ہے صرف
ملت ستم رسیدہ کی خاطر اس کی خبرگیری منظور کرو اور بادشاہی کی تکلیف گوارا فرماؤ
تاکہ ہم کو ہجوم ومدافعت اور حملہ ورد کے پاٹوں کی گردشوں میں اور زیادہ پسنا نصیب
نہ ہو۔ افغانستان کے اکثر حصوں میں سقاوی اقتدار ابھی باقی ہے اور کابل کے
نواح میں جنگ جاری ہے۔ ہم نے انقلاب کے دوران میں خوب غور وفکر کیا
اور صلاح ومشورے کے بعد یہی نتیجہ نکالا کہ سوائے آپ کے بادشاہی کی خلعت کسی

اور کو زیب نہیں دیتی خصوصاً اس آخری ہفتے میں رات دن ہمارا یہی موضوع بحث و مذاکرہ رہا اور ہم سب نے کلی اتفاق سے یہی فیصلہ کیا ہے کہ بالضرور آپ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیں۔

آپ نے جو فرمایا کہ افغانستان کی تمام ولایتوں اور حکومتوں سے وکلا طلب کئے جائیں۔ ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ یہ تحصیل حاصل ہے۔ امان اللہ خاں کے عہد میں جو وکلا حاضر تھے انقلاب کے سبب واپس نہ جا سکے سب یہیں موجود ہیں۔ سقاوی حکومت میں چونکہ دور کی رعایا اس چور کو نہیں پہچانتی تھی اور اس کے مشیروں نے دھوکے سے اسے خادم دین رسول اللہ قرار دیا تھا اس لئے ہر جگہ سے نئے وکلا آئے تھے وہ بھی یہیں حاضر ہیں۔ علاوہ برآں جنوبی و مشرقی اور کابل و قندھار کے وکلا آپ کی معیت میں ہیں ہم سب متفق و متحد ہو کر ہم آہنگ و بیک آواز عرض و الحاح کرتے ہیں کہ موکد طریقے پر بحیثیت بادشاہ آپ وطن کا ادارہ کریں۔

خدا اور رسول کے لحاظ سے زیادہ تردید کر کے ہمارے احساسات کو زخمی نہ کیجئے ہم مصیبت زدہ ہیں۔ ہماری بھنور میں پھنسی بیڑی کو آپ نے ڈوبنے سے بچایا۔ اب ہمیں ساحل سلامت پر پہنچا کر اساسی دستگیری فرمائیے تاکہ ہماری آئندہ زندگی میں سعادت ہو اور خدا اسکا رسول اور ملت آپ کی مساعی

سے خوشنود ہوں۔ ہم کو پورا معلوم ہے اور آپ بہتر جانتے ہیں کہ افغانستان
کے طول و عرض میں آپ کے سوا اور کوئی جامع الاوصاف شخص موجود
نہیں جس کو تمام فرقے قبیلے طائفے اور قومیں دل سے مانیں اور معزز و محترم
جانیں اور اس کے حکم کے ماتحت نفاق و خانہ جنگی کی جڑ اور ریشوں کو
جو ہر جگہ جال پھیلائے ہیں قلع و قمع کر سکیں۔ لہٰذا ہم کمال رضا اور عذر و زاری
سے التجا کرتے ہیں کہ ضرور و بصد ضرور خدمت مملکت کو مخدوم کی منزلت
میں منظور فرمائیے اور ہماری حسن قدردانی پر صدمہ وارد نہ کیجئے۔

اس پر نعرے پر نعرہ پڑنے لگا۔ بادشاہی مبارک ہو۔ زندہ باد اعلیٰحضرت محمد نادر خاں
پادشاہِ نجات دہندہ (استقلال بخش)۔ تکبیر کی بلند آوازوں کے بعد پھر بادشاہی پر تبریک و
تہنیت کی آوازیں اٹھنے لگیں۔ اس حال میں سپہ سالار غازی ایسی حیرت میں پڑ گئے کہ
ظاہرہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس ابتری و پریشانی کے عالم میں اس بار گراں کے اٹھانے
میں تامل کر رہے ہیں مگر لوگوں نے آپ کو زیادہ فکر کرنے کا موقع نہ دیا۔ تمام وکلا اور
اکابر آپ کے گرد جمع ہو گئے اور زبردستی ہاتھ پکڑ کر بوسہ دینے اور بیعت کرنے لگے۔

سر خما سر کوزی نہ منی د تاج + بارے تاج دی څما د سر و تہ تاج

(میرا سر تاج کی سرنگونی کو نہیں مانتا۔ بارے تاج میرے سر کا محتاج ہے) +
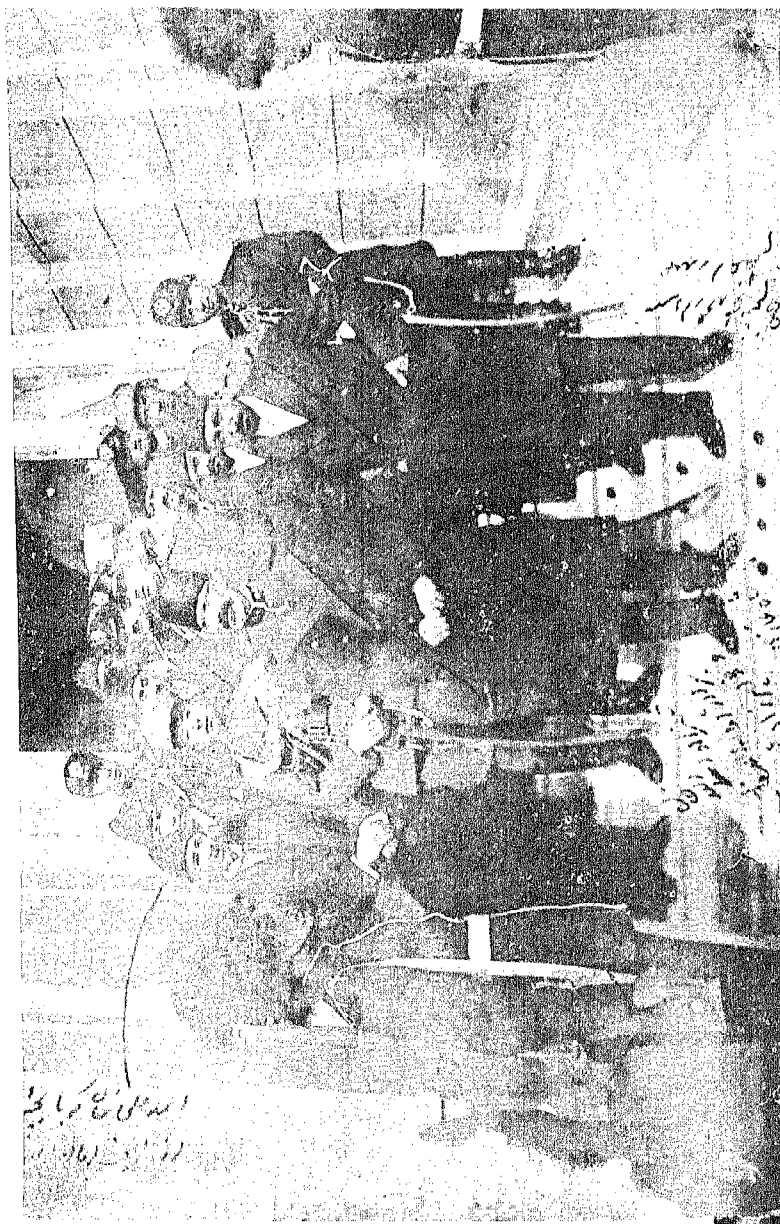
فصل دوم

بچہ سقا کا خاتمہ اور فتنہ و فساد کا دفعیہ و انسداد

باغبان چمن میں داخل ہو گئے۔ طوطے اور چمگادڑ جو رات دن خوان یغما کے گرد لپکے رہتے تھے اڑ گئے۔ چور اور شریر جو میووں کو لوٹتے تھے بھاگ گئے۔ قصد ایں پک کر غارتگروں کے ہاتھ سے بچکر خرمن میں جمع ہو گئیں مگر یہ دھاڑوی اور ڈاکو مفت تو اپنی غنیمتوں سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ سمت شمالی میں جا کر انھوں نے پھر اپنی پراگندہ فوجوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ فاتح لشکر بھی ان کے علاقے میں گھس گئے اور کیا شہر کیا نواحی میں سابق غاصبوں کو پکڑنے کی تلاش ہوئی مگر اعلیحضرت غازی حسب معمول مزید کشت و خون نہیں چاہتے تھے حتیٰ کہ امرائے رہزن کو بھی معاف کرنے میں کوئی تامل نہیں رکھتے تھے۔ وہ اور ان کے پیرو آخر ملت کے افراد تھے اور سمت شمالی کابل کا ایک معتنابہ ضلع تھا۔

وہ کوہستانی جو ارکہ ہیں خاندان جلیلہ کی حفاظت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ پہلے تائب ہو کر مورد عنایت ہوئے۔ ان کو مامور کیا گیا کہ اپنے علاقوں میں جا کر قوم کو سمجھائیں

کہ اختیار دستبردار ہیں تمیز کرکے نئی حکومت کی اطاعت اختیار کریں بلکہ شریر لوگ بھی نادم ہو کر تابع ہو جائیں تو ان سے باز خواست نہیں ہوگی۔ یہ مصالحت بڑا مشکل مرحلہ سمجھا کیونکہ فاتح لشکر کو بدامنی میں دخل ہو گیا تھا اور وہ انتقام سے باز نہیں آتا تھا۔ الغرض اعلیحضرت کی خوش خوئی اور رحمدلی تو ہمیشہ سے معروف تھی۔ سرکش اشخاص بھی مطیع ہونے لگے۔

سید حسین بھاری فوج کے ساتھ ترکستان سے آیا تھا کابل کی فتح کی خبر سے اس کی جمعیت میں کمی ہو گئی۔ وہ بچہ سقا کو ملامت کرتا تھا کہ اگر کچھ مدت ارک میں ثبات سے کام لیتا تو وہ پوری قوت کے ساتھ اس کی محصوری کو رفع کر سکتا۔ ان دونوں میں مجادلہ ہوا جس کا نتیجہ ان کی اطاعت پر منتج ہوا۔ ان کے باقی ہمراہی بھی مجبوراً رضامند ہو گئے کیونکہ چاروں طرف جدید بادشاہی کے طرفداروں کا ہجوم نظر آتا تھا جن کے ہاتھوں گرفتاری سے رہائی محال دکھائی دیتی تھی۔ انھوں نے شاہانہ عفو کو غنیمت سمجھکر اپنے تئیں حوالے کر دیا مگر جب ان کی موٹریں شہر کے باہر پہنچیں تو پشیمان ہوئے کیونکہ خلقت کا انبوہ ان کو چیرنے پھاڑنے کے لئے تیار تھا۔ ملت ان کے ظلم و تشدد کے سلسلوں میں سے کس کس کڑی کو بھلا دیتی یا معاف کرتی۔ ان پر لعنتوں اور گالیوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ نہایت مشکل سے ان مجرموں کی موٹریں سلامت نکلکر ارک میں پہنچیں۔ اب ان کو بڑی حفاظت میں رکھنا لازم ہوا کیونکہ ذرا سی آزادی ان کے

لئے مہلک تھی۔ اب ان کو اپنی گنہگاری پر غور کرنے کا موقع ملا جس کی پاداش شہر
کے باشندوں کے قہر وغضب کی صورت میں سوتے جاگتے سامنے آتی تھی اور اس سے
چھٹکارا دشوار تھا۔

ان کی حراست سخت تھی اور ان کے اپنے لئے سخت تھی مگر پھر بھی ان کی خاطر
مدارات کافی کی جاتی تھی۔ اس سے انھوں نے استفادہ کیا اور یہی حکومت کے لئے
عفو سے مخرج کی سبیل نکلی۔ ارک میں ابھی میگزین موجود تھی اور اسکے پاس ہی یہ لوگ مقیم
تھے۔ تیل ڈالکر دروازوں کو آگ لگانے کی کوشش میں پکڑے گئے ورنہ پھر پہلی طرح
زلزلہ واقع ہوتا اور آتش فتاں پھٹتا اور مثل سابق یہ بھاگ نکلتے۔ اس نئے جرم میں
ماخوذ ہوئے اور سزا میں گولیوں سے مارے گئے۔ شہر کے لوگ اب بھی مطمئن نہیں تھے
ان کو پھانسی پر لٹکایا گیا تاکہ عبرتِ عام ہو۔ پھر بھی تمیز سے کام لیا گیا۔ شیر جاں
اور محمد صدیق کے بھائی عطاء الحق کو قتل سے نجات دی گئی کیونکہ اس نے وزیر
خارجہ کی حیثیت میں مروت و مہربانی سے کام کیا تھا اور اس سے قبل بھی نیکنامی سے
اپنے وظائف ایفا کرتا تھا۔

سمت شمالی کے باشندوں کو عام معافی دی گئی کیونکہ اعلیحضرت غازی انکو ایک
حد تک معذور سمجھتے تھے اور ان کی تکلیف و توبیخ کو ملت کے ایک حصے کی زحمت خیال
کرتے تھے مگر یہ ترحم پلنگ تیز دندان پر ستمگاری گوسفنداں ثابت ہوا۔ سمت شاہی کے

باشندے کہلانے کے اور کابل کی رعایا کو اپنے ماتحت سمجھنے کے عادی دفعتاً جو تمام اختیارات سے محروم ہو گئے تو دو سال کے بعد پھر تسلط و تحکم کی سوجھی گذشتہ حکومت کی بیخبری و غفلت میں حملہ کر کے کامیابی حاصل کرنے کا سبق پھر دہرایا گیا۔ اعلیحضرت امن و اصلاح کی جد و جہد میں مصروف ہو گئے اور فتنہ و فساد کے سر نکالنے سے فارغ پغمان میں تشریف فرما تھے کہ کوہدامنیوں کا ایک گروہ اس طرف بڑھا تاکہ ناگہاں ذات شاہانہ کو محصور کر کے پھر اپنا سکہ چلانے کی تجویز کریں۔ اعلیحضرت کابل کو جلدی چلے گئے اور وہاں سے ان کی سرکوبی کا انتظام کیا مگر عبدالوکیل خان نائب سالار اور ایک مکتب قضات کا تعلیمیافتہ جوان حفیظ اللہ خان اس بیہودہ بغاوت کے شکار ہو گئے۔

وزیر حربیہ شاہ محمود خان اور نائب سالار عبداللہ خان شاہجی باغیوں کے مقابلے میں نکلے جو دو وجہ سے سخت اور نازک تھا۔ سمت شمالی کے باغیوں نے پہلی دفعہ بھی لڑائی میں کوئی بہادری کا دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا کیونکہ بادشاہی کا مزہ چکھ کر محکومیت کیسے گوارا ہوتی اور اول تو ان کو یقین تھا کہ تحکم کے سبب ان کو جینا ہی نصیب نہیں ہوگا۔ جب اعلیحضرت کی جان بخشی سے ان کو زندگی ملی تو پھر سلطنت کے خواب دیکھنے لگے۔ ان کی عملی تعبیر کے وقت ان کو کوئی شک نہیں تھا کہ دوبارہ مغلوبیت پر وہ ضرور قتل کئے جائینگے اسلئے ... سے ہی کیوں نہ لڑ مریں

سرکاری فوج پہلے ہی بدلہ لینا چاہتی تھی اب انتقامی جوش سے جسے اعلیٰحضرت بھی ٹھنڈا کرنے پر مائل نہیں ہو سکتے تھے کوہدامن پر ٹوٹ پڑی۔ چونکہ وہاں مطیع لوگ بھی تھے اس لئے وزیر حربیہ کو نہایت احتیاط سے کام لینا ضرور رہا۔ بڑی دقت سے یہ فساد رفع ہوا۔ مفسدوں کی البتہ خوب خبر لی گئی جس سے آئندہ فتنے کی بیخ کنی ہو گئی۔ باقی باشندے جو شریروں کے دفعیے میں قاصر تھے اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مورد عفو ہوئے۔ اب سمت شمالی کے لوگ افغانستان کے دوسرے علاقوں کی مانند حکومت کی مرضی کو جوان کی بہبودی و ترقی میں ہے پہچانکر دل و جان سے متابعت و معاونت پر کربستہ ہیں۔

سلیمان خیل اور ان کے بھائی بند تعداد اور مالی استعداد میں ملت افغان کا ایک مہتم و معتد بہا جزو ہیں۔ انھوں نے امان اللہ خاں کو قندھار سے نکالنے کی دھن میں اور اس گمان پر کہ محمد نادر خاں بھی ان کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں آپ کی مشارکت سے پہلو تہی کی تھی کابل کے فتح ہونے پر خجالت و ندامت ان کی کنارہ کشی کا موجب بنی۔ کوہستان کے دو خانوں کا قصہ ہے جو ایک دوسرے کے دوست تھے۔ ایک کا کوئی عزیز فوت ہو گیا جس کی ماتم پرسی پر دوسرا مدت تک نہ پہنچ سکا حالانکہ اس کو جنازے پر اگر نہیں تو تیسرے دن ضرور جانا لازم تھا۔ ملاقات پر بغیر کسی سابقہ گفتگو کے گالیاں دینی شروع کیں

مردہ دار دوست سخت حیران ہوا اور اپنی معقولیت سے بجائے تند جواب کے نرمی سے اس درشتی کا سبب پوچھنے لگا۔ معلوم ہوا کہ شرمساری کا حجاب بڑھتے بڑھتے یوں قباحت سے قطع تعلق کا محرک ہوا ہے۔ حضرت صاحب شور بازار اور مولوی اللہ نواز خاں کی مساعیٔ جمیلہ سے سب سلیمان خیل نئی حکومت کے قدر دان اور تابع فرمان ہو گئے اور ملک میں آرام و امن قائم ہو گیا۔

سلیمان خیلیوں کو کیا سارے قبائل کو امان اللہ خاں سے اس درجہ بیزاری تھی کہ وہ اس کی ہواخواہی کے شائبے پر محمد نادر خاں سے بگڑے رہے اور ہندوستان میں اس کی ویسی ہی دلبستگی تھی جیسی فرانس کے لوئی کی بیرونی ممالک میں جہاں وہ بھاگ کر جاتا ہوا پکڑا گیا۔ مگر افغان بادشاہ زیادہ خوش قسمت نکلا۔ یہ دل لگی انقلابات میں مشہور ہوئی ہے اور ہر ملک میں اس کا ظہور عجیب و غریب فاجعے پیش کرتا ہے۔ امیر بخارا اسی انقلاب سے بچکر کابل میں پناہ گزیں ہو جاتا ہے۔ یہاں پھر اسی کا تماشا دیکھتا ہے بخارا میں ایک ادنےٰ طبقے کا جوان حاکم ہے اور یہاں ایک ڈاکو بادشاہ بن جاتا ہے جس کو امیر بخارا مبارکباد کہتا ہے اور رشتہ گانٹھنے کے لئے قیاس دوڑاتا ہے کہ تاجیک وسط ایشیا میں بادشاہی کر چکے ہیں جن کی اولاد میں سے ضرور ہے کہ اور بھی تخت کے وارث ہوں کیا بعید ہے کہ بچہ سقا بھی

انہی میں سے ہو۔ دریائے آمو کے آرپار تاجیک آباد ہیں ان کو ترغیب دیتا ہے کہ افغانی تسلط سے نکلیں۔

اس کی تائید میں ایک اور شخص نمودار ہوتا ہے جو بخارا کے انقلاب کی پیدائش ہے۔ جب انور پاشا مرحوم اپنے ملک کے انقلاب سے دربدر ہو کر بخارا کے علاقے میں آخری جہاد کی ٹھانتے ہیں تو اس شخص ابراہیم بیگ کے ہاں مقیم ہوتے ہیں جو مہمان کی طاقت نہ رکھ کر گھر اسی کے حوالے کرتا ہے تاکہ وہاں جام شہادت نوش کریں اور خود افغانستان کی راہ لیتا ہے۔ یہاں کے انقلاب میں اسے اپنا اُلو سیدھا کرنے کی سوجھتی ہے۔ بچہ سقا کے ساتھ یہ بھی تاجیکوں کو ساتھ ملانے کی سعی میں ہے کہ افغان کابل پر قابض ہو جاتے ہیں۔

اب یہ ابراہیم بیگ نئے حوادث کے منجدھار میں پڑ کر دریائے آمو کے ادھر ادھر اپنی شرارتیں جاری رکھتا ہے جن کو دفع کرنے کے لئے پھر سردار شاہ محمود خاں نکلتے ہیں اور اس امر کا ثبوت دیتے ہیں کہ نیکی کر کے دریا میں ڈال دو اس کا اجر بیابان میں مل رہے گا۔ جو خوبیاں انھوں نے بدخشاں میں کی تھیں چونکہ سب بے غرضانہ تھیں کام آئیں۔ ابراہیم بیگ کے وعدے اور ہتھکنڈے بیکار ثابت ہوئے۔ اس نے چند سے سازشیں جاری رکھیں

قتال و جدال کا سامان بھی مہیا کیا مگر وزیر حربیہ نے اس کا انسداد کر کے سرغنے کو مایوس کر دیا جو خیر باد کہہ کے رفو چکر ہو گیا اور یہ علاقہ مع تمام ترکستان کے نئی حکومت کیساتھ سچی عقیدت سے تابع ہو گیا۔

فصل سوم

امان اللہ خاں اور چرخی خاندان وغیرہ کی فتنہ پردازیاں

امان اللہ خاں کی مثال ایک متمول اور نوجوان وارث کی ہے جس نے بہت سارا روپیہ پاکر ایک وسیع محل بنانا چاہا۔ اس کا نقشہ کھینچا گیا اور مواد عمارت مہیا کیا گیا مگر نقشے میں بنیادی نقائص تھے جن پر میر عمارت نے انگشت اعتراض رکھی ادھر تعمیر شروع ہو گئی اینٹ پتھر چونا گچ سیمنٹ لوہا لکڑی اور سامان زیبائش وغیرہ کا دھڑا دھڑ ڈھیر لگنے لگا اور ادھر فنی اختلاف جاری رہا۔ مالک نے مکانات کھڑے کر دئے اور میر عمارت حسرت سے دیکھتا رہا مگر اپنی رائے دینے سے باز نہ رہتا اسلئے اسے کام سے ہی علیحدہ کر دیا۔ اب یہ عالیشان خورنق تیار ہو گیا اسکی رونق دوبالا ہوئی۔ شرق و غرب میں اس کی دھوم مچی۔

حتی اذا اخذت الارض زخرفها وازینت وظن اهلها انهم

قادرون علیھا اتٰھا امرنا لیلاً او نہاراً فجعلنٰھا حصیداً کان لم تغن بالامس۔ اس کی آرائش سے آنکھیں چندھیاتی تھیں اور زینت پر دنیا والہ تھی۔ مالک سمجھتا تھا کہ یہ سب کچھ میری قدرت میں ہے۔ خدا کا حکم رات کو یا دن کو آیا تو اس کو ملیا میٹ کر دیا گویا کہ یہ کل تھا ہی نہیں۔ مشرق سے یا شمال سے ایک بھونچال کی لہر دوڑی ایک ذرا سا دھکا کا ہوا اور قصر نے جنبش کھائی۔ مکین بھاگے باقی وہیں رہ گئے اور دھڑام سے سارا محل چھتوں کے بل گرا وھی خاویۃ علیٰ عروشھا اور آس پاس کے مکانات و باغات کو بھی جو پہلے زمانوں میں تعمیر و آباد ہوئے تھے اپنے نیچے دبا کر ان کی بھی ویرانی کا باعث ہوا۔

اس کی تباہی کے بعد معمار پھر آتا ہے اور از سر نو تعمیر کو شروع کرتا ہے اور پائداری سے صحیح ہنر مندی سے بنیادیں کھدوا کر جو مواد موجود ہے ملبے میں سے نکال کر اس سے کام لیتا ہے اور مزید اشیا کے ساتھ درست اصول پر پہلے سے زیادہ شاندار قصر بے قصور تیار کرتا ہے۔ نواحی کی تباہ شدہ سابقہ عمارات کو بھی از سر نو آباد کر اس کے باغات لگاتا ہے انکو سیراب و شاداب کرتا ہے۔ چور چکار کا کھٹکا نہیں۔ صیاد کا خدشہ نہیں۔ اہالی امن و آرام میں ہیں۔ ہر شجر پہ بلکہ ہر گلبن پر ادیب عندلیب نغمہ سرائی کر رہی ہے لا یسمعون فیھا لغوا و لا تاثیما الا قیلاً سلاماً سلاما ۵

اعلیٰحضرت اور ان کا خاندان جن فداکاریوں سے کامیاب ہوئے وہ سب پر روشن ہیں اور ان کی خالص نیات بھی مبرہن ہیں۔ ان کی سرگرم خدمات اور مقدس فتوحات سے ایک جہان شیدا و حیران ہوا تھا اور جو لوگ ان کی معرکۃ الآرا مظفریتوں سے مستفیض ہوئے تھے وہ تو از حد ممنون و متشکر تھے مگر انسان کو نسیان سے اتنا سابقہ ہے کہ اسی بلا کی وجہ سے کفران نعمت کا صدور ہوتا ہے پھر جو نتائج عدل و انتظام پر بھی مامور ہوں تو ظالم و غاصب ضرور بگڑینگے اور مفسد و مفتن لاجرم مخاصمت پر آمادہ ہوں گے۔ سب کو خوش رکھنا ہر چند کسی کی رحمدلانہ خواہش ہو بداہۃً ناممکن ہے۔ ایک شخص یا خاندان کو ان کے حسب ملنسا منصب و عزت نہ ملنے پر شکایت کا موقع ہاتھ آتا ہے دوسرے لوگ محض حسد کی بنا پر کہ فلاں اشخاص کو ان سے زیادہ کیوں انعام و اکرام ہوا گلہ کرتے کرتے مخالفت پر اتر آتے ہیں پچھلے عہد کے راگ گانے لگتے ہیں۔ بچہ سقا کو مہدی بتاتے ہیں یا امان اللہ خاں کو مجدد کہتے ہیں۔ اس طرح دل کا غبار و بخار نکال کر شقاق و نفاق کا مظہر بنتے ہیں۔

امان اللہ خاں بھی چپکے نہیں بیٹھتے کسی نے ان کے بارے میں معذرت کی تھی کہ ایک آدمی کی سوئی کھو جائے تو وہ تلاش کرتا ہے اور اگر نہ ملے تو دل میں چبھتی رہتی ہے اس کی تو بادشاہی جاتی رہی ہے۔ اب اس کی جستجو میں حرم کعبہ

میں پہنچے جہاں سے اگر گوش شنوا ہوتا تو یہ صدا آ رہی تھی کہ تم نے باہر کیا کیا

جو گھر کے اندر آئے ہو ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند + تو بروں در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

امان اللہ خاں اپنی خوابیں سنایا کرتے تھے جو سچی نکلی تھیں۔ جب محمد نادر خاں پیرس

میں سفیر تھے تو امان اللہ خاں نے ایک خواب بیان کیا کہ میں خانہ کعبہ میں ہوں اور

محمد نادر خاں حرم کے اوپر اسلام کا جھنڈا گاڑتے ہیں۔ عجیب تعبیر نکلی۔ اعلیحضرت

محمد نادر خاں نے ایک شخص کو اپنے حج بدل کے لئے بھیجا اور پھر اپنے وزیر دربار کو افغان

حجاج کے لئے ایک عالیشان سرائے تعمیر کرنے کے لئے مقرر کیا جنھوں نے تاریخی

تحقیقات کرکے احمد شاہ درانی کی بنائی ہوئی ایک سرائے کا بھی سراغ لگایا۔ امان اللہ

خاں نے سیاحت یورپ میں شاہ حجاز کی دعوت کو رد کیا تھا۔ پھر بھی جب آپ

انقرہ میں تھے تو میں نے تار کے ذریعے ابلاغ کیا کہ شاہ غازی افغانی سلاطین میں سے

پہلے حاجی بن کر آئیں۔ اگر اس فریضے کو اس وقت ادا کر لیتے تو شاید انقلاب

کی بلاٹل جاتی مگر آپ استنبول سدھارے اور وہاں بھی عید کی نماز نہ پڑھی۔

لڑائی کے بعد اب تھیٹر کی سوجھی۔ مکہ معظمہ پہنچ کر ملت افغان کے نام ایک خط

لکھا جس میں اپنی بریت و صفائی پیش کرتے ہوئے اعلیحضرت محمد نادر خاں کو غاصب

نمک حرام قرار دیا اور غلط واقعات سے استدلال کرکے افغانستان کے ساتھ

اپنی محبت و شیفتگی کا اظہار کیا۔ ایک تو ہندوستان میں اخبار زمیندار کے ذریعے یہ اشتہارات شائع کیے تاکہ ہندوستان اور سرحدات کے باشندے ہمدردی و امداد پر آمادہ ہوں دوسرا خفیہ وسائل سے ایک ہی رات کابل کے مختلف مقامات میں اشتہارات ڈلوائے تاکہ وہاں کے لوگ ایک دفعہ ہی اٹھ کر نئے انقلاب کی داغ بیل رکھیں کیونکہ سابق حوادث کی لذت دوبارہ چکھنے کے بہت مشتاق تھے! یہ منصوبہ بڑے اہتمام سے باندھا گیا تھا اور خام خیالی یہ تھی کہ افغانستان کے لوگ اعلیحضرت شاہ غازی محمد نادر خاں اور ان کے بہادر بھائیوں کے کارناموں اور احسانات کو بشری تقاضے سے اب فراموش کر بیٹھے ہوں گے اور حسب عادت گلوں شکووں کی نوبت آئی ہوگی جس سے استفادہ کر کے یہ اعلانات بطور آزمائش کے تقسیم کئے گئے۔

ایک اتفاقی امر تھا کہ میری کتاب ”انقلاب افغانستان“ عین اسی وقت نشر ہوئی جس میں امان اللہ خاں کے الزامات کا مفصل جواب تھا بلکہ ان سے بڑھ کر کئی اور امور کی بھی قلعی کھولی گئی تھی۔ ہوشیار حکومتوں اور بیدار مغز بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ سرچشمہ کو سوئی سے بلکہ سوئے سے بند کر دیتے ہیں۔ اعلیحضرت نادر خاں نے فوراً جرگہ منعقد کیا جسمیں تمام افغانستان کے وکلا و شرفا شریک تھے۔ انکے سامنے امان اللہ خاں کا خط پڑھا گیا اور اسکی ہر ایک بات کا مدلل و مبرہن بلکہ دنداں شکن جواب

دیا گیا جس سے ایسے دانت کھٹے ہوئے کہ مدت تک امان اللہ خاں نے پھر منہ نہ کھولا چونکہ یہ مکتوب اردو میں بھی تھا اسلئے جواب اردو میں بھی شائع کیا گیا۔ یہ ایک کتاب کی صورت میں ہے جس میں نہ صرف تمام ملک کے معوثین داراکین کے دستخط بلکہ ان کی تصویریں بھی درج ہیں تاکہ دنیا پر ثابت ہو جائے کہ شاہ غازی محمد نادر خان کو ملت کے وکیل اور نمائندے سلطنت کا حقدار سمجھتے ہیں اور ان کی اطاعت میں استقامت کرتے ہوئے کسی اور سے چشم امید نہیں رکھتے اور امان اللہ خاں کو تو ایسا مجرم سمجھتے ہیں جیسا سپاہی میدان جنگ سے بھاگ جائے اور ساتھ خزانہ بھی لے جائے عصر حاضر میں اسکی سزا معلوم ہے اور سعدی نے بھی اس بارے میں ویسی ہی سختی دکھائی ہے ع روز میدان آنکہ بگریزد بخون لشکرے +

امان اللہ خاں کے بہانے اور اکسانے پر دیرینہ فتنہ پرداز قبیلہ درخیل کو پھر سر نکالنے کی جرأت ہوئی جبکہ موجودہ حکومت سے خاطر جمع اسلئے نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اپنی پہلی سیاہ روئی کو دل کے آئینے میں دیکھتے تھے۔ اگرچہ اعلیحضرت ان کو عفو فرما چکے تھے اور عالی ہمت نیک دل بادشاہ کینے سے آشنا ہی نہیں ہوتے مگر وہ بدکردار لوگ اپنے نفسوں پر قیاس کر کے ایک نئے فتنے کی تیاری میں لگے رہے۔ اور کسی حیلے کی تلاش میں تھے اور باہر بھی کوئی شخص ایسے ہی وسیلے کا نگران تھا۔ امان اللہ خان نے اب کے غلام نبی کو آگے کیا مگر پہلی حج والی تدبیر سے

عبرت پاکر اب یہ سازش نہایت پنہاں رکھی۔

امان اللہ خاں کی والدہ علیا حضرت کی ایشک آقاسی یا سیکرٹری غلام نبی کی ماں تھی جس کے پاس اس کا بیٹا غلام صدیق جاتا اور بچپن میں امان اللہ خاں کے ساتھ کھیلتا۔ یہ تعلق بادشاہی میں دوستی کے درجے کو پہنچ گیا۔ اسے ہندوستان میں نائب سفیر مقرر کرتے انگریزوں کو کہا تھا کہ یہ میرا دوست ہے۔ چنانچہ شاہ خانم ملکہ کو طیارے میں لے کر یہی شخص قندھار گیا تھا۔ اعلیحضرت شاہ نادر خاں نے جیسا انکی بلند نظری سے توقع تھی اس غلام صدیق کو جرمنی میں سفیر مقرر کیا۔ اسکے دوسرے بھائی جرنیل غلام جیلانی کو انقرے کی سفارت پر مامور کیا جب وہ کابل آیا تو اس کے استقبال میں خاص توجہ کی اور بڑی عزت سے رکھا۔ اسی طرح جرنیل غلام نبی بھی نہایت احترام سے کابل میں وارد ہوا مگر اس نے آتے ہی ایسی وضع اختیار کی جو موجودہ بیدار مغز حکومت کو کھٹکی۔

اندیشے کے پیدا ہوتے ہی تجسس و خبرداری سے کام لیا گیا۔ بعض مشتبہ اشخاص کی آمد و رفت معلوم ہوئی۔ کئی معزز عہدیداروں اور فوجی افسروں کی سازش کا پتہ چلا۔ جو پہلے سے قائم تھی۔ خط پکڑے گئے جو صریحاً اس پر دلالت کرتے تھے کہ غلام نبی صرف سابقہ منصوبوں کو اختتام دینے کے لئے آیا ہے۔ اس اثنا میں مزید ثبوت کے لئے دریخیل میں شورش برپا ہوئی وہی ملنگ جو پہلے اس کا سرغنہ تھا اب غلام نبی کا نام لیوا بنا

حسن اتفاق سے ان دنوں وزیر حربیہ اس طرف وارد تھے۔ انھوں نے فتنے کا سدباب کیا۔ اس قبیلے کے بھائی بند جدران جو ہمیشہ سے حکومت کے وفادار رہے ہیں اب بھی ثابت قدم تھے۔ انھوں نے وزیر حربیہ کا ساتھ دیا اور حکومت کی مداخلت کے بغیر خود قبائل نے ذمہ لیا کہ دریخیلوں کو سیدھا کر دیں۔ چنانچہ ان کے سرگروہ گرفتار ہو کر بعض کیفر کردار کو پہنچے اور باقی معاف کئے گئے جسکے بعد اس علاقے میں امن چین قائم ہو گیا۔

اعلیحضرت نے حسب معمول مجلس وزرا جمعیت العلما مجلس اعیان اور مجلس شوریٰ کے ارکان کو جمع کر کے جرنیل غلام نبی کا معاملہ پیش کیا۔ علاوہ موجودہ جرم کے جو حکومت کو منقلب کرنے کے لئے صادر کیا تھا اور جس کے ثبوت میں گواہ موجود تھے اور تحریریں برآمد ہوئیں سب نے غلام نبی کی گزشتہ روش کو سراپا گناہ قرار دیا۔ اس کے فسق و فجور کی داستان بہت لمبی ہے۔ نہ صرف افغانستان میں بلکہ روسی فرانسیسی اور ترکی پایہ تختوں میں بھی زبان زد خلائق ہے جہاں وہ سفیر رہا تھا۔ اس پر قتل کا فتوے نافذ ہوا اور اسکے معاون محبوس کئے گئے اور یہ کانٹا بھی نکل گیا جو ملت کی وحدت میں کھٹکتا تھا۔ یمیز الخبیث من الطیب۔ قد تبین الرشد من الغی۔ پاک اور پلید کی تمیز اور ہدایت و گمراہی کا تفاوت معلوم ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ آخر حقانی حکومت نے اس نئے فتنے کی کلی کو کھلنے سے پہلے

نوچ دیا اور آئندہ کے لیئے اس طرف سے اطمینان ہو گیا اگرچہ کلی خاطر جمع نہیں کہی جا سکتی کیونکہ امان اللہ خاں اور انکے رفیق غلام صدیق وغیرہ باہر موجود ہیں۔

پہلے مذکور ہوا کہ حسد و بغض کس طرح حکومت میں رخنے کا باعث ہوتے ہیں۔ وزیریوں نے اعلیٰحضرت غازی کی مشکل وقت میں مدد کی تھی اور ان کو اور نیز دیگر قبائل کو جنھوں نے مال و جان سے اعانت کی تھی کھلے دل سے حسب استطاعت انعامات دئیے گئے مگر سرکش وزیریوں میں شکایات پیدا ہوئیں۔ بعض طائفے جو معاونت میں شریک ہی نہیں ہوئے تھے طمع کی شدت میں فساد پر آمادہ ہوئے۔ حاسدوں کو عناد ہوا کہ کیوں ان کی عزت کم اور دوسروں کی زیادہ ہوئی ہے۔ امان اللہ خاں کی طرف بھی رخ تھا کہ وہ شاید زیادہ انعام و اکرام سے مالامال کر دیں۔ الغرض درخیلوں کے ساتھ یہ بھی اٹھے اور ایک لشکر تیار کر کے مقابلے کے لیئے نکلے مگر اب افغانستان ایک منظم ملک تھا ہر جگہ انکی مزاحمت ہوئی اور آخر اپنا سا منہ لیکر واپس لوٹنے پر مجبور ہوئے۔ اس بارے میں انگریزی حکومت نے بھی حصہ لیا اور اعلان کیا کہ اگر وزیری سیدھے مراجعت نہیں کرینگے تو انکے گھر بار معرض خطر میں ڈالے جائینگے۔ اردو اخباروں میں بعض افغان فراریوں کی قلم سے مضامین شائع ہوتے رہے جن میں اعلیٰحضرت شاہ نادر خان پر ملت فروشی کا بہتان باندھا جاتا تھا یہ سب شبہات اس تقریر سے رفع ہو جائینگے جو آپ نے مشورت ملی کی مجلس کے افتتاح پر فرمائی تھی۔

فصل چہارم

مجلس شوریٰ اور اسکے افتتاح پر شاہانہ تقریر

مجلس شوریٰ ملی امان اللہ خاں کے وقت بھی تھی بلکہ اس سے قبل بھی جس کا ذکر میری پہلی کتابوں میں ہو چکا ہے مگر اعلیحضرت شاہ نادر خاں نے صحیح معنوں میں یہ مجلس قائم کی اور اسکے ارکان کی رائے کو وقعت دے کر انکی منزلت بڑھائی۔ انکو ملت کے افراد میں وحدت پھیلانے کی تعلیم دی حکومت و ملت کو ان کے ذریعے سے باہم نزدیک کیا تاکہ تفرقہ جو پہلی بربادی کا موجب ہوا تھا پھر رونما ہو۔ مجلس اعیان کی بنیاد ڈالی جو علاوہ بعض موجودہ ممالک کی رواج کے افغانستان کی محلی حالت کے بالکل مطابق ہے۔ ان مجالس کے افتتاح بڑی دھوم دھام سے کئے گئے اور ہر سال جب نمائندے رخصت پر جاتے تو ان کو ملت کے تنویر افکار کی ہدایات دی جاتیں اور جب لوٹتے تو ملت کی درخواستیں اور شکائتیں سنی جاتیں اور دیگر کام حسب ضوابط جاری ہوتے۔ اعلیحضرت ان مواقع پر نہایت موثر مواعظ و نصائح سے بھری تقریریں فرماتے اور اسی طرح جشنوں کے افتتاح و اختتام پر ملت کو اتفاق و اتحاد اور صلاح و تقویٰ اور تہذیب ا

تمدن کے طریقے بتاتے اور سابقہ تباہیوں سے عبرت حاصل کر کے آئندہ ترقیات کی راہ دکھاتے تھے۔

مجلس شوریٰ کے متعلق پوری معلومات اس تقریر سے حاصل ہوتی ہیں جو اعلیٰحضرت نے اسکے افتتاح پر موثر تفاصیل کے ساتھ فرمائی تھی اس کا اختصار یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

میرے عزیزو! خدا کا شکر ہے کہ دوسری بار افغانستان کو نفاق و خانہ جنگی کی مصیبتوں اور آفتوں سے محفوظ و مامون دیکھتا ہوں اور اطمینان و امید سے اس شورائے ملی کو افتتاح کرتا ہوں۔ ہمارے دین میں حکومت مشورے پر مبنی ہے وشاورھم فی الامر۔ ہمارے رسول اکرم ہمیشہ اسکے پابند رہے۔ خلفائے راشدین اس پر عمل کرتے رہے۔ بنی امیہ کے عہد میں حکمرانی اسی ذریعے سے ہوتی رہی اور بنی عباس کے وقت تو متین اساس پر اس کا اجرا ہوا اور وکلائے ملت دربار میں حاضر ہو کر سب امور میں مشورہ دیتے تھے۔ اس کے بعد سلاطین نے اسکو اپنی قوت اقتدار کے منافی سمجھکر ترک کر دیا جس سے عالم اسلام میں تغیر و انقراض واقع ہونے لگا

افغانستان میں قرنوں سے مشورہ جاری ہے چنانچہ افغانوں کے جرگے کو ملت کا عادل حاکم کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے مشورہ نئی چیز نہیں ہے اگرچہ بعض بادشاہ اس پر توجہ نہیں کرتے تھے لیکن ملت نے اپنے قبائل و عشائر میں اسکو آجتک

نہیں چھوڑا اور اس کا حکم اب بھی نافذ ہے۔ امان اللہ خاں نے شورائے دولت قائم کی وکلائے ملت حاضر ہوئے تھے لیکن اس سے فائدہ نہوا۔ اس سے عبرت حاصل کرکے اب یہ شورا تاسیس کی جاتی ہے تاکہ جو نقائص اس میں تھے دوبارہ رخ نکریں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ پھر افغانستان میں وہ بدبختانہ واقعات سر نہ نکالیں اور اس شورائے ملی کو موقع فرصت اور درایت عنایت ہو کہ ملت اور حکومت کے درمیان سے تمام شکایات اور ان کے موجبات کو رفع کرے اور برخلاف سابق عہد کے حکومت کو ملت اپنی سمجھے اور مملکت کی بہبودی و ترقی کی خادم جانے۔

ہماری ملی شورا دوسری ملل کی مجالس مشورت کی طرح جو مرور ایام میں اصلاحات حاصل کرکے موجودہ درجے کو پہنچی ہیں ہماری پہلی مجالس کی متکامل صورت ہے اگرچہ ملت کی طرف سے اس کی خواہش نہیں ہوئی لیکن چونکہ میں شورائے ملی کو مملکت کی اصلاح و ترقی کا خاص وسیلہ و اساس سمجھتا ہوں اس کا اعلان میں نے اپنے خط حرکت کے پہلے دن ہی کر دیا تھا اور شکر ہے کہ اس پُرامن زمانے میں اسکے افتتاح پر کامیاب ہوا ہوں اگر تم اپنے حقوق کو صحیح استعمال کرو اور ہمیشہ حکومت کی رفتار کے نگراں رہو اور اصلاحات کے لئے سعی بلیغ کرتے رہو تمھاری مجلس مملکت کی ترقی و تعالی امنیت اور رفاہیت کی بانی ہوجائیگی اور خانہ جنگیاں نفاق و شقاق ہمیشہ کے لئے اس وطن سے معدوم ہو جائے گا۔ شخصی معاملات اور خود غرضانہ مسائل اس اسلامی سلطنت کے زوال و

اضمحلال کا باعث نہیں ہوں گے۔ ملت ہر وقت آسودہ حال مطمئن خاطر اور فارغبال رہیگی۔ سلطنت کا تغیر و تبدل ملک و ملت کی ترقی و تقدم کے رگ و ریشے کے استیصال کا موجب نہو گا۔ چوروں جیکاروں اور سیہ کاروں کو حکمرانی کی نوبت نہیں پہنچیگی ہمیشہ نیک ذمہ دار صادق حکام اور ملک و ملت کے محسن خدام افغانستان کے کاروبار میں منتخب و مشغول ہونگے۔ استبداد مطلق العنانی بدعت پرستی اور رشوت ستانی اس قلمرو سے یک قلم مفقود ہوجائیگی۔

میں دعوا کر سکتا ہوں کہ جس روز وکلاے ملت نے مجلس مشورت میں اپنے حقوق کو پہچانا خیر و شر کو عمومی مفاد کے روسے امتیاز کیا اور خود غرضیاں اور تفرقہ مابین سے اٹھ گیا اس دن سے افغانستان کی سعادت کا دور شروع ہوگا۔ میں خداے مسئلت کرتا ہوں کہ ہمارے وطن عزیز کی سعادت کا وہ روز یہی افتتاح کا پہلا دن ہو۔ خدا قادر ہے رحیم و کریم ہے جس طرح افغانستان کو انقلاب خانہ برانداز سے اب نجات ملی اور ملت کو از سر نو امنیت عزت توانائی اور اتحاد نصیب ہوا۔ آئندہ بھی اس کی درگاہ سے مایوس نہیں ہیں بلکہ امید واثق رکھتے ہیں کہ گذشتہ انقلاب ہماری ملت کا آخری دور فترت و نکبت گنا جائیگا اور ایسے واقعات کا خاتمہ ہو کر انشاء اللہ تعالیٰ مشورت ملی کا یہ پہلا روز افغانستان کے عہد سعادت کا جو ہمیشہ جاری رہیگا پہلا روز ہوگا۔

ملت کے محترم نمائندو۔ ناامید نہو۔ یہ ظلمت کے ادوار جن میں سے ہم گذرے ہیں دنیا کی تمام ملتوں کو سہنے پڑے ہیں (ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ) ہر سختی کے بعد آسانی اور ہر تنزل کے بعد ارتقا و اعتلا آنے والے ہیں بشرطیکہ بندگان خدا حقیقت اور انسانیت کے رو سے منحرف نہوں اور عیب کو ہنر اور اسباب زوال کو ترقی کا ذریعہ نجانیں۔

میرے عزیز بھائیو اور فرزندو! اس عہد کی کارروائیوں میں سے جو میں خود بیان کرنا چاہتا ہوں افغانستان کی آج کل کی خارجی سیاست ہے تاکہ تم اس سے خوب آگاہ و واقف ہو جاؤ۔ افغانستان کی خاک پاک میں میرے ورود سے لے کر اب تک جو معاملہ و مراسلہ دول متحابہ سے ہوا ہے اس سے آپ کو خبردار کرتا ہوں تاکہ کوئی چیز آپ پر پوشیدہ نہ رہے۔ جس وقت میں نے افغانستان کی سرحد میں قدم رکھا۔ سمت جنوبی میں سقوی نفوذ کے کوئی آثار نہیں تھے اور کوئی شخص بھی اس حکومت کو وقعت اور اعتبار نہیں دیتا تھا لیکن جس وقت امان اللہ خاں نے قندھاری عساکر کی مدد سے اپنی دوبارہ بادشاہی کا اعلان کیا۔ سمت جنوبی کے باشندے متردد ہوئے اور گمان کرنے لگے کہ میں اور میرے بھائی اسکی طرفداری میں کوشاں ہیں۔ میں نے ہر چند واضح کرکے بتایا کہ میرا مطلب کسی کی شخصیت نہیں ہے حتیٰ کہ میں اور میرے بھائی اپنی ذات کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ

افغانستان میں امنیت قائم ہو اور خانہ جنگی درمیان سے اٹھ جائے پھر جس شخص کو تمام قوم و ملت بادشاہی کے لئے انتخاب کرے وہی بادشاہ ہو۔ لیکن باوجود میرے تکرار و اصرار کے سمت جنوبی کے باشندے متامل تھے اور مطمئن نہیں ہوتے تھے جبکہ میں مجبور رہا کہ افغانستان کے تمام باشندوں کے اعتراف و تصویب کے بغیر اپنی بادشاہی کو رد کردوں۔ ہر چند بڑے بڑے مواقع پر اور ناکامی و شکست کے ظہور پر اسی مدعا کو لوگ ظاہر کرتے اور بادشاہی کی تکلیف مجھے دیتے تھے لیکن میں بادشاہی کے نام کی نسبت خدائے قادر پر توکل کرتا تھا اور اس ذات متعال کے لطف و کرم کو اس امداد پر مرجح جانتا تھا اور جانتا ہوں جو مجھے بادشاہی کے نام سے ملتی تھی۔

اس سے سمت جنوبی کے قبائل میں خیالات و افکار کی پراگندگی واقع ہوئی اور سقاویوں نے سمت جنوبی پر پورا تصرف حاصل کر لیا چھاؤنیاں تقریباً سب ان کے قبضے میں آگئیں۔ میں نے اس وقت ارادہ کیا کہ سرحد کے آزاد افغانوں سے استمداد کروں اور پہلے وزیری قوم سے اعانت چاہوں۔ میرے اور ان کے درمیان انگریزی علاقہ حائل تھا اسلئے انکو پیغام بھیجا مگر انھوں نے موافقت نہ کرکے اپنی بے طرفی کا عذر پیش کیا اور وزیریوں تک راستہ دینے کو اپنی غیر جانبداری کے اعلان کے خلاف بتا کر اسی مضمون کا مراسلہ مجھے بھیجا جو موجود ہے۔ پھر بھی میں مایوس نہ ہوا۔ جاجیوں

کی غیور قوم اور ایک حصہ منگل اور احمدزئیوں کا میری طرفداری میں تھا۔ آخر ہم نے
فیصلہ کیا کہ قوم وزیر سے مدد لی جائے جو میری حمایت اور افغانستان کی نجات
کے لئے اپنی اسلامی اور افغانی حمیت سے کمربستہ تھے۔ انھوں نے میری دعوت
قبول کی اور وہ میرے پاس حاضر ہوئے۔ دولت برطانیہ نے اس معاملے پر
میرے ساتھ درشتی برتی اور بہت ضد کی کہ وزیریوں کو حاجی کے راستے نکال کر
وزیرستان واپس بھیجدوں۔ نیز میں نے قندھار کے باشندوں اور قبائل کو
اعلانات اور خطوط بھیجے جن سے وہ خوش ہوتے اور اپنی پوری آمادگی کے جواب بھیجے
مگر انگریزوں نے میرے قاصد کو وہاں جانے نہ دیا اور اسکے سامنے سخت بندشیں
پیش کیں۔ میں نے وزیریوں کے واپس بھیجنے کو ناممکن کہکر انگریزوں کو خط لکھا اور
ابھی وہ ان کے لوٹانے پر اڑے ہوئے تھے کہ وزیریوں جاجیوں منگلوں احمدزئیوں
جدرانوں گردیزیوں طوطاخیلوں اور دیگر قبائل کی جانفشانی سے کابل فتح ہو گیا۔
خلاصہ یہ کہ اس سے قبل میرے اور دولت برطانیہ کے درمیان وزیریوں کی
مشارکت کے بارے میں بہت کدورت اور کشیدگی پیدا ہو رہی تھی۔ میں تقدیر
کے حکم سے مجبور تھا کہ جس افغانی قوم و قبیلے سے بھی ہو سکے امداد لینے کی کوشش
کروں۔ میرے اور زندگی کے درمیان ایک آدھ سانس کے سوا کچھ باقی نہیں تھا
برطانیہ کی تہدید اور نیز سقاویوں کے مظالم میرے سامنے کچھ اہمیت نہیں رکھتے تھے

کیونکہ عرصۂ حیات مجھ پر تنگ تھا اور میں اپنی اور اپنے خاندان کی موت یا باشرف زندگی کو نصب العین بنا چکا تھا۔ اہل غرض فتح کابل کے بعد تشہیر کرتے تھے گویا مجھکو سمت جنوبی میں انگریزوں نے مدد دی ہے اور میں نے اس کو امتیازات دئے ہیں۔ میں آپ ملت کے نمایندوں کے سامنے آج اعلان کرتا ہوں کہ خدائے قادر مطلق کے تفضل و رحم اور افغانستان کے باشندوں کی فداکاری کے سوا کسی اجنبی دولت کی مدد سے میں نے کابل کو فتح نہیں کیا اور وطن کی نجات میں میری کامیابی خدا کے خاص لطف اور ملت افغان کی غیرت و ہمت سے حاصل ہوئی ہے۔

وہ اشخاص و اقوام جو حکومت امانیہ کے مخالف تھے اور اسی طرح وہ وزرا مامورین عساکر مشائخ اور اکابر ملت جو امان اللہ خاں کے ضرر افزا اعمال کے ساتھ موافق نہیں تھے اور مسلم ہے کہ ان کا یہ تنفر وطن و ملت کی خیر کے لئے تھا وہ چاہتے تھے کہ اس کو اس کی ناعاقبت اندیشانہ اور شہرت پسندانہ حرکات سے باز رکھیں جن میں کبھی ملی و مذہبی جذبات کا لحاظ نہیں ہوتا تھا چنانچہ چند کوتاہ بین اشخاص کے مشورے سے اس نے ملت کو اپنے سے متنفر کر لیا اور تمام خدام وطن کے اثر و رسوخ کو جو خطرے کے موقع پر کام آتے زائل کر دیا۔

میرے عزیزو! خود غرض مخالفین کی بیہودہ گوئیوں کے علی الرغم میری سیاست خارجہ میں بھید اور راز نہیں ہے بلکہ روشن و آشکارا ہے۔ میں چاہتا

ہوں کہ مملکت کی تمام باتوں سے واقف ہو کر آپ اپنے کام کو سمجھو۔ جب میں کابل میں پہنچا اور آپ لوگوں نے ہمارا اور تاکید سے مجھکو افغانستان کا بادشاہ انتخاب کیا۔ وزارت خارجہ نے تمام دنیا میں اطلاع بھیجی جس کے جواب میں دول متحابہ کی طرف سے تبریک اور موجودہ حکومت کو قبول کرنے کا اعتراف وصول ہوا اور اس کا اعلان ہو گیا۔ دولت علیہ ترکیہ کا سفیر یہاں تشریف رکھتا تھا اور دولت بہیہ روسیہ کا سفیر سب سے پہلے کابل میں پہنچ گیا باقی دول متحابہ نے بھی بعد دیگرے اپنے سفرا اور نمائندے بھیج دئے۔ بین الملکی اصول و قواعد کے مطابق میں نے حکومت سابقہ کے تمام معاہدات کی تصدیق کی اور کوئی پوشیدہ اور ظاہر معاہدہ میں نے نہیں کیا۔

البتہ گزشتہ سال بعض دول نے ہم کو امداد دی۔ چنانچہ حکومت بہیہ برطانیہ نے بغیر کسی شرط کے ایک لاکھ چھہتر ہزار پاؤنڈ قرض بلا سود دس ہزار بندوقیں اور پچاس لاکھ کارتوس دئے۔ چونکہ یہ امداد ہر طرح کی سری و علنی آلائشات سے مبرا اور بغیر شرائط کے ہے میں نے ممنونیت سے منظور کی۔ امان اللہ خاں نے بھی موٹریں ٹیلیگراف کا سامان وغیرہ دولت برطانیہ سے قبول کیا تھا سمت جنوبی کی لڑائی میں پانچ ہزار بندوقیں اور کارتوس حکومت ہند سے لئے تھے مگر ان معاملات کو آج تک ظاہر نہیں کیا تھا جب امان اللہ خان لنڈن میں تھا تو نقد

مبلغ کے علاوہ دس ہزار بندوقیں اور بعض دیگر آلات تحفے میں لئے تھے۔ میں نے سیاست خارجہ میں جو کچھ کیا ہے اس کے متعلق واضح کہتا ہوں اور آپ کو خاص جمعی دیتا ہوں کہ میری حکومت نے آج تک کسی دولت کو امتیاز حقوق نہیں دئے اور میں جب تک زندہ ہوں انشاءاللہ تعالیٰ میری قلم سے ایسی کوئی چیز نہیں نکلے گی۔ میں ہرگز افغانستان کی سیاست خارجہ میں کوئی سِرّ اور پوشیدگی رکھنا نہیں چاہتا اور نیز حکومت و ملت کو نصیحت کرتا ہوں کہ افغانستان کی جغرافی موقعیت مطلقاً سِرّی سیاستوں کی متحمل نہیں ہوسکتی چاہیئے کہ خفیہ سیاستوں سے ہمیشہ پرہیز کی جائے۔

ہم نے فرانس سے اٹھارہ ہزار بندوقیں اور ایک کروڑ اسی لاکھ کارتوس قرار داد سے خریدے ہیں جن میں سے نو ہزار کی قیمت ادا کر دی گئی ہے اور باقی دی جائے گی۔ دولت جرمنی نے بھی ہمارے ساتھ دوستانہ وضع کی ہے چنانچہ باقی ماندہ حصہ اس قرض کا جو امان اللہ خاں کو دیا تھا ہم کو دے دیا اور اسکی ادائیگی کے اقساط کو چھ سے آٹھ سال تک پھیلا دیا۔ نیز پانچ ہزار بندوقیں اور پچاس لاکھ کارتوس ہم کو دئے اور ان کی قیمت کو بھی اسی قرض میں شامل کر لیا جو آٹھ سال میں ادا ہوگا۔ انہی اوقات میں پانچ ہزار بندوقیں اور پچاس لاکھ کارتوس کے قریب انگلستان سے ہم نے خریدے اور ان کی قیمت نقد دی گئی۔ اسی

طرح دیگر دول متحابہ سے بھی اسلحہ مناسب قیمت پر خریدا گیا ہے۔

نئے معاہدے جو منعقد ہو گئے ہیں عنقریب ہونے والے ہیں اور ان میں مذاکرات جاری ہیں۔ ان میں اول جاپان اور افغانستان کا معاہدہ ہے افغانستان اور روس کی غیر جانبداری کا معاہدہ از سر نو انعقاد پا گیا ہے اور اب تجارتی معاہدے میں گفتگو جاری ہے۔ اس کے بعد ڈاک کے متعلق مذاکرہ میں داخل ہوں گے۔ افغانستان اور دولت علیہ حجاز کا معاہدہ عنقریب فیصلہ ہو جائیگا الحاصل جو کچھ ہوا ہے اور ہونے والا ہے میں نے کھول کر تمھیں بتا دیا اور ایک دفعہ پھر تم سے ظاہر کہتا ہوں کہ افغانستان کی مفید ترین سیاست جو تصور میں آتی ہے اور میں ہمیشہ اس کے دوام کی توصیت کرتا ہوں یہ ہے کہ افغانستان چاہیئے بے طرف رہے اور اپنے ہمسایوں اور تمام دول متحابہ کے ساتھ اچھی روش اور حسن سلوک جو افغانستان کے مفاد کے منافی نہ ہو اجرا کرے اور اپنے ہمسایوں کو عملاً یقین دلائے کہ افغانستان طرفین کے موازنے کو کاملاً محافظت کرتا ہوا ان کے ساتھ دوستانہ اور مساویانہ رفتار رکھے گا اور یہی طریقہ خود افغانستان کے لئے اور نیز اس کے ہمسایوں کے لئے مفید ترین ہے

سرحد آزاد کی اقوام کے متعلق یہ مسئلہ ناگفتنہ رہے جو افغانستان اور دولت برطانیہ کے لئے بہت معتنا ہے۔ حکومت ہند اور سرحدی اقوام کی باہمی

معاملت اندیشے سے خالی نہیں - میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ سرحدی قومیں اور ہم مسلمانی اور افغانیت کے لحاظ سے ایک چیز ہیں - دولت برطانیہ نے شاید اس ہمدردی کو جو سرحدی اقوام کی افغانستان کے ساتھ اور افغانستان کی سرحدی اقوام کے ساتھ ہے سالہاسے دراز سے تجربہ و مشاہدہ کیا ہے - ہم کسی وجہ سے اس ہمدردی کا انکار نہیں کر سکتے کیونکہ آزاد سرحدی اقوام کی پریشانی کا اثر ضرور افغانستان میں محسوس ہوتا ہے لہٰذا سرحد آزاد کی اقوام کی سعادت و رفاہیت ہمہ اوقات ہماری خواہش و آرزو ہے -

محترم نمائندو - یہ ہے آپ کی امروزہ حکومت کی سیاست جس کی میں نے آپ کے سامنے شرح بیان کی تاکہ آپ بے کم و کاست حقائق سے آگاہ ہو جاؤ اور اپنے کاموں میں غور و فکر سے تصفیہ کرو - امور مملکت میں بے پروائی گناہ عظیم ہے - آپ ایک بڑی ملت کی مقدرات کا اس مجلس میں فیصلہ کرو گے - تمہاری سہو و خطا ایک ذاتی معاملہ نہیں ہے - اس کا خسارہ ایک عظیم الشان اسلامی مملکت و ملت کو بھگتنا پڑیگا - نہایت احتیاط اور باریک بینی سے مسائل کے حل کرنے میں متوجہ ہو جیے - تم نے خوب ملاحظہ کیا کہ حکومت سابقہ کی ناعاقبت اندیشی اور ملت کی خیر و شر سے عدم تمیز نے کتنے بڑے نقصانات عائد کیے ہر روز اس وطن کو مشکلات میں ڈالنا سوائے اسکے کہ کہوں خیانت ہے اور کیا تعبیر

ہو سکتی ہے چونکہ آپ کی حکومت متبوعہ مشورت ملی کو زیادہ تر اہمیت دیتی ہے اور
خواہش رکھتی ہے کہ ہمیشہ ایسی اجرارات کرے جس میں رضائے خالق اور مخلوق کی
خوشی مترتب ہو اور وہ حسیات عمومی کے مطابق مطلوبہ ترقیات حاصل کرے۔ آج
میں نے کمال مسرت سے مجلس عالی مشورت ملی کو افتتاح کیا اور میرا خیال ہے
کہ اس کی فکری معاونت کے لیے اور نیز دیگر چند مقاصد کے حصول کے واسطے
ایک مجلس اعیان تشکیل کروں۔

فصل پنجم

مختلف مواقع پر اعلیحضرت کی مفید تقریریں

اعلیحضرت کا مشغلہ ہی ملت کی فلاح تھا۔ آپ کو کسی لہو و لعب کا اگرچہ وہ ایک حد تک مفید ہی ہو کوئی شوق کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہر وقت ملت کے کاروبار میں مصروف رہتے اور جب فراغت ہوتی تو بھی اسی کا تذکار کرتے اور کبھی اس تکرار سے تھکتے نہیں تھے رمضان کے مہینہ دن کو روزے کے ساتھ فرض حکومت ادا کرتے۔ رات کو تراویح کی نماز پڑھتے۔ افطار کے بعد جب عموماً طبائع تھکان محسوس کرتی ہیں آپ حاضرین کو وہی ملت کی خیرخواہی کا سبق پڑھاتے تھے۔ روزے کی خوبیوں پر وعظ کہتے جس کا ذکر نمونے کے طور پر درج ہوتا ہے :-

مسلمانوں کی ترقی اسلامی شعائر کی پابندی کے ساتھ وابستہ ہے اور روزہ منجملہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں تندرستی کے علاوہ اجتماعی اور اخلاقی فوائد مقصو ہیں۔ وہ اخلاط جو معدہ اور رگوں میں گیارہ مہینے جمع ہو کر فساد کا موجب ہوتیں ایک مہینے کے فاقے سے حل ہو کر ان کا ازالہ صحت و فرحت کا باعث ہوتا ہے۔ دولتمند

لوگ فاقہ کشی کا تجربہ بذات خود کر کے مفلسوں کے ساتھ ہمدردی کا سبق سیکھتے ہیں اور احسان و خیرات پر مائل ہوتے ہیں جس سے قوم میں اتفاق و ائتلاف قائم ہوتا ہے۔ بھوک اور پیاس میں صبر کی عادت پڑتی ہے جو مجاہدت کے لئے لابد ہے۔ جوانمردوں کو جنگ و سفر میں اس کی ضرورت سے چارہ نہیں۔ علاوہ براں اپنے نفس پر قابو پانے کی مشق ہوتی ہے۔ بیجا اور ناجائز خواہشات کو ضبط کرنے پر اقتدار حاصل ہوتا ہے جس سے انسان اخلاق کا مالک بن کر معزز و محترم ہو جاتا ہے رات کو عبادت میں مصروفیت روح کو تقویت دیتی ہے اور اکٹھے ہو کر نماز پڑھنے سے اتحاد کی صورت بندھتی ہے۔ تراویح میں ایک دفعہ سارا قرآن سننا اس کے احکام سے آگاہ بناتا ہے جو دنیا و عقبےٰ کی فلاح و نجات کے لئے لازم ہے۔

کلام الٰہی شب قدر میں اسی مہینے نازل ہوا اور اس رات تمام مخلوقات کے کاروبار اور معاملات کا اندازہ و تخمینہ لگایا گیا۔ ہم بھی مامور ہیں کہ اپنی ملی روحیات حکومت و رعیت کے جذبات خصوصیت اور ملک کی جغرافی حیثیت کے مطابق اپنے لئے ایک خط حرکت اور نقشہ تیار کریں جس کے بغیر ترقیات کی عمارت انجام کو نہیں پہنچ سکتی۔ انجینئر زمین کی وسعت اور کارآمد کمروں کی ظرفیت کو اقتصادی حالت کے ساتھ موازنہ کر کے گھر بنائے تو اس سے صاحب خانہ استفادہ کرتا اور کوئی خسارہ نہیں اٹھاتا ہے برعکس اس کے اگر اراضی کی کیفیت مالی استطاعت کے جانچنے کے بغیر تعمیر شروع کر دی

جائے تو اس کی تکمیل نہیں ہوتی اور اگر ہو جاتے تو ہر وقت نقصان اور تکلیف کا سامنا رہے گا۔ قومی محل تیار کرتے ہوئے بطریق اولیٰ ان سب امور کا لحاظ رکھنا واجب ہے

ہم نے جس پلین کی تعمیل کی ہے اس سے پہلا نتیجہ امنیت و آرام نکلا ہے جو دو سال سے زیادہ عرصہ گذرا ملت کو میسر ہے اور ایسا اطمینان و رفاہ سابقہ عہدوں میں کبھی حاصل نہیں ہوا۔ ہم اپنی اقتصادی حالت کے مطابق سڑکیں بند عمارتیں کارخانے مکاتب مطابع روز بروز زیادہ بنا رہے ہیں اور عساکر کی تنظیم بھی کر رہے ہیں۔ اس صحیح پلین کی وجہ سے تھوڑی مدت میں ہم نے بہت کام کر لئے ہیں اور یہ کوئی پیچیدہ پلین نہیں ہے۔ صرف مذہب کی پابندی کے ساتھ رواداری دلسوزی اور ہمدردی کا پاس اور تفرقہ نفاق و بے پروائی سے پرہیز حکومت کے کاموں کو اپنا جاننا وطن کی ترقی میں متحدانہ مساعی کرنا تمام امور میں غور و فکر سے کام لینا اور مشورے کو دستور العمل بنانا ہے۔ یہ ہے ہمارا پروگرام اور اگر اسی پر مداومت کریں تو موجودہ حالت میں ہماری تمام ترقیات کا ضامن ہوسکتا ہے۔ دینی پیروی کے ساتھ علوم و فنون کی اشاعت سے اخلاق درست ہو کر جہل و نادانی بالکل دور ہو جائے گی اور لائق مرد پیدا ہوں گے۔ بند نہریں اور سڑکیں عمومی رفاہیت کے علاوہ اقتصادی سہولت کے لئے ضروری ہیں۔ کارخانوں سے وطنی صنعتیں فروغ پائینگی اور بیکار لوگوں کیلئے مفید روزگار ہاتھ آئے گا۔

تمام دنیا میں آجکل لوگ مادیات پر اسقدر فریفتہ ہو گئے ہیں کہ اسی اندازے سے معنویات کو فراموش کر بیٹھے ہیں چنانچہ اس سے بڑی مصیبتیں واقع ہو رہی ہیں۔ باوجود مال و متاع کے رذالتیں، وحشتیں اور تھوڑی سی تکلیف پر صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر خودکشیاں ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ امریکہ خاص طور پر اس طرف متوجہ ہوا ہے اور شراب کی ممانعت سے اسکا مطلب اخلاق کو ٹھیک کرنا ہے۔ افغانستان نے زمانے کے رو سے مشروع تمدن میں پہلا قدم رکھا ہے اور حکومت و ملت کی متحدانہ کوششوں سے یقین ہے کہ جلدی دنیا و عقبیٰ کی سعادت کا استحصال ہوگا۔

طلبہ کے تقسیم انعامات کے موقعے پر شاہانہ نطق :-

معارف بمنزلہ روح مملکت ہے۔ ہر حکومت جو ملت کی حقیقی سعادت کی خواہاں ہے ضرور ہے کہ صحیح معارف کی قدر و منزلت کرے اور اس کی ترقی میں ساعی ہو۔ حکومت افغان اپنی تمام قوتوں کے ساتھ معارف کی سریع پیش رفت میں مصروف ہے کیونکہ ہمیں پورا احساس ہے کہ زندگی کے تمام شعبے اسی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جو مصارف اس بارے میں کئے جاتے ہیں معارف کی ترقی کے سود میں حصے کے لئے بھی کافی نہیں ہیں جو حکومت کے مد نظر ہے کیونکہ دنیائے امروزہ کی ترقیات سب معارف ہی کا ماحصل ہیں اور میں بھی امیدوار ہوں کہ افغانستان نیز اسی ذریعے سے ترقی کرے انشاء اللہ تعالیٰ۔

یقین ہے کہ آئندہ ایک ملت کے شرف کی حفاظت اور عزت کا حصول وطن
کے رجال کامل کی مساعی پر منحصر ہے کیونکہ زمانہ حال میں ظاہر ہے کہ سب محیر العقول
ترقیات علم و کمال کا نتیجہ ہیں۔ جب دنیا اسی ذریعے سے مدارج عالی کو پہنچی ہے
کوئی قوم دوسری مترقی اقوام کے مقابلے میں اپنی زندگی اور حرمت کی محافظت نہیں
کر سکتی جب تک کہ اپنے تئیں صاحب علم و کمال نہ بنائے۔ لہٰذا حکومت حاضرہ نے
محسوس کیا ہے کہ صحیح عرفان کے بغیر ترقی نا ممکن بلکہ حفظ شرف مشکل ہے۔ پس
میں چاہتا ہوں کہ وزارت معارف زیادہ تر متوجہ ہو اور ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے
پابند مذہب اور صاحب اخلاق جوان کمالات حاصل کر کے نکلیں کیونکہ اس مملکت کو صحیح
اشخاص کی احتیاج ہے اور صحیح وہ فرزندان وطن ہیں جو اپنے دین میں ثابت قدم اخلاق میں
بلند اور کمالات کے ساتھ حب وطن دل میں لئے ہوں تاکہ آئندہ وطن کی خدمت بجا لا کر
اپنے لئے ملت کے لئے اور حکومت کے لئے موجب فخر ہوں۔ ہر ملت جو ترقی کی خواہش
رکھتی ہے مجبور ہے کہ اسی شعبے سے ادارۂ مملکت کے لئے کامل آدمی پیدا کرے
مجھے بھی امید ہے کہ افغانستان کی معارف سے کم مدت میں عالم و کامل اشخاص
ظہور کریں گے جو ان ذمہ داریوں کو جو ملت و حکومت ان پر ڈالے گی بوجہ احسن
اٹھائیں گے۔ یہ لڑکے جو آج مدرسوں میں مشغول تحصیل ہیں کل جوان ہو کر مملکت کی باگ
اپنے ہاتھ میں لینگے پس ان کو لازم ہے کہ آج ان قیمتی اوقات سے استفادہ کر کے

وہ لیاقت پیدا کریں جو کل ان کو گراں فرائض ادا کرنے کی قابلیت بخشے اور یہ نظریہ اس وقت انجام کو پہنچے گا جب اساسی تعلیم صحیح و سلیم تربیت کے ساتھ جفت ہو کر ان کے دماغوں میں جگہ پکڑیگی ۔ کیونکہ تنہا علم سعادت کا متکفل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے ساتھ درست تربیت اور پسندیدہ اخلاق لازم ہیں ۔ خداوند تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ان بچوں کو عالم اور جامع اخلاقِ حسنہ اور خادمِ وطن بنائے ۔

اعلیحضرت کے اخلاقی فرامین کا نمونہ حسنہ

روزمرہ کی مجالس میں وعظ و نصیحت کے علاوہ اعلیحضرت عیدین جشنوں اور جلسوں میں ہزاروں سامعین کو ریڈیو کے ذریعے اپنی بلند تقریروں سے مستفیض فرماتے تھے اور حکام کو وقتاً فوقتاً فرمانوں میں نافع تحریروں سے مستفید کرتے تھے جن میں سے نمونے کے طور پر بعض کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے :-

(۱) امانت

والا قدر جلالتمآب نائب الحکومہ، عزیز مامورین ملکی اور میری صداقت شعار رعیت!

اپنے معین ارادے اور مقررہ عادت کے مطابق پہلے آپ سب عزیزوں کی صحت و سلامتی سے جو اصل مدعا اور آرزو ہے واقفیت حاصل کرکے مطمئن ہوتا پھر حسب معمول آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مملکت کے تمام امورات ہر حیثیت سے منتظم ہیں وطن کے تمام اطراف و جوانب میں خیریت و امنیت قائم ہے حسب بلاد و قصبات کے باشندے کمال فارغبالی و خوشحالی سے زندگی بسر

کر رہے ہیں۔

میرے عزیزو! اپنے سابقہ فرامین کے دستور پر نصائح لازمہ کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اس فرمان میں امانت کے مضمون پر بعض بیانات دیتا ہوں امانت ایک قوت ہے جو انسان کے وجود میں ودیعت ہوئی ہے اور اس سے ہر شے جس غرض کے لئے بنائی گئی ہے اپنے وقت پر ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کسی کے پاس مال رکھا جائے تو اس کو محافظت سے رکھکر بدون کم و کاست اس کے مالک کو واپس دیا جائے۔ اگر کسی کو ملازمت دی جائے تو اپنے فرائض کو جو حکومت نے اس پر عائد کئے ہیں شرافت و دیانت سے بجا لائے۔ اگر کوئی پیشہ و کسب کرتا ہو تو اپنے معاملات میں راستباز اور لوگوں کے نزدیک اعتبار کے قابل ہو۔ ہمارے رسول اکرم بعثت سے قبل اپنے معاملات اور سلوک میں اتنے سچے اور پکے تھے کہ امین کے خطاب سے یاد ہوتے تھے ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ خدا حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقوں کو سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان حکومت کرو تو عدل سے فیصلہ کرو۔ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض۔ انسان نے امانت کا ذمہ اٹھایا جبکہ آسمانوں اور زمینوں نے ڈر کر کنارہ کشی کی۔ اطاعت عبادت اخلاق اور اعمال حسنہ امانتیں ہیں جن کے ادا کرنے میں لازم ہے کہ خیانت نہ کیجائے۔ ہمت و صبر سے

کما حقہٗ امانت کار اور دیانت شعار رہیں۔ چونکہ میری آرزو یہ ہے کہ میری عزیز رعایا تمام صفات اور خوبیوں سے مزین ہو اور سب نیک امور میں سبقت لے جائے لہٰذا تمھارے لیے نصیحت کرتا ہوں کہ امانت کی خصلت کو اپنا شیوہ بنا کر کبھی اس کو ہاتھ سے مت دو۔

(۲) نیک عمل

میرے عزیزو! اس فرمان کا موضوع نیکوکاری ہے۔ اس خصلت میں تمام فضائل و اخلاق حمیدہ داخل ہیں جن کے ساتھ ابدی سعادت وابستہ ہے۔ اس سے دنیا میں کامیابی و اکرام حاصل ہوتا ہے اور عقبیٰ میں نجات و رستگاری۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوتے ہیں۔ یہ نیک بندے کون ہیں اور کیا کرتے ہیں ہیں اس فرمان میں ان کی توضیح کرتا ہوں :۔

(۱) بہرحال خدا کو عالم الغیب جان کر وہ کام جو اس کی رضا کے خلاف ہو نہیں کرتے

(۲) عمل کے اجر پر یقین کر کے جو قدم اٹھاتے ہیں اپنی اور مسلمان بھائیوں کی خیر کو پہلے سوچ لیتے ہیں اور اسکے سوا ناجائز کاموں پر اقدام نہیں کرتے

(۳) اپنے اور اپنے ہموطنوں کے نفس مال ناموس اور شرف کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں اور اس بارے میں ہر طرح کی فداکاری سے دریغ نہیں کرتے

نیز اپنے حقوق کی نگہداری میں دوسروں کے حقوق پر تجاوز نہیں کرتے۔

(۴) اوامر الٰہی کو بجا لاتے ہیں اور اطاعت اولی الامر بھی اس میں داخل ہے پس حکومت کی تعلیمات اور احکام کو جو ارباب عقل سلیم صادر کرتے ہیں اور اس میں عمومی اور انفرادی خیر مقصود رہے احترام سے قبول کرتے ہیں۔

(۵) وطن کی آبادانی دولت کے استحکام اور ملت کی راحت ورفاہیت کے وسائل کی فراہمی میں کمال جد وجہد اور صداقت برتتے ہیں۔

(۶) نعمت و مال جو خدا نے عطا کیا ہوا سے مناسب طریقے سے خرچ کرکے شکر گزار ہوتے ہیں اور اسکو صرف کرتے ہوئے معصیت میں مبتلا نہیں ہوتے۔

تم میرے عزیز فرزندو اگر نیکی کی صفت سے متصف ہونا چاہتے ہو تو سفر و حضر میں ہمیشہ ان مذکورہ بالا امور کو مدنظر رکھو تاکہ عباد الصالحون کے زمرے میں داخل ہو۔ افسوس ان اشخاص پر جو ان صفات سے عاری ہوں اور خوش قسمت ہیں وہ جو نیکو کار بنکر اپنی اور اپنے بھائیوں کی فلاح و بہبود میں کوشش کریں۔ اخیر میں خداوند کریم سے تمنا کرتا ہوں کہ تم سب اس نیک وصف سے آراستہ ہو کر سعادت دارین حاصل کرو۔۔

(۳) عید اضحےٰ

میرے عزیزو!

چونکہ عید سعید اضحیٰ دینی ایام میں ایک افضل روز ہے اسلئے سابقہ عیدوں کی
مانند اسکی بعض محسنات ومزیات کا بیان کرنا مناسب ہے - اس عید کا اکرام و لحاظ
سب مسلمانوں پر مساوی واجب ہے - تکبیر تہلیل تطہیر نماز قربانی حج مصافحہ اور معانقہ
اعمال مستحسنہ جو تیرہ سو سال سے بے کم و کاست مسلمانوں کے درمیان عقیدت و
حمیت سے جاری ہیں - انکے مرتبے کو بارگاہ کبریائی میں دو چند اور باہم توحید افکار
اتفاق اقوام اور حسن معاشرت کو سرمشق بناتے ہیں -

تکبیر و تہلیل جو عید کے دنوں میں پکاری جاتی ہے علاوہ عبادت و ثواب کے
عمومی ہم آوازی اور مجموعی نعروں سے اسلام کے پہلے بزرگوں کی یاد کو تازہ کرتی ہے
اور مسلمانوں کو اپنے سچے دین کے پابند دکھاتی ہے - اسی طرح پاکیزگی خوشبوؤں کا
استعمال سیر و گردش اور اقربا و احبا سے ملاقات جو اجتماعی حالت میں اجرا ہوتی ہے
اسی طرح شریعت کی پیروی ہے جس سے حفظ الصحت صلہ رحم اور اتفاق و اتحاد
قائم ہوتا ہے اور خاندانوں اور افراد کے تنازعات و مناقشات رفع ہوتے ہیں
یہ مظاہرہ ہر شہر و قریہ میں نمودار ہوکر مسلمانوں کی شان و شوکت کا موجب ہوتا ہے

حج کا فریضہ حقوق اللہ کے متعلق گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور ضمناً حاجیوں کو
رنج و صعوبت سفر سے بلاد کی آب و ہوا کے تفاوت سے جو راہ میں واقع ہیں حضر کی
راحت کی قدر دانی حاصل ہوتی ہے - اسکے سوا کئی ملکوں کے لوگوں سے انکی عادات

خوراک و پوشاک وغیرہ گوناگون مشاہدات سے جو سیاحت کے لوازم ہیں۔ آشنائی ہوتی ہے۔

قربانی ایک تو حضرت خلیلؑ کے ایثار کو تازہ کر کے ہر مسلمان کو اسکی متابعت پر آمادہ کرتی ہے دوسرا اسکے ذریعے سے اقربا میں تحفہ بھیجنے سے محبت بڑھتی ہے اور محتاجوں کو مدد ملتی ہے۔ جناب رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دن انسان کا عمل خون کے ٹپکانے سے بہتر ہے۔ الحاصل تمام شعائر و آداب جو اس روز کے لئے مقرر ہیں علاوہ ثواب آخرت کے زندگی میں بھی بڑی تاثیر رکھتے ہیں اور عظیم فلسفے پر مبنی ہیں۔ ان ایام میں جو زیادہ تر ہیں ہیں متعلقہ مراسم کا پاس اتفاق و موالفت پیدا کرنے اور رنجیدگی و کشیدگی کو دور کرنے میں بہت مدد ہے۔

لہٰذا میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ عید سعید کے دنوں میں اسکی تمام رسموں اور رواجوں کے پابند ہو۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ صلح و صفائی اور محبت و مودت سے پیش آؤ۔ عبادات خیرات اور صدقات سے دو نوجہانوں کی خوبیوں کو حاصل کرو۔ اپنے بچوں کو جو عیدوں کی تقریب پر سب سے زیادہ خوش ہوتے ہیں معصومانہ مسرتوں میں رکھو جن سے کدورت و ملال واقع ہو ان کے ساتھ اس دن کی سعادت کی وجہ سے مصالحت کرلو۔ بیماروں کی عیادت مفلسوں کی معاونت بزرگوں کی اطاعت اور خوردوں پر مہربانی لازم جانو۔ حقداروں کے گھروں میں جا کر عید مبارکی دو خوشیوں

اور دوستوں کو تپاک اور خلوص سے تہنیت کہو۔

چونکہ ان مسعود روزوں میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کعبۂ شریفہ میں حج کے مناسک ادا کرنے میں مشغول ہو کر اپنے گناہوں کی مغفرت اور عالم اسلام کی خیر طلب کرتی ہے تم بھی عید کی نماز میں حضور قلب سے اسلام کی ترقی و بہبودی کی دعا مانگو تاکہ تم حاجیوں کے ساتھ ہم آواز ہو کر خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول بنو۔ قربانیوں کو شرعی شرائط کے بموجب مستحقین میں تقسیم کرو۔ ہر حال میں خوشی اور خوبی سے بات کرو۔ خوش اور خوب رہو اور ایک دوسرے کی خوشی اور خوبی کے لئے کوشش کرو تاکہ تمہاری عید سعید بنے۔ آخر میں میں بھی تم کو عید مبارک کہہ کر خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ میری عزیز ملت افغانستان کی سعادت و تعالی کے ساتھ بہت سی عیدوں کو خوشی اور خوبی سے گزارے۔

فصل ہفتم

اعلیٰحضرت کے مزید احسانات اور ان کا اعتراف

بچہ سقا کے دوران میں جیسا کہ توقع تھی سب مکاتب و مدارس یک قلم موقوف بلکہ ویران و تباہ ہو گئے تھے۔ فوجی لوگ ان میں مقیم کرسیوں میزوں اور کواڑوں تک کو جلا چکے تھے۔ طبیعیات کیمیا وغیرہ کی اشیا تلف ہو چکی تھیں۔ ملی کتابخانے کی ایسی گت بنی تھی کہ قیمتی اور نایاب کتابیں جیبری جانے کے علاوہ کوڑیوں کے دام بکی تھیں۔ چنانچہ بعض طلبہ لمبے چغے پہنے سقوی سپاہیوں کو پیسے دے کر گٹھڑیاں اس بہانے سے لے گئے کہ ردی کاغذوں کے طور پر بیچنگے یا جلائینگے۔ الغرض اعلیٰحضرت محمد نادر خاں نے معارف کو اس حال میں دیکھکر اپنی تخت نشینی کے دوسرے دن ہی علی محمد خاں کو جو افغانستان کے باغ تعلیم کے سرو بلکہ نخل بار آور ہیں وزارت پر مقرر کر کے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں سب سے پہلے معارف احیا ہو کر ازسرنو جاری ہو اور اس بارے میں جس قدر سعی و غیرت کر دگے میں ممنون ہونگا۔ کیونکہ یہی ایک اصولی وسیلہ ہے جو ان سب خرابیوں اور تباہیوں کا ازالہ کر سکتا ہے

باوجودیکہ اس وقت ضروری مصارف کے لئے روپیہ نہیں تھا پھر بھی تیس ہزار روپیہ عنایت فرمایا جو سال کے آخر تک سات لاکھ پھر دوسرے سال بائیس لاکھ اور تیسرے سال تیس لاکھ تک پہنچکر ہر برس بڑھتا رہا جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے زیادہ مکاتب و مدارس قائم ہو گئے۔ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ دارالامان کے عالیشان محلات اور کوٹھیاں مع اراضی و باغات کے معارف کی نذر کیئے۔ یورپ اور امریکہ میں طلبہ کی تعداد پہلے سے دوچند یعنی دو سو تک پہنچ گئی۔

اب داخل و خارج میں تعلیم صحیح اساس پر اجرا پذیر ہوئی یعنی پہلے دینی و اخلاقی پہلو خالی تھا جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہتا اور اس کا اظہار کسی تاثیر پر نتیج نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً میں تمام طلبہ کو جمع کر کے ہفتے میں ایک دن اس موضوع پر دو ڈھائی گھنٹے لکچر دیتا تھا اور ایک رسالے میں اس مبحث پر مضامین لکھکر مہینے میں ایک بار یورپ کے طلبہ کو بھیجتا تھا۔ یہ دونوں ذریعے موقوف کیئے گئے۔ الحاصل دینی ملی اور اخلاقی امور سے قصداً بے اعتنائی برتی جاتی تھی اور عام تعلیمی امور میں بھی سطحی اور نمایشی باتوں کا زیادہ خیال رکھا جاتا اور حقیقی اور ٹھوس ترقی کی بناؤں سے بے پروائی دکھائی جاتی۔

سر آغا خاں نے علیگڑھ کانفرنس میں صدر کی حیثیت سے مسلمانوں کے

زوال کے باعث کا سراغ اس زمانے سے لگایا تھا جب حضرت عثمان رض کی شہادت پر بعض اصحاب بے طرف ہو کر خانہ نشین ہو گئے تھے۔ علما و مشائخ حکومت و مملکت سے علیحدہ ہو کر جداگانہ تعلیم و تلقین کرنے لگے اور آج بھی ہندوستان میں یہی حال ہے۔ جب تک سب مل کر اصلاح و تقدم میں کوشش نہیں کرینگے کامیابی ایسی ہی محال ہے جیسے کسی کو ہاتھ پاؤں باندھکر دریا میں ڈال دیا جائے تاکہ ساحل سلامت پر پہنچ جائے۔ جب تک مذہبی رہبر ملاحی نہ کریں گے کشتی منجدھار میں رہے گی۔ اعلیٰحضرت محمد نادر خاں کی حکومت اپنی سلیم روش سے اس نکتے کو نہ صرف تاڑ گئی ہے بلکہ دینی عقیدت کے دلی ہونے کے سبب طبعاً مائل ہے کہ روحانی پیشواؤں کی اعانت حاصل کرے۔ جو خود شریک حکومت ہیں اور اس کی ترقیات کے اقدامات میں حصہ لے رہے ہیں۔ جمعیت العلما پایہ تخت میں سرگرمی دکھا رہی ہے اور ہر علاقے میں مشائخ بسیمی ارادت سے اپنے مریدوں کو حکومت کا وفادار بنا رہے ہیں۔ اعلیٰحضرت اور ان کے برادران کرام اور وزرائے عظام کو ان ذوات کبار کے ساتھ اخلاص و صداقت ہے اور اس کا اظہار مختلف عملی و معنوی ذرایع سے ہوتا رہتا ہے مثلاً نہ صرف ان بزرگوں کی زندگی میں ان کی توقیر و تکریم کی جاتی ہے بلکہ ان کی وفات پر بھی تاسف کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میاں صاحب سرکانی اور ملا صاحب مزینہ فوت ہو گئے تو اعلیٰحضرت

نے ان کے جانشینوں کو فرمان بھیجا جس کا ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے :-

جناب مخدوم غفران مآب کی رحلت کی خبر تالم اثر سے جو عالم متدین اور مادی ومعنوی فضائل سے آراستہ تھے مطلع ہو کر نہایت متاسف ہوا۔ اگرچہ اس طرح کے علمائے حقانی کا عالم فانی سے جہان جاودانی میں انتقال فی الحقیقت ان کے تقرب کا بارگاہ خداوندی میں وسیلہ ہے مگر چونکہ ان ذوات بابرکات کا وجود منجملہ مغتنمات ہوتا ہے اسلئے کہ افغانستان کے افراد کے لئے انکی تدریسات ومواعظ دین ودنیا کی رہنمائی کے مورد ہوتے ہیں لہٰذا ان کا فقدان ان کے سب ارادتمندوں کے لئے قلبی تاثرات کا موجب ہوتا ہے۔ میں ارحم الراحمین کی درگاہ سے ان کے لئے اخروی مراتب کے ارتقا اور پسماندوں کے لئے اجر کی دعا کرتا ہوں اور اس فرمان کے ذریعے سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہوا مرحوم کے تمام اخلاصمندوں کے لئے اس قضائے الٰہی پر صبر اور ہمیشہ عافیت کا خواستگار ہوں۔

اعلیحضرت کی سلطنت کے چار سالوں میں علاوہ انقلاب کی بربادیوں کو دوبارہ آباد کرنے کے کئی جدید اصلاحات وعمرانات کا عمل درآمد ہو گیا ہے جن کی مختصر فہرست دی جاتی ہے :- یتیم خانہ - دارالمجانین - موسسات خیریہ - معادن کا میوزیم - شرکت اسہام - شعبۂ لفظیہ - شعبۂ خزائن خارجی - شعبۂ واردات صادرات - اطاق تجارت - ڈیری فارم - ادارۂ جنگلات - بند - نہریں - سڑکیں

مشینیں اور کئی طرح کی ایزادیں جو زراعت حرفت اور مکاتب فنیہ وحسربیہ میں ظہور پذیر ہوئیں۔

مجلس اعیان کے افتتاح پر اعلیحضرت نے ایک موثر تقریر فرمائی جس کے جواب میں مجلس کی طرف سے جو معروضہ پڑھا گیا درج ہوتا ہے تاکہ ملت افغان کے اونچے طبقے کا عقیدہ اعلیحضرت کی نسبت معلوم ہو۔

چونکہ خداوند متعال وقادر لایزال کی مشیت ہے کہ ملت نجیبۂ افغان کو دنیا کی ملل متمدنہ میں شامل فرمائے اس کی رہنمائی اور ارادے کے لئے آپ اعلیحضرت کی مانند ایک ذات سراسر صفات عطا و مرحمت فرماتا ہے جو تمام محسنات اخلاقیہ کے مالک صاحب عقل و دانش اور بہت بلند و نافع تجارب کے اہل ہیں تاکہ ارتقاء و اعتلا کی راہ میں اور رفاہ ملت کے ہر طرح کے وسائل کی فراہمی میں کسی قسم کی سعی و فداکاری سے باز نہ رہ کر اپنی عزیز ملت کو عالم کی ملل متمدنہ کی گنتی میں لے آئیں۔

اے اعلیحضرت! آپ بنفس نفیس شاہانہ، دنیا کے بڑے تاریخی اشخاص میں سے اور عصر حاضر کے ایک نابغہ ہو جنھوں نے اپنی ملت محبوبہ کی نجات و ترقی کے لئے ایک قوی ارادے کے ساتھ بڑی متانت و استقامت کے ساتھ کسی طرح کی بھی فداکاری وجاں نثاری سے دریغ نہ کر کے اس حال میں کہ مشقتیں اور زحمتیں

آپ کے دریائے عزم کے جوشش کی مانع نہیں ہو سکتی تھیں۔ اپنے بلند قصد اور عالی ہمتی کے سائے میں ایک جاودانی نام و شرف اپنے لئے اپنے بادرایت بھائیوں کے لئے اور اپنی آئندہ اولاد احفاد و نژاد کے لئے یادگار چھوڑا ہے۔

اے اعلیحضرت! آپ کے شاہانہ برجستہ اور درخشاں کارنامے افغانستان کی تاریخ کے صفحات میں نظیر نہیں رکھتے۔ ملت کے تمام افراد و طبقات آپ کی اور آپ کے باعلم و دانش بھائیوں کی ان سب ان تھک زحمات کی قدر و قیمت کو جان کر آپ کی ذات ملوکانہ کو اس زمانۂ عرفانی میں اپنی ترقی و رفاہ کے لئے نعمائے الٰہی میں سے ایک بہترین نعمت سمجھتے ہیں۔ مجلس اعیان جس کا آج آپ نے افتتاح فرمایا اعلیحضرت کے تاریخی موسسوں میں سے ایک ہے۔ ہماری واحد آرزو یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ ذات ہمایونی کی اطاعت میں اپنے فرائض کو خلوص نیت اور عشق راسخ سے بجالائیں تاکہ اس ملت دوستی اور عدالت پسندی کے شاندار عہد میں ملت و دولت کی پیشگاہ کے سامنے افتخار حاصل کر سکیں۔"

رزمی امور کے خلاف، جن میں خلقت کی جلب توجہ اور سنسنی کا سامان مہیا ہوتا ہے بزمی معاملات امن چین اور ایسے آرام سے طے ہوتے ہیں کہ اجتماعی ترقیات پر کوئی التفات نہیں کرتا۔ اسی طرح اعلیحضرت شاہ نادر خاں غازی نے خاموش فعالیت کے ساتھ جس کی خبر عام دنیا کو نہیں ہوئی مملکت کے

تمام اداروں اور شعبات میں اصلاحات جاری کیں مگر اس کا اثر خاص طبقات پر پڑا جنھوں نے اپنے منافع کو محسوس کر کے مناسب مواقع پر ان عنایات کا اقرار اور شکریہ ادا کیا جو شاہانہ عواطف سے ملت و ملک پر مبذول ہوئی تھیں۔ آپ کے پانچویں سال جلوس پر نہ صرف ملی نمائندوں نے بلکہ شیخ السفرا نے اپنے ہمقطاروں کی طرف سے ان مفید اقدامات و تشبثات پر اطمینان و تہنیت پیش کی جو حکومت نے متواتر مساعی سے وطن کے تقدم و ارتقا کے لئے استقامت کے ساتھ جاری کر رکھے تھے۔ الحاصل اپنے اور بیگانے سب معترف ہو گئے کہ افغانستان کو آخر ایسی سلطنت حاصل ہو گئی ہے جو اسے ایک مستقل دولت کی صورت میں دوام دیکر تمام مدنی لوازم کو فراہم کر رہی ہے جو فی زماننا وقعت بین الملل کے لئے ضروری ہیں۔

اگرچہ اعلیحضرت کو اور نیز ان کے برادران کرام اور وزرائے کبار کو یورپ کے دار الفنون اور تعلیمی موسسات ملاحظہ کرنے کے موقعے حاصل ہوئے ہیں اور پچھے خود ملک میں جرمن فرانسیسی ترکی اور ایرانی پروفیسروں کے ساتھ ہندوستان کے تعلیمیافتہ اصحاب نے مل کر اور مذاکرات کر کے افغانی درسگاہوں کا ادارہ و انتظام کیا ہے مگر اس موالفت و

موافقت کی بنا پر جو ذات شاہانہ اور ان کے خاندان ذیشان کو اہل ہند کے ساتھ طبعی طور پر ہے پنجاب کے ممتاز فیلسوف اور مشرق زمین کے شاعر شہیر ڈاکٹر اقبال کو اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے بار ور نہال سید راس مسعود کو جو اپنے جد امجد کی جگہ اس کی باغبانی پر بھی مقرر ہیں مع دیگر لائق احباب کے کابل میں مدعو کیا۔ انھوں نے ارباب حکومت کے ساتھ ملاقات کر کے اور سب ادارات مشاہدہ کرنے کے بعد مراجعت پر جو خیالات ظاہر و نشر کئے وہ تصدیق کرتے تھے کہ صنعت حرفت اور علم و عرفان میں صحیح روش جاری ہے اور اگر دس سال یہی رفتار رہی تو پختہ تکامل اور معتد بہ ترقی قائم و مستحکم ہو جائے گی اور ان امیدوں کو اعلیحضرت غازی کے وجود ذیجود کے ساتھ خصوصیت سے انھوں نے وابستہ کیا کیونکہ ان کی خصائل عالیہ اور ان کے ملی کارناموں اور مظاہر سے ہندوستان کے عوارف و کبائر بھی البتہ متاثر ہوتے جس کا انھوں نے بڑی مسرت سے اعلان کیا۔

ڈاکٹر اقبال نے معاودت پر اخبار اصلاح میں حکیم الہی کے سیاق پر لکھا تھا " میں نے ایسے بادشاہ کی زیارت کی جس کے کام کی بنیاد

بندگیٔ خدا اور عشق وطن پر ہے یعنی ایسا بادشاہ جو قبائے خسروانہ کے اندر خرقۂ درویشانہ اوڑھے ہے اور خداوند تعالیٰ نے حضرت رسالتمآب کی روحانیت کے طفیل اس کی درویشی کو قبول فرمایا ہے۔" اس صائب رائے کے مطابق قبلاً اعلیحضرت غازی (شہید) نے استقلال کے چودھویں سال کی شاہانہ تقریر میں ملت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ قوت علم صنعت اور کمال حاصل کرنا تمھارا فرض ہے اور راہ استقلال میں میرا فرض بندگیٔ خدا اور عشق وطن ہے۔ میری عبودیت میں دنیاوی طمع نہیں اور میری حب وطن میں عقل کو دخل نہیں اس لئے میری کامیابیاں محض لطف خداوندی پر مبنی ہیں اور ان میں دلیل و اندیشہ کی گنجائش نہیں۔ میں نے اپنی ملت کے لئے ایسے دل پر درد اور پر آرزو کی پرورش کی ہے کہ اس کے اور بارگاہ مجیب الدعوات کے درمیان کوئی واسطہ یا پردہ نہیں میں نے قوت دانش اور ثروت سے کام نہیں لیا۔ میری قوت میرا عجز ہے۔ میری دانش میرا عشق ہے اور میری ثروت میرا خلوص ہے۔ ان تینوں بے بضاعتی کے متاعوں کو اپنی عزیز ملت کے لئے آدھی آدھی راتوں کو جب آسمان کے دروازے کھلے ہوتے ہیں نے درگاہ بے نیازی میں تقدیم کیا اور اپنے عجز مطلق اور بے کسیٔ محض

کی قوت سے الطاف آسمانی کو حاصل کیا۔ دعا کرتا ہوں کہ بندگی کی
دولت مجھ سے لی نہ جائے اور اخلاص و فداکاری میں ثابت قدم رہوں
میری عزیز ملت کو دینی و دنیوی ترقیات نصیب ہوں ؂

باب ششم
ظاہر اور معنی کے ساتھ سابق کی مترادف
جدید بادشاہی

فصل اوّل

ناگہانی شہادتِ کبریٰ

اعلیحضرت غازی نے داخل و خارج میں جدوجہد کا اجرا کرتے قندھار کی ولایت اور شمالی سمت کو وزیر محمد گل خاں کی متنور تنظیمات سے آباد و آراستہ کیا تو ترکستان کی جانب نئی اور قطع کوتاہ سڑک نکال کر مزار اور میمنہ وغیرہ کی اصلاحات کیلئے صدر اعظم سردار محمد ہاشم خاں وزیر خارجہ سردار فیض محمد خاں اور وزیر تجارت مرزا محمد خاں کو اعزام کیا۔ ان اصحاب کے رخصت ہونے پر دار السلطنت میں حسب معمول کاروبار جاری تھے اور منجملہ مکاتب کے طلبہ میں ورزشوں کے مقابلے ہو رہے تھے جن میں جیتنے والوں کو انعامات عطا کرنا بادشاہ نے اس لئے اپنے ذمے لیا کہ نوجوانوں کو مردانہ ریاضات میں سبقت کی تشویق ہو۔ جب آپ قصرِ دلکشا سے باہر تشریف لاتے تو عین اسی حالت میں کہ بڑی محبت اور شفقت سے اپنی معنوی اولاد کے ساتھ جس منہ سے باتیں کرتے تھے اور جس دل سے وہ الفاظ نکلتے تھے ان دونو کو ایک طالب علم عبد الخالق نامی نے

پستول کا نشانہ بنایا (تین بجے روز چہار شنبہ ۔ ۲ رجب مطابق ۸ نومبر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ع) آپنے جزع و فزع کی علامت کے بغیر زخم برداشت کیا۔ بیہوشی میں آپ کو حرم سرائے اٹھاکر لے گئے اور اپنے عزیزوں کے درمیان چند منٹ بعد واصل بحق ہو گئے۔ مرتے دم تک آپ نے وقار کو شعار بنائے رکھا۔ انّ العزۃ للّٰہ ولرسولہ وللمومنین ؛

جرنیل غلام نبی اور اسکے بھائی غلام جیلانی نے جب ساٹھ آدمیوں کو ساتھ لے کر برگڈیر عبدالاحد خاں کو قتل کیا تو یہ لوگ قید میں ڈالے گئے جہاں پانچ سال کے عرصے میں اکثر ننگے بھوکے رہتے اور جرنیل صاحب محبس میں بھی مرنے ارا تے بندش اور رہائی میں یہ معاون اصلی قاتلوں کے خاندان کو کوستے تھے اور میں دونوں وقتوں کا شاہد ہوں۔ ایسے بیوفا اور اوباش اشخاص کے ساتھ نوکروں کا صمیمی معاملہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی خاطر جاں نثاری پر آمادہ ہو جائیں چنانچہ عبدالخالق نے جو غلام نبی کا غلام بچہ تھا فائر کرنیکے بعد مہلک آلہ ہاتھ سے پھینک دیا تا کہ پہچانا نہ جائے۔ قیاساً اس کو دھوکا دیا گیا کہ بادشاہ کے قتل پر سخت ہنگامہ اور اختلال برپا ہو جائے گا جس میں ہر کسی کو اپنی مصیبت پڑ جائے گی۔ شہر میں لوٹ مار مچ جائے گی اور کسی کو قاتل کی گرفتاری نہیں سوجھے گی۔ بعد میں اس کو انعام و اکرام کی طمع و توقع دلائی گئی۔ خادم ناتجربہ کار بے شرم ننگین اور سیاہ دل مجرم نے فریب کھایا اور اسکے سفاک محرکوں نے اپنے فتنہ و فساد کے سابقہ سلسلوں میں ایک اور غلط آزمائش

کی نتیجہ ان کی جناب کارانہ امیدوں کے بالکل برعکس نکلا۔

ملت افغان کو شاہ شہید اور انکے خاندانِ خالص کی خدمات پورے طور پر معلوم ہو چکی تھیں جس کا اظہار انکے غم الم اور ماتم سے ہؤا۔ مرحوم کے محروم پسماندوں کے ساتھ ہمدردی کی لہر اٹھی اور حقانیت کے ساتھ عقیدت کے سمندر نے ایسا جوش مارا کہ اپنے اور بیگانے دنیا کے چار کھونٹوں میں آٹھ آٹھ آنسو رونے لگے۔ مگر پانی میں میکروب بھی ہوتے ہیں نہنگ بھی جو شکار مار کر اشک ریزی کرتا ہے مگر انسان اس سے بھی بدتر ہو سکتا ہے بل ھو اضل

دوریاب لہ سردجوشی حباب زڑہ چوی + شیدا قطع وامید لویہ لہ خپلو۔

(بحر کی سرد جوشی سے حباب کا دل پھٹا جاتا ہے۔ اے شیدا! اپنوں سے امید قطع کر لینی چاہیئے)

جب ملک کے اندر اور باہر سے تعزیت و تسلی کے پیغاموں کی تاریں غم خواری برسانے لگیں تو روم سے یہ خبر آئی کہ امان اللہ خاں اس مرگ پر خوشی کا تر شح کر رہے ہیں۔ البتہ ظرف میں جو ہو وہی ٹپکے گا۔ اس بہجت کا باعث یہ قرار دیتے ہیں کہ ظلم و ستم کا دورہ ختم ہوا۔ زمانہ جو محکِ حق ہے آئندہ اس کی تردید کرے گا مگر ماضی سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ شاہ نادر خاں غازی نے قتل و غارت کے عہد کو قطع کیا اور عدل و امن کی صورت پیدا کی۔ بعض اشرار کو یہ نہ بھایا اور ان کی ریشہ دوانیوں سے افغانی سفارتخانہ برلن میں اور انگریزی سفارتخانہ کابل میں مذبحے بنے ۔ ان

اعلیحضرت غازی شهید محمد نادر خان   اعلیحضرت شاه محمد ظاهر خان

مفسدوں کی بیخ کنی جو اپنوں بیگانوں پر یکساں ہاتھ صاف کریں واجب تھی۔ ورنہ دھاڑویوں کی حکومت کا اعادہ غالب تھا۔ رومی مسافر کی یہی حسرت تھی جو اپنے حرمان میں ایک صالح اور عادل بادشاہ کی موت پر مسرت ظاہر کی بجا طریقے پر مجلس شورے نے فیصلہ کیا کہ وہ ملتِ افغان ہی سے خارج ہے۔ انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح ؎

پسرِ نوح با بداں بنشست ٭ خاندانِ نبوتش گم شد

ملت کے ماتمِ عموم کے علاوہ دول خارجہ کے سفیروں نے یہ پیغام سنایا:۔

ہم اعلیٰحضرت محمد ظاہر خاں کی خدمت میں عمیق ترین احساساتِ ہمدردی و تسلی تقدیم کرتے ہیں۔ فی الواقع اعلیٰحضرت بادشاہ محمد نادر خاں کا ضائع ہونا ایک عظیم سوگواری ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ سب ہمدردانہ مظاہرات جو تمام اطراف سے اعلیٰحضرت کے پاس پہنچ رہے ہیں ایک حد تک آپ کے غم والم کو تسکین دیکر اس طاقت و توان فرسا بار کو جو اس سانحے سے آپ نے اٹھایا ہے تخفیف دیں گے۔

جس جگہ سے امان اللہ خاں نے شادمانی کا اعلام کیا تھا وہاں کے بادشاہ نے یوں اظہار رنج کیا:۔ اعلیٰحضرت محمد ظاہر خاں شاہ افغانستان سے تمنا کرتا ہوں کہ لطف فرما کر میری تسلیات کے شدید ترین مراتب کو اپنے نامدار باپ کے

حزن اور ضیاع پر قبول کریں۔ وکٹر ایمانیول شاہ ایطالیہ۔

اعلیٰحضرت شاہ عراق :۔ آپ کے عالی ہمت باپ کی رحلت پر کمالِ تالم و حزن سے اپنے نہایت درجہ درد و رقت کا اظہار کرتا ہوں۔

فان ہنڈن برگ رئیس جمہور جرمنی :۔ آپ کے باپ اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ کی مدہشہ شہادت پر نہایت متاثر و متالم ہو کر اپنے صمیمی و ہمدردانہ احساسات تمام دل سے آپ اعلیٰحضرت کو تقدیم کرتا ہوں۔

البرٹ لوبرن رئیس جمہور فرانس :۔ آپ اعلیٰحضرت کے نامور باپ اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ کی شہادت پر جو ایک برے اور بیباک قصد سے واقع ہوئی عمیقانہ متاثر ہو کر تہ دل سے ہمدردی و تسلی تقدیم کرتا ہوں۔

اعلیٰحضرت رضا شاہ ایران :۔ اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ غازی کی شہادت کی خبر وحشت اثر سے نہایت متاثر ہوا غم و الم سے بھرے دل کے ساتھ آپ اعلیٰحضرت اور خاندانِ سلطنت کو صمیمی تسلی دیکر آپ کے لئے صبر و شکیبائی کی دعا کرتا ہوں۔

گناسس موسیکی رئیس پولینڈ :۔ اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ پر جنایت کارانہ حملے کی خبر سے جوان کے خاتمۂ حیات پر منتج ہوا عمیقاً متاثر ہوا۔ میری صمیمی تسلیات کے ساتھ ہی سرگرم دعائیں قبول ہوں جو اعلیٰحضرت اور افغانستان کی ترقی و عظمت

کے لئے کرتا ہوں۔

اعلیٰحضرت فواد پادشاہ مصر:۔ آپ اعلیٰحضرت کے نامدار والد پر سوء قصد اور پیہاکانہ حملے سے جوان کی وفات کا موجب ہوا صمیمانہ تسلیات دلی رقت و محبت سے ارسال کرتا ہوں۔ آپ اعلیٰحضرت کے جلوس تخت سے میرے حزن و ملال کو بڑی تسکین ہوئی میری دعائیں آپ کی سیادت کے ماتحت ملت افغانستان کی ترقی وسعادت کیلئے قبول ہوں۔

یہ چند مراسلات عیناً نمونے کے طور پر نقل کئے گئے ورنہ اسی طرح بادشاہ اور ملکۂ بلجیم۔ برطانیہ۔ ترکیہ۔ جاپان۔ روس الغرض سب شاہان و رؤساء نے ٹیلیگراف اور پوسٹ کے ذریعے مواسات و غمگینی کا اظہار کیا۔ سوائے ایک شاہ مخلوع کے جس کو بقول کابلیوں کے خدا نے شرمایا کیونکہ اس کو اپنے ترقی آداب کے علاوہ اپنی پناہ گاہ اٹلی کے لاطینی محاورے کی بھی خبر نہیں تھی جس کی رو سے متوفی کو اچھا ہی کہتے ہیں۔ قاتل پر جس نے ایک تاجی و نجی بادشاہ کو عمداً شہید کیا سبھی نے نفرین کہی۔ الا چند ہوس پرستوں کے جنھوں نے صرف اسی لئے اسے ابھارا تھا۔ کہ خون کے علاوہ مال سے بھی اس کے ہاتھ رنگے جائیں گے ورنہ اس کیلئے اور کوئی چیز محرک نہیں تھی۔ وطن کے خائنوں کی خام طمعی کے خلاف قاتل کے ہم مکتب ہی اسے چیر پھاڑ ڈالتے اگر فوراً سردار شاہ محمود خان اور وزیر اللہ نواز خان

صبح صبر سے کڑاجی کرکے اسے مصلحتہً نہ چھوڑاتے اور مزید تحقیق کے لئے قید میں نہ ڈلواتے۔

شہادت کے دوسرے دن جب یہ اطلاع ہمیں جالندھر میں پہنچی تو ہمارے گھر میں البتہ ماتم برپا ہوگیا۔ میرے بارہ سالہ لڑکے نے جو کابل کے فرانسیسی مکتب کا متعلم رہ چکا ہے غم و غصے میں بے اختیارانہ کہا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو قاتل کو قتل کئے بغیر کبھی نہ چھوڑتا میرے بھانجے خان بہادر عبدالمجید خاں نے اعلیحضرت غازی کی فتح کابل کی بشارت بے انتہا مسرت سے مجھے پہنچائی تھی جس کا ذکر پہلی جلد میں ہوا ہے۔ اب اسی غایت درجہ غم سے یہ تحریر کیا:۔ اعلیحضرت غازی شہید کی وفات کا حال پڑھکر اس قدر اسلامی اور قومی صدمہ ہوا ہے کہ اس کا اندازہ اللہ پاک کو بخوبی معلوم ہے۔ نہ زبان سے اظہار ہوسکتا ہے اور نہ قلم سے لکھا جاسکتا ہے۔ میں تو آسمان کی طرف دیکھ کر رو دیتا رہتا ہوں اور یہ پڑھتا ہوں ع سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دارالسلطنت میں البتہ کہرام مچ گیا۔ قوی دل سردار شاہ محمود خاں نے بازاروں میں جاکر باشندوں کو تسلی دی اور تمام اطراف میں ضبط و ربط کا پورا انتظام کردیا۔ جس سے امنیت میں کسی خلل کا شائبہ نہ رہا۔ ملکی و عسکری افسر اور اعیان مملکت فوراً شاہ شہید کے پسماندوں سردار شاہ محمود خاں شاہزادہ محمد ظاہر خاں اور سردار احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان کی ہدایات پر عمل کریں۔ چونکہ شرعی مقررات

اور افغانستان کے اصول نامۂ اساسی کے مطابق نئے بادشاہ کا انتخاب اور جانشینی لازمی و حتمی ہے لہٰذا تمام اکابر و ارکانِ سلطنت منصبدارانِ نظامی مجلس شوریٰ، مجلسِ اعیان اور جمعیت العلما سب نے عالیقدر جلالتمآب والاحضرت شہزادہ محمد ظاہر خاں کو جانشین منتخب کرکے ان کی خدمت میں متفقاً بیعت معروض کی۔ قلعے کی فوج اظہار اطاعت کے لیئے اعلیحضرت محمد ظاہر خاں کے پاس حاضر ہوئی اور باقی افواج کو اپنی اپنی چھاؤنیوں میں حاضر رہنے کا حکم دے کر آپ موٹروں میں انکے پاس پہنچے۔ سارے عسکر نے گریہ وزاری کرتے کمال رضامندی سے بیعت پیش کی۔ جب جدید بادشاہی ہر طرف سے مسلم ہو گئی تو ایک سو تیس توپوں نے سلامی ادا کی اور اس کی اطلاع ٹیلیفون ٹیلیگراف اور خطوں کے ذریعے مناسب مقامات میں پہنچائی گئی۔

قاتل کی تحقیق جاری ہوئی اور ہر طرف سے سراغ ملنے پر تین اور ملزم گرفتار ہوئے جن میں سے ایک کو ڈیڑھ مہینے کی مزید تفتیش کے بعد قاتل کے ساتھ قتل کی سزا ملی جو سنگینوں سے دی گئی اور باقی دو کو حبسِ دوام کا حکم ہوا۔ اگرچہ لوگ ان کی بھی موت ہی مانگتے تھے۔

فصل دوم

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

پنجشنبہ کی صبح خلقت کا ہجوم اعلیحضرت شاہ محمد ظاہر خاں کی بعیت کر کے ارک سے باہر سڑکوں کے دونوں کناروں پر جمع ہوتا جاتا تھا جہاں تقریباً ایک میل کے مسافے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سپاہی الٹی بندوقیں لٹکائے کھڑے تھے۔ گیارہ بجے میت مبارک موٹر میں پھولوں سے بھری عیدگاہ میں پہنچی جہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ پہلے کبھی مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔ نماز جنازہ کے بعد علمانے دعائیں مانگیں اور حضرت نور المشائخ نے تقریر کی جو اس عقیدتمندی کی مثال کے طور پر ترجمۃً درج کی جاتی ہے جو علاوہ ملکی ارکین کے روحانی پیشواؤں کو بھی شہید سعید کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ تھی:۔

(مجھ پر وہ مصیبتیں پڑیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتیں بن جاتے)

عزیز بھائیو اور اعلیحضرت غازی محمد نادر شاہ شہید کے معنوی فرزند و اور اخلاص مند و۔ آج ہم اور آپ ایسے عظیم صدمے اور نقصان میں مبتلا ہوئے

ہیں کہ دنیا میں اس کی نظیر کمتر یاد آتی ہے۔ ہم نے ایسے بادشاہِ حقیقت آگاہ کو کھویا ہے جس کی مانند شرق و غرب میں کوئی موجود نہیں ہے۔ ایسے محمد نادر کو ضائع کیا ہے جو وطن دوست ملت پرور خادم قوم محب فقرا و مساکین اور مشرق و مسلمین کا مایۂ ناز تھا۔ مجھے حق ہے اگر کہوں کہ ہم سیہ روزگار اور بدبخت ہیں۔ مسلمان کم طالع اور شرق بدنصیب ہے۔

میری مسند فقر ہے اور میرا وظیفہ مسلمانوں کی دعا گوئی اور ترقی ہے۔ میرا خدا شاہد ہے اور وہ کافی گواہ ہے کہ میں پچاس سال کے تطول میں اور افغانستان کے متعدد سلاطین کے تداول میں ایسے بادشاہ کی جستجو کے صدد میں تھا جس کو اولوالامری کی حقیقی صفت سے موصوف جانوں اور وہ تمام اوصاف و کمالات اس میں پاؤں جو اسلام کے بادشاہ اور شرق کے باوقار تاجداروں میں ہونے لازم ہیں۔ ہائے افسوس! بے پایاں انتظار کے بعد اپنی اس آرزو کو پالیا جو عموم مسلمین اور اہالیٔ مشرق زمین کی تمنا تھی لیکن قبل ازینکہ اس شہریار عالی کی مادی و معنوی اصلاحات اور ترقی و تعالی کی بلند خدمات سے بہرہ ور ہوں خدا نے اسے ہم سے جدا کر دیا اور بہشت کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا۔

محمد نادر بندۂ خاص الٰہی امت عقیدتمند محمدی، دوستدار خلفائے راشدینؓ اولیائے عظام اور ایک نیک نام مسلمان تھا۔ محمد نادر لشکر پرور اور رعیت کا

خیراندیش تھا۔ محمد نادر ایسا شخص تھا جس نے نوجوانی سے لے کر بڑھاپے تک سوائے عبادت ذوالمنن اور عشق وطن کے اور کسی ہوا وہوس کو دل میں جگہ نہ دی تھی۔ محمد نادر افغانستان کا ایسا فداکار سپاہی تھا جس نے کئی دفعہ ملت کی شرافت و افتخار کی حفاظت میں اپنے وجود کو جاں نثاری کی قربان گاہ میں پیش کیا اور اپنے رشید بھائیوں کے ساتھ ہمیشہ اپنے سینے کو ان تیروں کی سپر بنایا جو وطن کو آماج گردان رہے تھے۔ محمد نادر ایسا دانشور مجاہد تھا کہ جنگ استقلال کے موقع پر اس کے اہم کارنامے ملک کے لئے باعث فخر ہیں۔ میں اور وہ اس جہاد میں اکٹھے مقیم تھے۔ واللہ محمد نادر صبح سے لے کر شام تک ایک فرد سپاہی کی مانند خندقوں میں گشت لگاتا ہدایات دیتا اور فوج کی احتیاجات کو رفع کرتا اور رات کو عشا کی نماز کے بعد اخیر شب تک سپہ سالاری کے انتظامی امور کا اجرا کرتا۔ پھر دو تین گھنٹے کی راحت کے بعد مجھ سے پہلے حاضر ہو کر نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتا اور دن رات اس طرح سرگرداں رہتا کہہ سکتا ہوں کہ نماز صبح کبھی باجماعت نہ پڑھ سکتا۔

ہائے مصیبت کہ ہم سے ایسے شاہ دل آگاہ نے رحلت کی جس نے اپنی ناتوان اور مریض جان وتن کے ساتھ سروسامان کے بغیر اپنے اہل وعیال اور

خاندان کو قربان کرنے سے دریغ نہ کرکے اور نو مہینے کے عرصے میں طرح طرح کی صعوبتیں اور مشقتیں جھیل کر ہم کو وحشتناک بلاؤں سے نجات دی۔ پھر اس چار سال اور ایک مہینے کی متواتر مدت میں اس مریض و ناتواں وجود کے ساتھ شب و روز ہماری روحانی پاکیزگی عمومی مرفہ الحالی اور اخلاقی مدنی و سیاسی ارتقا کے لئے سعی و کوشش کرتے ایک دم آرام نہ کیا۔

سب جانتے ہیں کہ محمد نادر افغانستان کا ایک جامع کمالات خادم تھا۔ محمد نادر تمام محاسن و فضائل سے آراستہ اور بدعات و رذائل سے پیراستہ و پرہیزگار تھا۔ اس نے ساری عمر باوجود بڑے عہدوں کے کسی کو بدکلامی سے خطاب نہ کیا کسی کو اذیت نہ پہنچائی۔ ہمیشہ خیر خواہی کرتا تھا۔ الغرض بآواز بلند کہتا ہوں کہ محمد نادر معصوم تھا۔ چونکہ معصوم محمد نادر کی عالی خدمات اور بلند مجاہدات کا صلہ ہماری اس کے فرزندان معنوی کی سپاہیوں سے لے کر افسروں تک کی قوت و اختیار سے مافوق تھا۔ کیونکہ اگر ہم اس کا اجر دیتے یا اس کی خدمت کرتے تو فقط دنیوی مقاصد میں اس کی معاونت کرتے لیکن اس کی اخروی منزلت کی ترقی کے لئے کچھ نہیں کرسکتے تھے اس لئے خدا تعالےٰ نے اسے شہید اکبر بنایا اور اپنے لقا اور اپنے رسول کے دیدار سے اسے مفتخر کیا۔ پس خوش نصیب ہے محمد نادر اور بدبخت ہے قاتل فاجر اور افسوس ہے افغانستان مسلمانوں اور شرقیوں

کے حال پر۔ اس درد کی دوا اور اس زخم کی مرہم اس کے سوا اور کچھ نہیں تھی کہ ہم نے معصوم اور شہید اکبر محمد نادر خاں کے فرزند ارشد کی بیعت اختیار کی اور ان کے شریف و نجیب خاندان پر اعتماد کیا جن کے اونچے تجربے دیانت دوستی، وطن خواہی، ملت پروری، عسکر نوازی اور ترقی پسندی تمام عہدوں اور سلطنتوں میں افغانستان کے چھوٹوں بڑوں کی ضمائر پر ظاہر ہے۔

میرے بھائیو! یہ افغانستان کی سعادت کی علامت ہے کہ آج والا حضرت محمد ہاشم خاں صدر اعظم نے باوجود اپنی محبوبیت اور رسوخ کے جو ان کو عوام و خواص میں حاصل ہے مزار شریف سے اپنی بیعت پیش کی اور وہ اس نواح میں ان کے اور ان کے وطن کے لئے خدمت کر رہے ہیں۔ نیز والا حضرت شاہ محمود خاں وزیر حرب نے باوصف اپنی ہر دلعزیزی اور نفوذ کے جو ہر جگہ رکھتے ہیں اعلیحضرت محمد ظاہر خاں کی بیعت قبول کی اور وہ مملکت کی خیر و بہبود کے لئے مجاہدت کر رہے ہیں۔ اسی طرح تمام امرا و ارکین عسکری افسر و سپاہ اور ملی طبقات عموماً شہید و معصوم محمد نادر کی خدمات کے لحاظ سے اور ان کے خاندان عالی کی صداقت و امانت پر اعتبار کر کے اعلیحضرت محمد ظاہر خاں کی بیعت اطاعت اور ان کے احکام کی پیروی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے ہیں۔

میں افغانستان کے ایک فقیر و دعاگو کی حیثیت میں وطن کے تمام سعادت

خواہوں کی مانند فخر کرتے ہوئے خداوند متعال سے نیاز کرتا ہوں کہ ہم سب کو
دنیا کے مشروع مطالب اور عقبیٰ کے سب مقاصد میں کامیاب و فائزالمرام
بنائے اور بیش از بیش توفیق بخشے کہ اچھی طرح خیر و شر میں تمیز کر کے اپنی بہتری و
عزت کے لئے اعلیٰحضرت محمد ظاہر خاں ان کے معزز چچوں اور اپنی حکومت متبوع کی
ہدایات کے ماتحت خدمت و مجاہدت کریں اور درگاہ الہٰی سے دعا مانگیں کہ ہم
کو قیامت میں بھی محمد نادر شہیدِ اکبرِ معصوم کی مطیع و وفا شعار رعایا اور اس کے
مخلصوں کے زمرے میں مبعوث فرماتے۔

وہ خائن جو ہمارے رشتہ، وحدت اور انسیت کو توڑنے کے درپے ہیں بدعات
دہریت اور فحاشی کی ترویج چاہتے ہیں اور یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اس حقیقی وطن
اسلام کو اس گلشن امام اعظمؒ کو اور اس عظیم الشان نشانِ دیانت کو تباہ کریں بفحوائے
واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون۔ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونگے
اور ہمیشہ جیسا کہ تمام مواقع میں خجل و رسوا اور روسیاہ ہو چکے ہیں اب بھی
خداوند تعالیٰ نے ان کو شرمندہ و ذلیل کیا۔ ہر چند محمد نادر معصوم و شہید
اکبر کی شہادت کا واقعۂ ہائلہ نہایت دردناک اور جگر خراش ہے لیکن آج
اخلاص محبت وحدت اور صمیمیت کے یہ مظاہر جو ملک کے ہر گوشہ و کنارہ سے
مشاہدے میں آرہے ہیں ہر طرح سے اور ہر لحاظ سے دوستوں کی مسرت اور

دشمنوں کی خجالت کا موجب ہیں ۔

دنیا سمجھے کہ ملت افغانستان محمد نادر خاں اور ان کے خاندان کو اسلام اور افغانستان کے حقیقی خادم و فدا کار جانتی تھی اور جانتی ہے اور خالص نیت اور محکم عزم سے اس کو اور اس کی شہادت کے بعد اس کے فرزند ارشد کو اپنی اولی الامری پر قبول کرتی ہے ۔ اس عقد اخوت و محبت کو جو آج خوش بختانہ افغانستان کی ملت و حکومت حاضر کے درمیان موجود ہے دنیا کی کوئی مقتدر اور طاقتور قوت ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتی کیونکہ یہ کلام خدا کے ماننے والے اس کے مذہب پر چلنے والے مسلمانوں کی اصولی ترقی کے چاہنے والے اور افغانستان کے مجد و شرف کو ظاہر کرنے والے ہیں ۔

اسی طرح تقریروں اور دعاؤں کے بعد اعلیحضرت شہید کا جنازہ عید گاہ سے اٹھا اور تپہ مرنجان میں جو آپ کا آبائی مدفن ہے علما امنا اور عسکری افسروں کے کندھوں پر سے اتارا جا کر اس خاک پاک کے نیچے جا بسا جس کی تحریم و نجات کے لئے برسوں پہلے اسی قربانی کی دعا مانگی تھی اور اسی فدا کاری پر عمل تھا اور آخر نتیجہ شہادت کبریٰ ہوا ۔

منجملہ خلائق لا تعداد کے سیاہ پوش لڑکوں کا ایک گروہ یہ کہکر رو رہا تھا کہ ہم اب یتیم ہوئے ۔ اعلیحضرت محمد ظاہر خاں یہ سن کر بے تحاشہ گریہ و زاری کرنے

محمد ابراہیم خاں
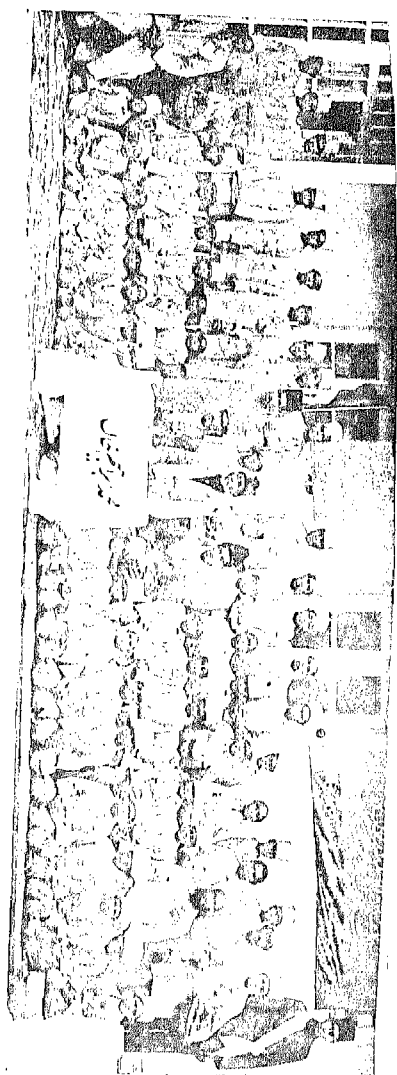
لگے جن کے ساتھ سب اکابر آہ و بکا میں شریک ہوئے۔ واپس جا کر اعلیحضرت
نے دارالایتام نادری میں چند سو روپئے روانہ فرمائے اور یتیموں کو تسلی دی کہ
شاہ شہید کی طرح ان کی خبر گیری اور سرپرستی میں ہمیشہ پوری توجہ رکھی جائیگی۔

فصل سوم

فوق العادہ و متحدہ تعزیت و تہنیت

ھوالذی خلق الازواج کلھا۔ خدا تعالیٰ نے تمام چیزوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔ شادی غمی اور ہنسنا رونا ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر ایسے ملے جلے ہیں کہ جدا بھی نہیں ہو سکتے۔ پھر ان دونو کے سبب خوبی اور بدی ہیں۔ ان میں بھی یہی کیفیت ہے اور بڑے پیچیدہ طریقے سے باہم نزدیک و دور ہیں۔ نیکی سے کامیاب ہو کر انسان خوش ہوتا ہے تو برائی سے کام نکال کر بھی شیطان سیرت آدمی خورم و خراماں پھرتا ہے۔ سچائی کو فتنے اور آزمائش کا سامنا ہوتا ہے تو خواہ مخواہ حق پرست آدمی رنجیدہ ہوتا ہے اور مکار و دغا باز کو سزا ملتی ہے تو وہ غمگین ہوتا ہے۔ یغشی اللیل النھار۔ رات دن کا تغیر بھی نقیضین ہی سے ہے اور اس تبدل میں وہی باریک آمیزش ہے تاریکی اور روشنی کی جو باہم ایک لطیف طرز سے اکٹھی ہو کر پھر علیحدہ ہوتی ہیں ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از طلعت + کہ از دروغ سیاہ روے گشت صبح نخست

عین اندھیرے میں تھوڑا سا اجالا ہو کر پھر غائب ہو جاتا ہے۔ یہی حال جھوٹوں کی عارضی سرخروئی کا ہے جو دلیل ہے اس امر کی کہ عنقریب حقیقت کا سورج چڑھنے والا ہے مگر پھر بادلوں کا گرجنا گھنگھور گھٹا کا چھانا ان سے مینہ برسنا اور بجلی کا گرنا باقی ہے۔ باران رحمت بھی مساکین کی خانہ بربادی کر دیتی ہے اور مہلک صاعقے سے فضا کے زہریلے جراثیم بھی تباہ ہو جاتے ہیں۔

مرج البحرین یلتقیان بینهما برزخ لا یبغیان۔ دو میٹھے اور کڑوے دریا جہاں ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے ہو رہے ہیں وہاں ان کے مابین ایک خلیج بھی حائل ہے۔ یہ ہے دنیا کے اخلاقی امور کی ترکیب اور اس اضداد و آبادکی ماہیت۔ فاذا اوذی فی اللّٰہ جعل فتنۃ الناس کعذاب اللّٰہ خدا کی راہ میں جو کانٹا چبھے روڑا اٹکے یا رہزن و دشمن سر کاٹے تو وہ اللہ کا عذاب نہیں ہے بلکہ لوگوں کا فتنہ ہے جن میں سے مفسد مصلح کے شریر شرافت کے اور خبیث طیب کے پیچھے لگے ہیں اور یہ اذیتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ صالح اور متقی شہادت کا درجہ پا لیتے ہیں اور قاتل قصاص کے علاوہ جہنم غضب اور لعنت کے مستوجب بن جاتے ہیں اور ہمیشہ کی پھٹکار ان کی گردن کا ہار رہ جاتی ہے۔ سب سے بڑی مثال یزید پلید کی ہے وہ بھی نہ رہا اور امام حسین رضی اللہ عنہ بھی نہیں ہیں۔ لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰہا۔ جاودانی عرصے میں نیکنامی اور شہرت

سے کیسے حاصل ہے؟

لاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ جو لوگ خدا کے راستے میں قتل ہوتے ہیں نہ صرف وہ زندہ ہیں بلکہ ان کو رزق مل رہا ہے خدا کے فضل سے نعمتیں پاکر مسرور ہیں اور یہاںتک اختیار رکھتے ہیں کہ اپنے پسماندوں کو بھی خوشخبری دیتے ہیں کہ انھیں کوئی خوف نہیں اور نہ کوئی غم ہے ۔ ان کی نیک مثال ان کے اعمال کا نمونہ حسنہ ان کے مفید اقوال کا مجموعہ اور ان کے جوش دلانے والے حالات باقیات صالحات بن کر ان کے عزیزوں خیرخواہوں اور عقیدت مندوں کو مزید ترقیات پر ابھارتے ہیں اور دلاوری اور جاں نثاری کا سبق دیتے ہیں ۔

مرگ مقدر ہے ۔ بقول شیکسپیر بزدل ہزار دفعہ مرتا ہے اور بہادر صرف ایک بار ۔ ہم مسلمان اگر شجاعت سے لڑتے یا نیکی کرتے مریں تو ایک مرتبہ بھی نہیں مرتے بلکہ زندہ ہی رہتے ہر قسم کے لطیف ارزاق سے متمتع ہوتے رہتے ہیں جن کی ایک صاحبدل اور عالی ہمت مرد کو خواہش ہو سکتی ہے ۔ اشرار کا رزق تکذیب ہے ۔ تجعلون رزقکم انکم تکذبون ۔۔ اخیار کا رزق البتہ تصدیق ہے اور

اس میں وہ صحیح باتیں بھی داخل ہیں جو شہیدوں کے بعد دنیا میں جاری رہتی ہیں اور ان کا علم انھیں دیا جاتا ہے۔ ان کی نجی ویزہ بار آور ہوتی ہیں جن سے لوگوں کو فائدہ اور آرام پہنچتا ہے تو اس کے ثواب کے علاوہ اس سے مطلع ہو کر وہ محظوظ ہوتے ہیں

حضرت موسیٰؑ کے قصے میں ایک معصوم کے قتل میں یہ مصلحت بتائی گئی ہے کہ وہ آئندہ معصیت سے بچا اور اس کے بعد نعم البدل آیا من ھو خیرا زکوٰۃ واقرب رحماً

نکوئے گر رود زیں دہر نیکو تر شود پیدا ✽ چو گیرد قطرہ راہ عدم گوہر شود پیدا

پھر یتیموں کی پرورش کے غیبی سامان میں یہ پوشیدہ دلیل تھی کہ ان کا باپ صالح شخص تھا۔ کان ابوھما صالحا۔ اعلیحضرت محمد ظاہر خاں کے بارے میں یہ دونوں باتیں صادق آسکتی ہیں۔ ان کی حسبی و نسبی قابلیت پر بفضل ایزدی سب توقعات قائم ہوسکتی ہیں۔ ساری ملت نے متحدانہ آواز سے ان کے مرحوم و مغفور والد ماجد کی فوق العادہ اور جاں نثارانہ خدمات ملی کے بدلے اور ان کی اعلیٰ و افضل تعلیم و تربیت اور لیاقت کے آثار پر بھروسہ کرکے ان کی بادشاہی پر لبیک کہی بیسیوں تعزیت نامے جن کے اخیر میں تہنیت کی صدا آتی تھی جیسے محرم کے ماتم میں مسلمانوں کا نوروز مضمر ہوتا ہے آپ کی بارگاہ میں تقدیم ہوئے جن میں افغان طلبہ کی طرف سے جو عریضہ تقدیم ہوا وہ اس لئے درج کیا جاتا ہے کہ قاتل سیاہ

دل بھی ایک طالب علم تھا ؎

علم گر بر سر زند مارے شود ✤ علم گر بر دل زند یارے شود

اے اعلیحضرت جواں بخت!

وہ حادثہ جگر خراش جو کل خاندان جلیل شاہی اور تمام ملت افغانستان پر واقع ہوا ممکن نہیں کہ اس کا مشاہدہ ملت افغان کے بوڑھے اور جوان کے دل میں حسرت و غم کا شعلہ نہ بھڑکائے اور نزدیک و دور سے جس کسی کی روح و دماغ میں بھی حب دین و وطن جاگیر ہو امکان نہیں کہ ہمارے اور آپ کے شاہ شہید مغفور کی شہادت کے واقعے سے اس کے لب خشک آنکھیں تر اور جگر پر درد نہ ہو چہ جائیکہ ہم طلاب افغان جو اپنے مشفق باپ عدالت شعار تاجدار کو آج درمیان نہیں دیکھتے ہیں۔ اپنے بادشاہ استقلال بخش علم دوست اعلیحضرت محمد نادر خاں غازی کو ہم ملاء اعلیٰ کے مقام میں دیکھتے ہیں۔ ہائے افسوس و حسرت۔ اس بادشاہ تاجدار نے خدمت وطن کے دن سے جہاد کے سال تک ملت کے شرف و ناموس کو بدبختی کے خوف سے بچایا خصوصاً ذلت وحشت و جہالت کے برس وطن پریشان کو ظلم و ستم سے نجات بخشی۔ ملت پراگندہ کو جمع کیا اور ناتوان باشندوں کو قوی بنایا۔ اس وطن کی حدود کو اور آبرو کو جو خاک میں مل رہی تھی خطرات سے محفوظ کر کے مدنی و اقتصادی عمرانات کو جو زمین کے ساتھ ہموار ہو گئے تھے

از سر نو آباد کیا اور بڑھایا۔ بوڑھوں اور جوانوں کو خاک و خون مذلت سے اپنے سینے اور کندھے سے اٹھایا۔ مساجد و مدارس کو جو ویران و حقیر ہو رہے تھے اپنے عالمانہ و دیندارانہ احساسات سے معمور و محتشم بنایا۔ جہالت و نادانی کے الزام کو جسے افغانستان کی شرافت و افتخار کے دشمن ہم پر تھوپتے تھے بالکل تراش دیا اور دھو ڈالا۔ ہماری دولت و ملت کے سرنگوں جھنڈے کو مجد و عظمت کے ساتھ ملل اور دول کے پائے تختوں میں دوبارہ گاڑ کر برافراشتہ کیا اور وحدت ملی و اتحاد فکری کے تائین کرنے میں پوری کامیابی حاصل کی۔

ہائے مصیبت وائے آفت۔ ادب و اخلاق کی رسوم اور دین و تربیت کے آئین تعلیم و تلقین کیے۔ علم کو اخلاق کے ساتھ اور عقل کو شرع کے ساتھ آمیزش دی۔ خوانین رؤسا ریش سفیدوں اور جوانوں کو باہم باپ بیٹے بھائی اور دوست و غمخوار بنایا۔ شہروں کو قصبوں کے ساتھ اور میدانوں کو صحراؤں کے ساتھ مربوطیت اور ہم رنگی بخشی۔ مردہ اراضی کو اور اسلاف کی بزرگی و حرمت کو زندہ کیا علم و فن کی ترقی میں، مدنی موسسات کے قیام میں، اجتماعی اور اقتصادی توانائی اور آبادی میں کمر ہمت باندھ کر سعی و کوشش کی۔ اس واقعۂ الیم اور حادثۂ کمر شکن پر ممکن نہیں کہ ہم جگر خون نہ ہوں اور اس ماتم جانکاہ کو بڑی بدبختی اور ضیاع عظیم نہ جانیں کیونکہ اس شہریار کے وجود مسعود نے ہم کو دنیائے امروزہ کے

ساتھ شناسا کیا تھا۔

اے اعلیحضرت۔ شاہ شہید صرف آپکے تاجدار اور غمخوار باپ نہ تھے بلکہ ہمارے سب افغان لڑکوں کے قبلہ اور طلاب کے پشت و پناہ تھے۔ اپنی وطن پروری اور ارشاد کی تعلیم کو وطن کے لڑکوں پر اور ہم یتیم طلبہ پر ثابت کر چکے تھے۔ اپنے وجود علیل اور خاندان جلیل کو وطن کی رہائی و نجات کے لئے، مدنیت کی راہ اور صحیح ترقی کے حصول کے لئے، اور آخر کار پسماندہ ملت کی حریت استقلال عظمت و جلال کے لئے قربان کر کے چار سال اور ایک مہینہ پہلے توکل و دیانت پر تکیہ کر کے عزم وارادہ کے سرمائے کے ساتھ مع اپنے عزیز و نجیب بھائیوں کے ہماری خلاصی اور اصلاح کے لئے پہنچکر، ہم کو ظلم جہل فسق اور وحشت سے چھڑا کر ہماری شرافت و عظمت کے علم کو بلند کر کے ہم کو امن و سعادت کی شاہراہ پر رہنمائی کر چکے تھے۔ کتاب و قرآن اور محراب و منبر کی حرمت کو دو بالا کر کے استقلال اقتصادی اور شرافت دینی کو ہمارے نصیب کر چکے تھے۔ ابھی پورے طور پر ہم نے اس کا شکریہ ادا نہیں کیا تھا کہ کل ایسے شخص کے ہاتھ سے جو اولاد وطن کے لئے باعث ننگ، طلاب افغانی کے لئے موجب عار، اور مسلمانی کے جامہ پر سیاہ دھبا ہے۔ ہمارے مبارک باپ کا سینہ غدر و خیانت کا نشانہ بنا جس سے ہمارے آئندہ شاندار دور کی آرزوں کے دل میں ناامیدی کا خنجر لگا اور ہم کو

داغدار اور سوگوار بنایا لیکن چونکہ ہمارے اور آپ کے مغفور باپ نے شب و روز
دین و وطن کی خدمت میں مصروف و منہمک رہ کر ساڑھے چار بلکہ پندرہ سال پہلے
شہادت کی آرزو کرکے وطن کی نجات کے لئے میدان میں قدم رکھا تھا۔ کل آپ
کی ذات اقدس بندگی کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہو کر ہمیشہ کی زندگی میں داخل ہو گئی
اعلیحضرت اور والدۂ شاہانہ علیا حضرت، والا حضرت صدر اعظم سردار محمد ہاشم خاں،
والا حضرت سردار شاہ ولی خاں والا حضرت سردار شاہ محمود خاں اور تمام
خاندان جلیل شاہی اور باقی ملت کے اولاد و احفاد کے لئے عمر صبر اجر اور سعادت
کے لئے دعا کرتے ہم اپنے لئے یہ توفیق مانگتے ہیں کہ صدق و صمیمیت کے ساتھ
اعلیحضرت شاہ جواں بخت کی اطاعت کریں جو شاہ شہید مغفور کے دست پرورده
اور نہال باثمر ہیں۔ ہم اپنے علم معقول و مشروع کے ساتھ جس کی تحصیل میں ہم کوشاں
ہیں امید رکھتے ہیں کہ اولاد افغان کے دامن سے اس سیاہ داغ کو
دھوئیں گے۔

اس کے جواب میں سردار شاہ محمود خاں نے ایک طویل تقریر کی جس کا صرف وہ
حصہ ترجمہ کیا جاتا ہے جو اس قتل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے :-

میرے عزیز بھائیو مکاتب کے متعلمو۔ اعلیحضرت محمد ظاہر شاہ اور میں نے
احساسات ملت کے سیلاب میں اپنے جذبات کا کمتر اظہار کیا ہے کیونکہ تمہاری

طرح ہماری غمگینی کی انتہا نہیں ع از چینی شکستہ نخیزد صدا درست۔ جیسا کہ
انہم نے بیان کیا ہم قاتل سیہ کار و بدبخت کو طلبہ کے زمرے میں اور ملت
افغان کے جوانوں میں ہی شمار نہیں کرتے۔ اس بے شرمانہ قتل کو ہم اس کی
بے تربیتی بداخلاقی اور طبیعی دنایت پر حمل کرتے ہیں۔ معارف ایک چراغ ہے
جس کی روشنی میں تلاوت قرآن بھی ہو سکتی ہے اور قبیح مطالعہ بھی ہو سکتا ہے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

طلبۂ افغان اعلیحضرت شہید کے اپنے لگائے ہوئے نہال ہیں اور جیسا وہ ان
کی سلیم پرورش میں ساعی رہے آئندہ بھی ان کی ترقی جاری رہے گی۔ ہمارے
غم کو جو چیز کم کرتی ہے یہ ہے کہ باوجود اتنے بڑے حادثے کے تھوڑا سا خلل بھی
امنیت و انتظام میں واقع نہوا بلکہ تمام ملت اور قوم غم و الم میں مبتلا ہو گئی اور اس کا
اظہار انھوں نے اعلیحضرت محمد ظاہر شاہ کی بیعت میں مبادرت کے ساتھ کیا جو
اعلیحضرت شاہ شہید کی عالی خدمات اور فداکاریوں کی سچی قدردانی ہے انھوں
نے اپنی شاہانہ محنتوں اور قربانیوں سے ملت میں ایسے بیشمار اشخاص پیدا کر دئے
جو مملکت افغانستان کے استقلال و انتظام کی حفاظت میں شاہ شہید کی
مانند اپنا خون بہا دیں گے مگر رخنہ اندازی ہونے نہیں دینگے۔

اخیر میں عزاداری اور تخت نشینی کے متعلق بے تعداد تحریروں اور تقریروں میں سے ایک نظم حقیقت وسلاست کے لحاظ سے منتخب کرکے نقل کی جاتی ہے:-

آہ واویلا کہ نادر شاہ غازی شد شہید ٭ از کفِ یک فاسقے جام شہادت را چشید

کردہ بود از خلق نیکو جلب قلب خاص و عام ٭ کز فیوضش ملت افغاں بسے شد مستفید

عمر خود را کرد اندر خدمت اسلام صرف ٭ وندریں خدمت فراواں رنج و زحمت ہا کشید

از برائے قوم و ملت صید استقلال را ٭ کرد در سالاری خود تیغ ایں مرد رشید

در نجات ملک افغاں جاں نثاری ہا نمود ٭ ظاہر است ایں حرف مثل شمس از قرب و بعید

ملت او را چوں بکار سلطنت مجبور ساخت ٭ شد ز فکر عالیش بس انتظامات مفید

عسکری و علم و عرفاں را بیفزود اقتدار ٭ راحت و امنیتِ کامل بکشور شد پدید

صنعت و حرفت تجارت را ترقی داد بیش ٭ فابریکہ ہا و ماشیں ہا ز دولت ہا خرید

نہر ہا پل ہا سرک ہا قصر ہا و باغہا ٭ ہم بکابل ہم باطراف و ولایات بعید

کرد آباداں و مسجد ہائے عالی ساخت ہم ٭ نیز گنبد بر مزارات بزرگان سعید

شد از و آبادیٔ چل سال اندر چار سال ٭ گوئی اعطائے کرامت بودش از رب المجید

محفل اعیان و شورا را نکو ترتیب داد ٭ یافت آں بالا حصار کہنہ خوش نقش جدید

وائے از بدبختیٔ ما ملت افغانیاں ٭ کاں ہمائے دولت از ما سایہ بگرفت و پرید

لیک مے نازیم بر لطف خدائے بے نیاز ٭ آنکہ او را ہست فرزند خوش اخلاق و حمید

در جہاں اسم شریف او محمد ظاہر است + ہست آثار پدر در ذات مسعودش پدید

در ہمہ تعلیم حربی و امور سلطنت + بودہ ذات امجدش ممتاز و یکتا و وحید

زمرۂ ارکان و اعیان شریفان وطن + متفق گردیدہ اند او را ز اخلاص مزید

بر سریر سلطنت بنشاندہ بر جاے پدر + نخل افتاد و نہالش بیکہ بر جایش گزید

دہر یکے گوید کہ بلند کاش جان من فدایش + ذات او را ایں ہلاک جاں نمے آمد پدید

اس کے ثبوت میں آخر ایک جوانمرد نے کابل میں اس لئے خودکشی کر لی کہ ان پر فی الواقع قربان ہو جائے اور یہ وصیت کر کے واصل بحق ہوا کہ مجھے شاہ شہید کے قدموں میں دفن کیا جائے چنانچہ بڑے احترام و اژدحام خلق کے ساتھ جن میں شاہی خاندان کے ارکان و اعیانِ مملکت تھے۔ اس کی آرزو پوری کی گئی۔

اس فدائی افغان کی حرکت اس بزرگ کی حکایت کو یاد دلاتی ہے جس نے اپنے مقدس رہبروں کے ساتھ سگِ اصحاب کہف کی طرح رہنے کی حسرت میں یہ وصیت کی تھی کہ میری قبر ان کے قدموں میں بنا کر اس پر یہ آیہ شریفہ کندہ کی جائے:

کلبھم باسط ذراعیہ بالوصید۔ ان کا کتا دونو ہاتھ پھیلائے دہلیز پر ہے ؎

سحر آمدم بکوئیت کہ شکار رفتہ بودی + تو کہ سگ نہ بردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

شاہ غازی شہید کے عقیدتمند اور وفادار خدام اسی حرمان معیت میں تڑپ رہے

ہیں نگران کے شاہانہ فرزند رشید الولد سر لابیہ اور ان کے ملوکانہ برادران
ذی شان تسکین و تسلی دیتے ہیں کہ افغانستان کی اصلاح و ترقی کی کتاب ختم نہیں ہوئی۔
بطلِ اکبر زندہ جاوید ہے جس کی روشن سرگزشتوں پر حواشی چڑھینگے اور مشاہیر کبیر
سے آئندہ امید ہے کہ اپنے درخشاں کارناموں سے مزید ابواب و فصول بڑھائینگے
جن کے مطالعے سے سچے شائقین ایک ہی مربوط اور غیر منقطوع مضمون کا حظ اٹھائینگے
قوم کی تالیف اس کا مضمون ہے توحید ملت اس کا مبحث۔ اعلیحضرت شاہ غازی شہید
نے اس تصنیف و ظائف میں وہ فریضہ داخل کیا جس کو ان کے جانشین قلم و زبان
سے بلکہ دل و جان سے بجا لائے۔ اصول اساسی کے رو سے اعلیحضرت محمد ظاہر
شاہ نے مجلس شورائے ملی کے سامنے حلفاً بیان کیا:۔

آج چونکہ اس خادم اسلام کو بفضل خدائے قادر متعال اور میری عزیز ملت کے
اتفاق سے افغانستان کی بادشاہی پر انتخاب کیا ہے اور ہماری سلطنت اور
ملت کے جمہور طبقات کی طرف سے تائید ہو گئی ہے اصولنامۂ اساسی مملکت کی بنا پر
میں حاضر ہوں کہ اس کے مطابق جس عہد نامے کی قبولیت مجھ پر عائد ہوتی ہے اس کو
آپ ملت کے نمایندوں کے محضر میں پڑھوں اور اس کی تحریری صورت پر مملکت کی
سعادت کے نام پر دستخط کروں۔ " بخدائے عظیم و قرآن کریم عہد کرتا ہوں کہ اپنے
اعمال و افعال میں خداوند جل شانہ کو حاضر و ناظر جان کر دین مبین اسلام استقلال

افغانستان اور حقوقِ ملت کی حفاظت، اور وطن کی حراست ترقی اور سعادت
شرع متین محمدی اور مملکت کے اصول اساسی کے مقررات پر بجا لاؤنگا اور اولیائے
کرامؒ کی مقدس روحانیت سے اپنے لئے استمداد کروں گا۔"

فصل چہارم

محمد طاہر خاں کی تربیت و تعلیم اور ماموریت عالی

محمد طاہر خاں روز دوشنبہ ۲۲ میزان سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۹۱۴) شمسی دارالسلطنۃ کابل میں متولد ہوئے جبکہ دن رات برابر ہو کر طبع نونہاد پر عدل کا اثر ڈالتے تھے مگر یورپ میں وہ لڑائی چھڑ رہی تھی جس کا انعکاس ہر چند ہمارے شہزادے پر ظاہراً نہیں پڑتا تھا مگر چونکہ یہ جنگ عظیم دنیا کا سب سے بڑا واقعہ ہے اقلاً ان کی پیدائش کی تاریخ یاد رکھنے میں مدد دے سکتا ہے اور مشہور ذوات کبار نے اکثر ایسے ہی غیر معمولی حوادث کے ساتھ عرصۂ وجود میں قدم رکھا ہے۔

آپ کے خاندان جلیل الشان میں ایسے بزرگ موجود تھے جنھوں نے افغانستان کی کئی سلطنتوں میں مدبرانہ منتظمانہ اور صلح جویانہ حصہ لیا تھا اور امیر شیر علی خاں کے عہد سے اس گھرانے کا ضبط و ربط تمدن و تدین، آداب و اخلاق شرافت و وقار وطن

دوستی ملت پروری اور حسن معاملت زبان زد خلائق تھی اور اس کے زندہ شاہد مویدِ سردار غازی محمد ایوب خاں مبرور کے تنور د موقر فرزند ارشد سردار عبدالقادر خاں آفندی ہیں۔ ان سب اوصاف حمیدہ سے متصف ہونے کا موقع بچوں کے لئے اس لئے آسان تھا کہ گھر میں بڑے چھوٹے پورے اتفاق و موالفت سے رہتے سہتے اٹھتے بیٹھتے اور باہم صلاح و مشورے سے سب کام کرتے تھے۔ سردار محمد آصف خاں مرحوم اور سردار محمد یوسف خاں مغفور بھائی ہونے کے علاوہ پیری کے ضعف تک ایک دوسرے کے رفیق شفیق بنے رہ کر محبت و مودت کی مثال قائم کئے ہوئے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں کے مصاحبانِ خاص کی حیثیت میں ہر وقت دربار میں اور گھر اور باہر بھی اکٹھے رہتے۔ ان کے بیٹے اور پوتے حتیٰ کہ نواسے جیسا شہزادہ اسد اللہ خاں انھی کے زیر سایہ تربیت پاتے تھے۔ ان کی دقیق خبرگیری کا یہ حال تھا کہ ان کی خاطر مکتب کے حالات سے آگاہ ہو کر اس کی اصلاح میں بھی توجہ فرماتے تھے۔

کابل کے معزز لوگ چھوٹے لڑکوں کی نگرانی کے لئے ایک بوڑھے آدمی کو لالا مقرر کرتے ہیں جسے ترکی میں کبھی اتالیق کہتے تھے اب وہ اکثر خود ہی بے تعلیم ہوتا ہے کیونکہ علم کا چرچا اس کے بچپن کے زمانے میں نہیں تھا۔ اس نقص کو رفع کرنے کے لئے بزرگان موصوف ہندوستان سے اپنے ساتھ ایک صالح شخص کو لیتے آئے

تھے جن کے علم وفہم کا اندازہ اس لئے کر سکتا ہوں کہ وہ مجھ سے کتب خانے کی اچھی
کتابیں خود منتخب کر کے اپنے مطالعے کے لئے لے جاتا تھا۔ یہ محمد ظاہر خاں کے
ساتھ گھر سے باہر ہوا خوری سیر اور مکتب کی آمد و رفت میں ہمراہ رہتا تاکہ انکو نیک
عادات سکھائے اور بری باتوں سے روکے جن کی طرف میلان ان کی طبیعت میں
ہی نہیں تھا۔ جس کے مشاہدے کا مجھے تعجب اور مسرت سے موقع ملتا رہا۔
چونکہ اس خاندان کو اہل ہند کے ساتھ ایک خاص ارتباط ہے اسلئے گھر میں تعلیمی امداد
کے لئے بھی ایک نیک اطوار اور فرض شناس پنجابی معلم کو مقرر کیا۔

آپ چھ سال کے تھے جب مکتب حبیبیہ میں داخل ہوئے جہاں شہزادوں
کی جماعت میں سبق پڑھتے تھے۔ وہاں مجھ پر ان کی رشادت و اطاعت کے
ساتھ ان کے دانشمندانہ وقار کا خاص اثر ہوا۔ وہ صداقت و متانت جو ان کے قبلہ
امجد میں پختہ طور پر عیاں تھی طفولیت ہی میں ان کے چہرے بشرے روش کلام
اور استادوں اور شاگردوں کے باہم معاملے سے ظاہر تھی۔

میں نے قید سے رہائی پا کر جب مکتب حبیبیہ کو سنبھالا تو اس میں دو جماعتیں
شہزادوں کی جدا تھیں جن میں سے ہر ایک میں مختلف لیاقتوں کے طلبہ شامل
تھے۔ ان کے لئے یا تو سب جماعتیں ہوتیں جو ایک مکتب میں ہوتی ہیں یا وہ لڑکے
عام جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے۔ نئی سلطنت کی کفایت شعاری پہلی صورت کی

متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں نے امان اللہ خاں کی منظوری سے دوسری تجویز پر عمل درآمد کیا جس سے شہزادے دوسرے لڑکوں کے ساتھ اتفاق و الفت سے مل جل کر رہنے لگے اور وہ آداب عالی اور بلند شیوے جو شاہی خاندانوں میں ہوتے ہیں باقی لوگوں کے انکسار و میانہ روی کے ساتھ مخلوط ہو کر معتدل خصائل کے مورث ہوئے۔ تعلیم یافتہ طبقے سے اس تفرقے کا ازالہ ہوا جو حساس افغان اہل عرفان میں مدہش خرابیوں کا باعث ہو سکتا تھا۔ مجھ پر بعض بزرگوں نے اعتراض کیا جن میں محمد ظاہر خاں کے محترم اقربا نہیں تھے۔ البتہ انھوں نے یہ ایراد کی کہ ابتدائی جماعتوں کو جن میں شہزادے بھی تھے ایک ایسی عمارت میں کیوں منتقل کیا جو حفظ الصحہ کے لحاظ سے مناسب نہیں تھی۔ چونکہ سرداران بزرگوار کا احترام مجھے بہت تھا۔ اس لئے ان کے خط کے جواب کے ساتھ میں نے علی محمد خاں کو جو بعد میں وزیر معارف ہوئے ان کی خدمت میں اس لئے روانہ کیا تاکہ میری فوری معذوری کے ساتھ واضح کر دیں کہ تعمیری اسقام کے رفع کرنے کا بلا تاخیر اہتمام ہو گا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ غازی محمد نادر خاں مع اپنے برادران شجعان کے محاربہ انگریز میں شریک تھے۔ میں اس وقت مکتب حبیبیہ کا مدیر تھا۔ سابقاً طلبہ خصوصی سفارشوں پر ترفیع پاتے تھے چونکہ اکابر اکثر اس کے عادی تھے مجھے اس مضر و باطل رسم کے توڑنے میں بہت مجادلے کرنے پڑے۔ میں نے مصلحتہً پہلے سردار محمد آصف خاں

(مرحوم) اور سردار محمد یوسف خاں (مغفور) کو اطلاع دی کیونکہ علاوہ خاص حرمت کے وہ معارف کی طرف التفات بھی رکھتے تھے اور غازی بھائیوں کا بھی پاس تھا۔ مکرم بوڑھے سرداروں نے میرے ساتھ اتفاق کیا اور ادارے پر اعتماد کرتے ہوئے مدیر کو اپنی اولاد کا مسئول قرار دیا۔ وہ اور اس خاندان روشن روان کے تمام ارکان میری تجاویز کو پسند کرکے ہر جگہ تائید فرماتے اور میں اسے اپنی حوصلہ افزائی سمجھتا چنانچہ جب میں ریاست تدریسات پر مقرر ہوا تو یہی رفتار قائم رہی

سنہ ۱۳۰۱ھ (۱۹۲۲ء) میں ایک اور مکتب تاسیس ہوا جس میں مدیر اور معلم اکثر فرانسیسی تھے اور مقصد یہ تھا کہ طلبہ یہاں سے تکمیل تحصیل کے لئے فرانس جائیں۔ محمد ظاہر خاں بھی اسی مکتب میں تبدیل ہو گئے۔ یہاں پھر تفتیش اور امتحان کے مواقع پر میں ان کی ممتاز خوبیاں ملاحظہ کرتا رہا۔ اس مکتب میں فرانسیسی زبان کی زیادہ تعلیم کے ساتھ دینی اور وطنی امور کی طرف بھی بہت توجہ دی جاتی تھی۔ دو سال یہاں پڑھکر دورۂ متوسطہ کے لئے محمد ظاہر خاں فرانس کی طرف روانہ ہوئے جہاں ان کے بڑے بھائی محمد طاہر خاں اثنائے تعلیم میں فوت ہو چکے تھے اور ان کے والد امجد اب وہاں وزیر مختار مقرر ہوئے تھے۔

سطحی نظر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ متعلم ایک ہی مکتب میں ڈٹ کر اخیر تک پڑھتا رہے تو کامیاب نکلتا ہے مگر کامیابیوں کے متعدد مدارج ہیں۔ کتابوں

کے کیڑے سے لیکر جو فنون کو چاٹ کر علمی فضائل حاصل کرتا ہے اس طالب علم
تک جو اجتماعی مساعی میں بھی دخل دے کر عملی کمالات کا اکتساب کرتا ہے۔
نائزہ المرامی کی مختلف اشکال ہیں۔ محمد ظاہر خاں کو واقعات نے ہی ایک جگہ جم کر
پڑھنے نہ دیا بلکہ قدرت حکیم علی الاطلاق ان کو گوناگوں تجارب میں مشاق بنانا
چاہتی تھی کیونکہ اس ذات عالم الغیب کے سوا اور کسے وہم و گمان بھی ہو سکتا
تھا کہ امان اللہ خاں کی شہرت اور آبائی سلطنت کے درمیان مکتب حبیبیہ کا
ایک حلیم و خاموش لڑکا تاج و تخت افغانی کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔
تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء۔ بیدک
الخیر۔ انک علی کل شئ قدیر۔ جسے تو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس
سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں سب خوبی ہے۔ بیشک تو
ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

محمد ظاہر خاں نے پیرس کے مشہور مکتب "لیسہ جانسون دے سیلی" میں دو
سال تعلیم حاصل کی۔ جب اس درسگاہ کے اثرات سے کافی بہرہ ور ہو گئے تو
حوادث کے چکر نے آپ کو فرانس کے جنوب میں پہنچا دیا۔ محمد نادر خاں (الشہید
سعید) وزارت مختاری سے مستعفی ہو کر مجبور ہوئے کہ اپنے معالجے کے لئے
نیس میں مقیم ہوں جو جنوبی فرانس میں واقع ہے۔ مصارف کے تعسر سے ضروری

تھا کہ محمد ظاہر خاں کو بھی ساتھ رکھیں۔ ڈیڑھ سال آپ اس تحصیل میں
مشغول رہے جو کمتر کسی خوش بخت شخص کو نصیب ہوتی ہے۔ اگرچہ اس وقت
وہ اپنے تئیں بدقسمت ہی سمجھے۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم
وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم۔ مریض باپ کی تیمارداری جو اپنی زندگی
کو معرض خطر میں سمجھ کر یگانہ فرزند کو ان مفید معلومات اور بلند ارادات سے آگاہ
کرتا ہے جن کی وہ معدن و مخزن ہے۔ سردار محمد ہاشم خاں اور سردار شاہ
ولی خاں جیسے شجاع دانشور شریف خلیق متجرب مہربان اور مدبر چچا جو افغانستان
پر قربان تھے اور بارہا لڑائیوں میں جاں نثاری دکھا چکے تھے اور ملکی و نظامی
معاملات امور میں آزمودہ کاری کے مالک تھے نیز اپنے آئندہ بادشاہ کی
تربیت کے لئے وہیں موجود تھے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً فرانس کے اکثر
ماہر موجد مدبر اور فاضل اشخاص افغانستان کے سب سے بڑے وزیر اور
مارشل کی ملاقات کے لئے آتے جاتے اور ان کی صحبت سے بھی محمد ظاہر خاں
کو فوائد التقاط کرنے کا بہترا وقت مل جاتا تھا۔

جب یہاں بھی خاطر خواہ سبق سیکھ لئے تو مزید نظری اور منضبط تعلیم کے لئے
لازم ہوا کہ پھر پیرس میں بھیجے جائیں۔ اس دفعہ مکتب "پاسا تور" میں داخل ہو
کر دو سال وہاں متعلم رہے۔ چونکہ ان کے والد ماجد کو اکابر فرانس بہت معظم

ومعزز جانتے تھے لہٰذا محمد ظاہر خاں کو دانیلہ وزیر امور صحیہ کے عائلے میں اقامت میسر ہوئی۔ مکتب کی تعلیم کے علاوہ اس خاندان سے اختلاط بذاتِ خود تحصیل کمالات تھی مگر باپ کی شدتِ مرض نے یہاں زیادہ عرصہ رہنے نہ دیا۔ پھر جنوبی فرانس میں جانا پڑا جہاں سے ان کے ضعیف و ناتواں قبلہ و کعبہ نے مع اپنے غمخوار و وفاکار بھائیوں کے انقلاب کے دوران میں وہ خدمات بجا لانے کا عزم کیا جو اس وقت خواب و خیال کی وقعت رکھتی تھیں اور بعد میں تاریخی حقیقت حاصل کر کے رہیں۔ خود افغانستان کی راہ لے کر آپ کو پدرانہ شفقت سے مجبور کیا کہ پیرس کے کالج "دموں پیلیئے" میں داخل ہو جائیں۔ یہاں محمد ظاہر خاں نے تمام جماعتوں میں کامیابی حاصل کر کے تعلیم سے فراغت پائی۔

چھوٹے لڑکے جو افغانستان سے یورپ بھیجے گئے تھے چونکہ ان کی تعلیم کا زمانہ وطن سے باہر بہت دراز تھا اس لئے یہ تجویز کی گئی تھی کہ درمیان میں ایک دفعہ گھر آ کر نسبتِ اقربا و جذباتِ ملیہ کی تازگی و تجدید کر جائیں۔ محمد ظاہر خاں بھی ایک دفعہ تعطیل میں کابل تشریف لائے تھے۔ میں اس وقت وزارتِ معارف میں تعلیمی سیاسیات پر تھا۔ وہ گزشتہ تعلقات کی یاد میں مجھے مدیر کا خطاب کرنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ میں نے ان کو ویسا ہی رشید حلیم اور راست کار پایا جیسا وہ مکتبِ حبیبیہ میں تھے۔ البتہ ان کی حسنات متکامل ہو گئی تھیں۔ سمہ

سکندر حیات خاں پنجاب کے گورنر کی حیثیت میں دیرینہ علیگڑھ کے تلمیذی علاقے
کی وجہ سے مجھے ماسٹر کہتے تھے اور یہ وضع محبت واخلاص پسندیدہ تھی حالانکہ والئی
کابل کے مجھے اس طرح مخاطب کرنے پر میں نے اس کو سخت ڈانٹا تھا جس پر
اس نے معافی مانگی۔

جب غازی بھائیوں کی جانفشانیوں سے افغانستان کو ظلم وجہل سے نجات
ملی تو محمد ظاہر خاں اپنے علم وکمال کو عمل میں لانے کے لئے آخری دفعہ فرانس سے
طلب کئے گئے۔ ۱۳۰۹ھ (۱۹۳۰ء) میں آپ وارد وطن ہوئے۔ چونکہ افغانستان
ایک جنگی ملک، ملت افغان ایک جنگجو قوم بلکہ امت اسلام حربی ہے اور محمد ظاہر خاں
کا توارثی اور خاندانی پیشہ سپہ گری تھا اس لئے تعلیم گاہ پیادہ میں داخل ہو کر نہایت
جد وجہد سے فنون عسکری کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ کابل کے علاوہ جلال آباد
میں بھی فوجی عملیات کرتے اور سیکھتے رہے اور دونوں مقامات کے عساکر اور رعایا
کے حالات سے ضمناً آگاہی حاصل کرتے رہے۔ ایک سال سے زیادہ کی محنت
ومساعی کے بعد امتحان دے کر اعلیٰ درجے میں کامیاب ہوئے۔ فن حرب کے
علمی وعملی پہلو سے خبردار ہو کر آپ وزارت حربیہ میں مقرر ہوئے اور وزیر حربیہ کے
غیاب میں ان کے کفیل وزارت بھی رہے جس منصب پر فائز ہونے کے سبب
تمام امور اداری حربی سے کما ینبغی آگاہی کا موقع ملا۔ اسے غیبی تہیہ اس اعتلا کا کہ

سکتے ہیں جو تھوڑی مدت کے بعد آپ کے نصیب میں آنے کو تھا۔ فوج آپ کی
اوضاع سے مطمئن ہو گئی کیونکہ اس نے آپ کے قبلۂ شاہانہ کا سا سلوک بلا واسطہ و
بے حجاب دیکھ بھال لیا۔ یہ اس گہری دلچسپی اور پوری واقفیت کا باعث تھا کہ بادشاہ
ہوتے ہی آپ نے فوجی تنخواہ کی کمی کو محسوس کر کے اور عساکر کی وفاشعاری کو معلوم
کر کے سپاہیوں اور چھوٹے افسروں کے مشاہرات میں افزونی کر دی۔

تا کہ شمشیر کے ساتھ قلم کے محکمے میں بھی دخل ہو جائے قضا و قدر نے وہاں
بھی آپ کے تعارف کا راستہ بند و بست کر دیا۔ وزیر معارف لنڈن کی سفارت پر
جا رہے تھے۔ ان کی وکالت پر آپ مقرر ہوئے تو اہل علم نے آپ کو پہچان کر خوشیاں
منائیں۔ آپ کے خیر مقدم پر سرشار دمانی کے مظاہرات ہوئے۔ مکاتب کی طرف
سے فصیح و بلیغ تقریریں ہوئیں جن میں کہ جذبۂ خسروانہ کے الطاف کے ساتھ ان کے
خلوص الصدق سے بھی عواطف کا یقین بیّن تھا۔ مکتب حبیبیہ کی سابق متعلمی کے
ایما کے ساتھ ہی ظاہر خان نے اپنے ملوکانہ والد ماجد کے نقش قدم پر چلنے کے علاوہ
اپنے خیالات عالی کا اظہار کیا اور ثبات و استقامت کی آرزو ظاہر کی۔ الحاصل
ان کی گفتار و رفتار سے اہل عرفان کو کامل اطمینان ہوا اور یہ مزید استعداد و آمادگی
قلبی تھی اس ارتفاع درجہ کی جو عنقریب آپ کے حصے میں آنے کو تھا۔

اعلیحضرت شاه محمد ظاهر خان

فصل پنجم

جمہوری انتخابِ شاہی اور برادرانِ ذیشاں
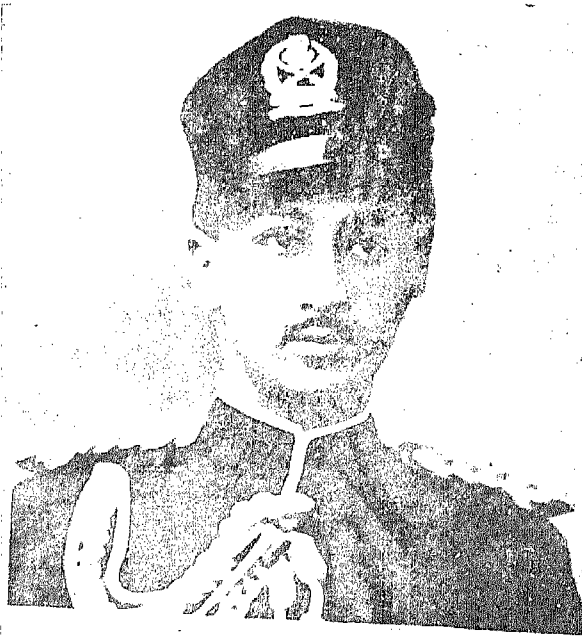
اعلیٰحضرت غازی شاہ محمد نادر خاں کی شہادت پر محمد ظاہر خاں غم و غصے میں مبتلا ہو گئے ان کو البتہ نہایت مہربان باپ کا اشد صدمہ تھا اس کے ماورا ان کی خاموش پیرایہ اور مخلصانہ عادات میں نمایش ادعا اور تملق کی کبھی سمائی نہیں ہوئی۔ باوجود اس کے ملتِ افغان نے کافۃً انھیں بادشاہی پر مقرر کر لیا۔ حدیث کے فحوا سے حبِ جاہ ایک مذموم خواہش ہے وہ شخص جو خود کسی مرتبے پر ہاتھ مار کر آمری و تفاخر کی غرض سے بلند ہو جائے آخر ذلت سے منہ کے بل گرے گا۔ جسے دوسرے رفعت و عزت دیں اس کی وقعت و منزلت میں پائیداری و استقرار ہو گا۔ مسیلمہ نے کذابی سے پہلے جناب رسالتمآب سے اپنے علاقے کی حاکمی طلب کی تھی جو دی نہ گئی بلکہ قبلاً آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا تھا کہ اگر یہ شخص مجھ سے مسواک بھی مانگے جو اس وقت آپ کے دستِ مبارک میں تھی تو میں نہیں دوں گا۔ کیونکہ حکم و اختیار کی تمنا ہی ان کی منافی ہے اور

ثابت کرتی ہے کہ ان کے الفاظ کی اہلیت ہی سائل میں نہیں ہے اور وہ انکی اہمیت وصعوبت کا احساس نہیں رکھتا۔

قاتل کی نسبت بدبخت سیاہ دل سفاک ظالم وغیرہ الفاظ کوئی موزونیت نہیں رکھتے وہ اس قبیل کے تمام کلمات سے زیادہ خبیث پلید اور گندہ ہے۔ وہ اس کرم سے مشابہ ہے جس میں مہلک سمیت ہوتی ہے۔ سانپ اس کے مقابلے میں ایک اونچی چیز ہے البتہ اس کی زہر ایک سڑی ہوئی زقوم میں آجائے تو کسی قدر مماثلت ہو جاتی ہے۔ خود قاتل کا لفظ اس کے لئے مناسب نہیں ہے اس میں بھی دلیری کا اشمام ہے جو اس عدیم الانسانیت بوسیدہ لوتھڑے کے ساتھ کیا مساس رکھ سکتی ہے۔ اس کے متعلق کچھ بحث کرتے شرم آتی ہے کیونکہ اس سے اس کی شخصیت اور نام میں اضافہ ہوتا ہے ع بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔ بالجملہ اس نے اور اس کے وحشی یاران غار نے یہ سوچا تھا کہ افغانستان میں کھلبلی مچ جائیگی اور بچہ سقہ کی طرح پھر کسی کو بادشاہ ہونے کا موقع مل جائے گا مگر غازی شہید نے اپنی عمر بھر کی مجاہدات سے افغانوں کو ایسا متحد و مرہون احسان نہیں کیا تھا کہ وہ اول ہی مرحلے پر متفرق ہو کر وفا دستگران سے غافل ہو جاتے۔

بعض اخباروں میں جمہوریت کی طرف اشارات ہوتے رہے ہیں اگر افغانستان

میں جمہوریت حقیقی نہیں تو اور کیا ہے بلکہ باوجود شخصی سلطنتوں کے مسلمانوں میں اکثر انتخابی حکومت ہی رہی ہے۔ اجماع امت کے بغیر کس بادشاہ کو ثبات حاصل ہوا ہے؟ کئی سلاطین اور امرا کا قتل اور ان کے خاندانوں کا انقراض آرائے جمہور سے ظہور پذیر ہوا۔ امیر کبیر ہندوستان میں اسیر تھے۔ افغانستان کی بادشاہی ان کی ملت نے ان کے لئے تجویز کی۔ امیر عبدالرحمن خاں روسی نظربندی سے بیکسی کی حالت میں وارد افغانستان ہوئے کیونکہ ملت ان کے سوا اور کسی کو لائق تخت نہیں جانتی تھی۔ امان اللہ خان عمر کے لحاظ سے تیسرے بھائی تھے مگر شہزادگی ہی کے زمانے سے ملت نے ان کو پسند کر رکھا تھا۔ پھر وہ خود یہ فرمان لکھکر تاج سے علیحدہ ہوتے ہیں کہ چونکہ ملت مجھ سے بیزار ہو گئی ہے اس لئے اپنے بڑے بھائی کو اپنی جگہ مقرر کرتا ہوں۔ یہ بے تمیزی اور حماقت تھی جسے ملت کب گوارا کر سکتی تھی کیونکہ وہ کسی اور کے تقرر کو اپنی حریت کے منافی جانتی تھی۔ بھلا ایک معزول بادشاہ کی رائے کو کیا وزن دیتی جب امیر شیر علی خاں جیسے مقتدر بادشاہ کے ولیعہد معین کرنے پر اعتراض کر چکی تھی۔

بچہ سقا بھی ایک جمعیت کی طرف سے امیر ہوا تھا مگر ساری ملت نے اسے کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ سب نے متفقاً اپنے استقلال بخش اور نجات دہندہ غازی محمد نادر خاں کو برگزیدہ سمجھا اور صحیح طور پر متحد ہی ان کو اسی مرد رادو مخلص

نے کیا تھا جس کا مکمل ثبوت ان کی شہادت پر مل گیا۔ جب تمام ملت نے ایک آواز سے لبیک کہی اور سب نے ہم نوا ہو کر ان کے فرزند رشید کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس کے سوا سچی جمہوریت اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا محمد نادر خان نے اپنی ذات کے لئے کوئی پہلے اہتمام کر رکھا تھا؟ اگر ان کے والد ماجد کے بادشاہی اقتدار کا لحاظ تھا تو شہادت پر ان کی خون سے رنگین نعش کا تو کوئی خوف نہ تھا۔ البتہ اس کی روحانی حرمت و مراعات تھی جو شاہی خاندان کے ارکان سے لے کر عام افراد تک مسلم پائی گئی۔

اگر شہید بھائی کی حقانی قدردانی ہوتی تو سردار شاہ محمود خان جیسے نامدار بطل کے راستے میں کونسی چیز حائل ہو سکتی تھی جو وزیر حرب ہونے کے سوا اس وقت بحیثیت صدر اعظم کے تاج و تخت اور دار السلطنت ان کے قبضہ میں تھا۔ محاربہ افغان انگریز میں ان کی پیشقدمیاں اور فتوحات۔ امن و امان کے دوران میں ان کی عدل انتظامی اور عرفانی خدمات۔ بچہ سقا کے مقابلے میں ان کی ممتاز اور سرفروشانہ لڑائیاں ابراہیم بیگ کے فتنہ و فساد کو رفع کرنے میں ان کی مساعی جلیلہ اور شاندار کامیابی دوبارہ سمت شمالی کی بغاوت پر ان کی دلاورانہ لشکر کشی اور سرکشوں کی قطعی بیخ کنی اور سمت جنوبی وغیرہ میں بعض باغیوں کی اندیشناک اور مشتبہ اوضاع پر مردانہ نقل و حرکت اور دانش و تدبیر سے تمام قسم کے اختلالات کا قلع قمع اور افغانستان میں

سردار شاہ محمود خاں

سردار محمد ہاشم خاں

سردار شاہ ولی خاں
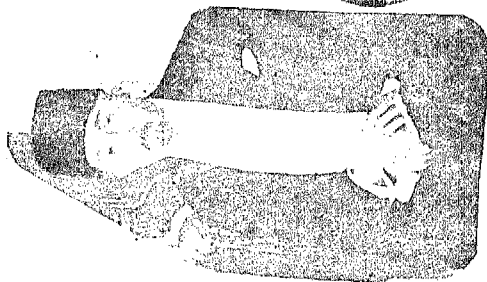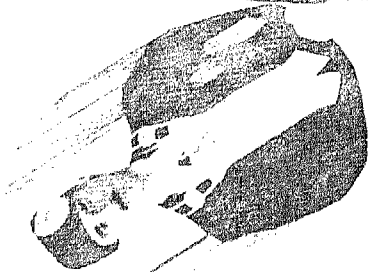
اصلاحات کی ترویج و اشاعت میں مجاہدات ان کو افغانستان میں ایک خاص
عزت و رسوخ کا مالک گردانتے ہوئی تھیں مگر انھوں نے اپنی حسبی و نسبی شرافت
نجابت اور ایثار سے نفسیت کا خیال دل میں نہ لا کر اپنی تمام موجودیت اور قوت
ملت کے حوالے کردی جس کے مبعوثوں وکیلوں نمائندوں اور ملکی و عسکری افسروں نے
بادشاہ غازی شہید کے فرزند سعید کو وارث قبول کیا اور پہلے اس نامور سردار نے
اپنے بھتیجے کی بیعت کی۔

ان بہادر مدبر اور صالح برادران عظام کے متعلق خود غرضانہ گمان نہ صرف بیجا
ہے بلکہ ان کے رطیعت احساسات اور متقیانہ جذبات کو ٹھیس لگا سکتا ہے مگر چونکہ
اخباروں میں ان کی بابت شرارت یا بے خبری سے بد ظنی اشاعت پا چکی ہے اس
لیے ان کے حالات کو دہرانا لازم ہوا۔ سردار محمد ہاشم خاں اسلئے صدر اعظم نہیں تھے
کہ وہ بھائیوں میں بڑے تھے۔ مرحوم سردار محمد عزیز خاں سفیر برلن ان سے بلکہ شہید
بادشاہ سے بھی زیادہ معمر تھے۔ وہ اپنی عقل ہمت اور خدمات کے صلے میں صدارت
عظمیٰ کے درجے کو نائل ہوئے۔

امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں وہ ہرات کی افواج کے نائب سالار تھے
اور انھوں نے اس بلند منصب کے ساتھ نہ صرف سپاہ کو انضباط اور آراستگی
کی حالت میں رکھا بلکہ اس دوران کے اقتضا پر تمام رعایا میں بھی امن و آسودگی

کے سامان فراہم کئے چنانچہ اس صوبے کے باشندے ہمیشہ آپ کو عزت و مودت سے یاد کرتے رہے۔ محاربۂ افغان و انگریز کے چھڑنے پر وہ کابل ہی نہیں تھے اور بعد میں جب وارد ہوئے تو اپنی بے لوث دانشمندانہ اور اسلامیت سے مملو صلاحوں سے مجلس شوریٰ اور بادشاہ کو مدد پہنچاتے رہے۔ جلال آباد کی ویرانیوں کو دوبارہ آبادانی سے مبدل کرنے ملت کو متحد بنا کر جہاد کے لئے تیار رکھنے اور پھر عین تشویش کے وقت مدرسوں کے کھولنے میں جس سرگرمی سے کامیابی آپ نے حاصل کی وہ آشکارا طور پر ملت کو معلوم ہے۔ وزیر حربیہ کی حیثیت میں جبکہ غازی محمد نادر خاں رئیس تنظیمیہ تھے آپ نے محاربے کے تجارب کے بعد افواج میں ضبط و ربط اور نظم و نسق قائم کیا اور اکثر جدید قواعد و لوازم نہایت جد و جہد سے موجود کئے۔

باوجودیکہ امان اللہ خاں کھلم کھلا مخالفت پر اتر آئے تھے مگر آپ نے ذاتی عناد کو بالائے طاق رکھکر خدمت ملت کو ہاتھ سے نہ دیا اور ماسکو میں وزیر مختار رہ کر بہت سے سیاسی معاملات کو سلجھایا جو روسی سفارت میں نزاکت اختیار کر گئے تھے۔ فرانس سے اپنے مریض بھائی کی تیمار داری کرتے جلال آباد پہنچے تو سخت مشکلات کے تغلب میں وہاں کے قبائل میں وہ اتفاق و اتحاد قائم کیا جس کے طفیل انھوں نے کابل پر چڑھائی کر کے بچہ سقا کو محصور کر دیا مگر دوسری

جانب چوروں کی تیغ نے ان کی فوج کو ایسا فارغ کر دیا کہ وہ سمت مشرقی پہ پیچھے سے حملہ آور ہوئے اور تدبیر جنگ متقاضی ہوئی کہ آپ قندھار کا رخ کریں جہاں آپ کو بالضرور بلایا بھی گیا تھا۔ ان تمام مراحل میں جس فراست ایمانی اور ہمت حقانی سے آپ نے خدمات ایفا کیں ان سے آپ صدارت عظمیٰ کے اہل ثابت ہوئے اور چار سال کے عرصے میں ملت نے آپ کو بہمہ وجوہ اس جلیل مرتبت کے قابل پایا۔ باوصف اس بلندی اور وسیع اختیارات کے آپ نے نہایت بے نفسی اور برادر شہید کی غائبانہ محبت سے اس کے عزیز نور چشم کو مرجح سمجھا اور باقی ملت کے ساتھ ہم دست ہو کر اس کی بیعت پر مبادرت فرمائی۔

انھی کی مانند سردار شاہ ولی خاں نے یورپ سے اپنی اطاعت کا اقرار بھیج دیا اور اپنے قیمتدار نام اور شہرت کو اپنے بھتیجے پر نثار کر کے ملت کی اکثریت کا ساتھ دیا۔ انھی کی خالصانہ اور بے عیب متابعت سے باقی ملت کو بھی ترغیب ہوئی حتیٰ کہ جمہوری عمومیت سے بادشاہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس جمیل الشان خاندان کی جلیل القدر خوبی باہم وداد و الفت ہے اور بتفاوت درجات خلوص و محبت سے سب ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ برج رفعت و مکنت برادر شہید کے سامنے باقی بھائی ہر چند عمائد عزت و مرتبت تھے

ادب سے جھک گئے اور صدق تام کا تقاضا تھا کہ ابدی عیاب میں مطیع ہوں۔
محاربۂ افغان وانگریز میں وزیرستان کی فتح کا سہرا جرنیل شاہ ولی خاں
کے سر پر بندھتا ہے۔ ان کے دلیرانہ اور دلیرانہ خصائل و شمائل غازیوں میں
زبان زد عام ہیں۔ جہاد میں ان کی سرفرازیاں بہادر قبائل کے نزدیک ہمیشہ
تازہ ہیں۔ جب سمت جنوبی کی ہولناک بغاوت میں کابل جان کنی کا عذاب چکھ
رہا تھا تو انھی کی شجاعت اور جانفشانی سے باغیوں کو پہلی شکست ملی جس میں
محمد غوث خان کا حصہ بھی بہت تھا۔ امان اللہ خاں کے عتابی زمانے میں آپ
نے کوئی سرتابی نہ دکھائی اور خاموشی سے نائب سالاری اور یاوری کے فرائض
بجا لاتے رہے یہاں تک کہ بڑے بھائی کی اندیشناک بیماری نے آپ کو فرانس کی
طرف روانہ کیا جہاں سے پھر تیمارداری کرتے لڑائی کی آگ میں آکودے۔
سقاوی جرنیل کو جو محاربات میں آزمودہ کار اور مکمل عساکر کے ساتھ رزم
آزما تھا۔ منظم صف آرائی پر تمام حربی اصولوں کی جنگ کے بعد شکست دی۔
فتح کے ساتھ رعیت میں بھی مروت و قہرمانی کے ضوابط کو دستور العمل بنا کر گرد و پیش
کو خیرباد نہ کہا جب تک کہ سب باشندے امن میں منتقل نہ ہو گئے جبر و استقامت
سے مہینوں محنت و مشقت تحصیل کر لشکر مجتمع کیے سامان رسد و لوازم سپاہ
اکٹھے کیے اور آخر سربکف ہو کر جان ہتھیلی میں لے کر اور عقل سے زیادہ عشق وطن

کی ڈسپل سے کابل پر حملہ کیا اور نصرت نصیب ہوئی۔

فاتح کابل کے سامنے ابھی جگر خراش مرحلہ باقی ہے۔ بیوی بچے ارک میں ہیں۔ ابھی ان پر گولے برسانے مقدر ہیں۔ ان کی طرف پیار دوسرے بھائی شاہ محمود خاں توپوں کے منہ کو خود موڑتے ہیں اور اپنے اپنے نصف بہتر کی جگر گوشوں بزرگوں اور عزیزوں کو خود آتشفشانی زلزلے میں ڈال لیتے ہیں تاکہ ملت ان کی خاندانی قربانیوں کے صدقے آزاد اور آسودہ ہو جائے۔ کیا ان رشید جوانوں سعید مردوں صالح مسلمانوں اور بہادر افغانوں سے بہتر ملت اوروں کی عبث تلاش کرتی۔

دوسرے وزرا جیسے محمد گل خاں اور اللہ نواز خاں وغیرہم جنھوں نے افغانستان کی نجات میں کمال صداقت شہامت اور جاں نثاری سے مدد کی تھی مع باقی وزیروں کے جنھوں نے ملک کو دوبارہ آباد و منتظم بنانے میں کوشش کی تھی سب یک دل ہو کر محمد ظاہر خاں کی بادشاہی پر رضامند ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے سے سبقت لے جا کر تابع و فرمانبردار ہو گئے تو افغانستان کی تاریخ میں جمہوری انتخاب کی اور صحیح مثال قائم ہو گئی۔ اس وفاداری اور اخلاصمندی میں جو حضرت شاہ غازی شہید کی روحانیت کی خاطر دلی جذبے سے ظاہر ہوئی۔ یہ حکمت مضمر تھی کہ برادران غازی اور ان کے معاصر و معاون جو وطن کے متجرب خیر خواہ ثابت ہو چکے تھے اور شاہ شہید کے نقشۂ حکومت سے واقف تھے۔ اس کے اجرا کے لئے بدستور اپنے مناصب

[illegible] جمہوری حکومتوں میں اکثریت فیصلہ کرتی ہے اور اعلیحضرت محمد ظاہر خاں
[illegible] بادشاہ منتخب کیا۔ اس ملی یکجہتی اور قومی یکرنگی کی نظیر افغانستان
[illegible] میں نیا دنیا کی سابقہ اور لاحقہ جمہوریتوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اس سے
[illegible] ثابت ہوتی ہے۔ اعلیٰحضرت شاہ محمد ظاہر خاں جو اپنی فطری کسبی اور خاندانی
[illegible] سے ملت کے صادق اور لائق خدام کو ویسے ہی پہچانتے ہیں جیسے ملت
[illegible] ان کا اعتراف کرتی ہے ان کے صلاح و مشورے پر کاربند و عمل پیرا
[illegible] دیر سے ہے گویا گذشتہ بادشاہی کی مجوزہ اصلاحات جاری
[illegible] بادشاہ زندہ رہینگے۔ شہید کی زندگی کے ایک معنے یہ ہیں۔

مختلف اقوام کے خدام و حکام

افغانستان اور اس کے خاندانوں اور افراد سے بے خبر اشخاص بعض غرض جو اور معاند آدمیوں کی شکایت کو دہراتے ہیں کہ نادر خاں شہید کے اقربا ہی مناصب جلیلہ کو اجارہ کئے بیٹھے ہیں اور دوسروں کو جگہ نہیں دیتے۔ اھم یقسمون رحمۃ ربک ؟ خدائے ملیک و مقتدر نے جب ان میں لیاقت و اہلیت ہی زیادہ ودیعت فرمائی ہو جو ان کی قربانیوں اور جانفشانیوں کے امتحان سے بھی گذر چکی ہو اور ملت یہ عملی امتیاز بارہا آزما چکی ہو تو پھر اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ علاوہ براں شاہ شہید کے احباب بھی تو بلند عہدوں پر فائز ہیں اور ان کے دوست ہی ہیں جو ان کے ساتھ وطن کی نجات میں اور اس کی اصلاحات میں مدد و شریک تھے۔

محمد گل خاں وزیر داخلہ مہمند ہیں اور اپنی ہمت محنت صداقت شجاعت اور ملت کے انتظامات میں جد و جہد کی وجہ سے بادشاہ اور رعایا کے نزدیک سرافراز اور معزز ہیں اللہ نواز خاں وزیر رفاہ عام، ملتان کے افغان ہیں اور اپنی استقامت دلاوری

وفاداری جاں نثاری اور ملک کی ترقیات میں سعی و کوشش کے سبب شاہی خاندان کے ایک رکن کے مشابہ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ خاں شاہ جی پشاوری نائب سالار اور حربی فیکٹری کے رئیس ہیں اور اپنی مخلصانہ اور غیر معمولی خدمات اور جانفشانیوں کے سبب اکرم گنے جاتے ہیں۔ یہ رتبے پہلے کسی سلطنت میں ہندیوں کے نصیب نہیں ہوئے تھے۔ ایسی فراخدلی کبھی کسی افغان بادشاہ نے نہیں دکھائی تھی یعنی اسلامی مساوات کا ثبوت دینے کی کبھی جرأت نہیں کی تھی۔ اس پر طرفہ یہ ہے کہ ہندوستان کے بعض اصحاب ہٹ دھرمی سے مخالفت پر اڑے ہیں اور کسی گم شدہ وجدان و ایمان کی دھن میں اسی کے راگ الاپ رہے ہیں ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔

مرزا محمد خاں وزیر تجارت نسبی لحاظ سے افغان بھی نہیں۔ پھر بھی اپنی مدبرانہ تجاویز اقتصادی تدابیر اور ان ملک سیاحت کے تجربوں سے وطن کو بے شمار فوائد پہنچا رہے ہیں اور وزرا میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ علی ہذا القیاس علی محمد خاں جو اب لنڈن میں سفیر ہیں بدخشاں کے باشندے ہیں جو اپنی علمیت دیانت تدبر اور کار اور ہوشمندی کے ذریعے سے پہلے وزارت معارف کے رتبے پر مقرر تھے اسی طرح متعدد حکام جرنیل اور اعلیٰ منصبدار نادر خانی خانوادے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور صرف اپنی صلاحیت و قابلیت کے ذریعے سے دارالعزت و اقتدار میں

ع ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند۔ لومڑیاں حیلے اور فریب سے اس کو کیسے توڑ سکتی ہیں۔ خود ٹکڑے ہو گئی البتہ ہو سکتی ہیں۔

مرزا محمد ایوب خاں وزیر مالیہ قزلباش اور اہل تشیع ہیں اور صرف اپنی حسابی کمالیت و مہارت کے سبب اس اہم وزارت اور معتمد منصب کو اعزاز کئے ہیں ان کی قوم کے اکثر اصحاب سرکاری ملازمتوں اور ذمہ داری کے مقامات کا بار اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کی وفا کیشی اور حقیقی مروت کے علائم میں سے یہ ہے کہ اعلیحضرت شہید کی فاتحہ خوانی اور تعزیت میں انھوں نے اپنے سنی بھائیوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ حصہ لیا۔ اگرچہ اس لطیف طائفے میں اکثر احباب نامور اور خالص خدام دولت و دین ہیں اور ان میں سے ایک دو اشخاص کو چن کر باقی کا ذکر نہ کرنے میں ان کی بے اعتنائی محتمل ہے مگر میں ایسے فرد کو لیتا ہوں جو مشہور نہیں ہیں اور ان پر "گرے" کا مرثیہ صادق آتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ؎

بسے گل بکوہ و بیاباں شگفتہ ۔۔ بسے دُر در ابحار و دریا نہفتہ
ازیں رنگ و بوئش از آں آب و تابش ۔۔ کسے حظ نبردہ نہ در سلک سفتہ

محمد ابراہیم خاں دار الایتام نادری کا منتظم ہے۔ یہ شخص ایسا صاحبدل ہے کہ رات دن اپنے محدود دائرۂ عملیات میں امانت و دیانت سے مشغول اپنی مخلصانہ آرزوؤں اور وفادارانہ تمناؤں کو جو ملت کے درد اور وطن کے محسنوں کی عقیدت

سے بھری ہیں ایسی خاموشی سے ظاہر کرتا رہتا ہے کہ ان کا اثر ملک سے باہر بھی
محسوس ہوتا ہے۔

عبدالاحد خاں رئیس شورے ملی وردک ہیں اور تمام ملت کے نمائندوں کے
صدر البتہ زیادہ ہی عزت واحترام کے مستوجب ہو سکتے ہیں۔ یہ ان کی عظیم خدمات
ہی کا صلہ ہے۔ احمد علی خاں معین وزارت حربیہ لودین ہیں اور اپنی فداکاریوں کے
ذریعے سے ہی معزز سمجھے جاتے ہیں۔ مرزا مجتبیٰ خاں معین وزارت مالیہ مغل ہیں
اور فن جلد اول کی ترویج کے باعث امتیاز رکھتے ہیں۔ امان اللہ خاں کے عہد میں وہ
رشوت بھی نہیں لیتے تھے اور آزادی سے صاف صاف باتیں بھی کہہ دیتے تھے
اسی لئے وہ موقوف کئے گئے اور اسی موقوفی کے سبب بچہ سقا نے انھیں یہی
منصب دیا جس پر وہ اب مقرر ہیں۔ میرے سپرد بھی اخبار کا ادارہ اسی لئے کیا
کیا گیا کہ امان اللہ خاں نے مجھ پر پستول اٹھایا تھا۔ جب میں نے تنگ آکر چوروں
کی خدمت سے سبکدوشی چاہی تو حکم ہوا کہ اپنی جگہ کوئی اور شخص تلاش کرو۔ میں نے
برہان الدین خاں کو ڈھونڈا مگر انھوں نے واضح کہہ دیا کہ تم اس خطرے سے نکلکر
مجھے پھنسانا چاہتے ہو۔ یہ دھاڑوی چند روزہ مہمان ہیں۔ مجھے قید میں ڈال دیں مگر
میں ان کی خدمت نہیں کروں گا۔ جب محمد نادر خاں اور ان کے برادران کرام آئیں گے
تو مجھے چھڑا لیں گے اور میں ان محسنان وطن کے ماتحت البتہ جانفشانی دکھاؤں گا

یہ اب بدیہ جمالی ہیں۔ ان کو البتہ دنیا پہچانتی ہے مگر ان کی فتوت و فراست سے
شاید عام اطلاع نہ ہو۔ صلاح الدین خاں سلجوقی قوم سے ہیں۔ عالم فاضل اور اپنے سابق
کونسل جنرل کی طرح نازک خیال شاعر ہیں اور ان کا کلام بدیع مضامین سے آراستہ
برجستہ ہوتا ہے۔ محمد نواب خاں مصاحب حضور اور غلام قادر خاں رئیس قورخانہ جیسے بوڑھے
تجربہ کار اور مرزا نوروز خاں سرمنشی حضور اور گل احمد خاں رئیس بلدیہ جیسے تنومند اور کارفہم
جوان تاجیک ہیں۔ یہ لوگ اپنی لیاقت سچائی اور خدمات کے بل پر حکومت کے
ارکان ہیں۔ ان چند اشخاص کا ذکر محض نمونے کے طور پر ہوا جو اثنائے تحریر میں یاد
آگئے ورنہ ان کی مانند اور کثیر التعداد ذوات وقار اور اعتبار کے مناصب پر متصرف
ہیں اور ان کا کوئی رابطہ شاہی قوم کے ساتھ نہیں ہے۔

بیشک نادر خانی خاندان کے اکثر ارکان داخلی خارجی ملکی اور عسکری مناصب کو
اشغال کئے ہیں مگر یہ ان کی لیاقت اہلیت شجاعت اور فضیلت کی دلیل ہے اگر
کسی متخاصمانہ فریق کو حرف گیری کا موقع تھا تو وہ اعلیٰحضرت محمد ظاہر خاں کی تقریب
تخت نشینی پر زائل ہو گیا۔ جب ملت کے جملہ اعیان و افراد نے کافۃً بغیر کسی گلے
شکوے کے حکومت کے شکریئے کے ساتھ بیعت کر کے پورے اطمینان سے
اطاعت اختیار کر لی۔ حدیث کے رو سے کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند
ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے حضرت عثمانؓ کی خلافت

راشدہ ہیں۔ ان کے اعزہ و اقرباء کے ہاتھ میں عنان حکمرانی تھی اگرچہ مخالف گروہ انگشت
نمائی کرتا تھا۔ چنانچہ ان کے انتخاب پر بھی اس کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ دودمان کے
ساتھ زیادہ موانست رکھتے ہیں مگر جب کوئی خاندان ہو ہی رغبت و الفت کے قابل
تو کیوں اس کی طرف میلان نہ ہو؟ کیا خلافت کی گفتگو سے بچنے کے لئے جس کے
ہاتھوں نیک و بد کسی کو ضرب المثل رستگاری نہیں عزیزوں کو صرف اس لئے غیر طبعی
طور پر نظر انداز کیا جائے کہ وہ رشتہ دار ہیں؟ کیا حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند کریم کو
اس کے نااہل بھائیوں کی خاطر پیار کرنا چھوڑ دیتے؟

یہاں تو معاملہ ہی مساوات کا ہے۔ سردار شیر احمد خاں کرنیل ملٹری سیکرٹری
رئیس شوریٰ اور سفیر اطالیہ کے عہدوں پر دو سابق عہدوں میں تجربہ حاصل کر چکے
تھے اب صرف سفیر ایران ہیں۔ کیا یہ خاندان پروری ہے یا محض ادائے حق ہے؟
سردار فیض محمد خاں یورپ میں سیاسی خدمات بجا لانے پر وزارت خارجہ میں
معین رہ کر پھر وزیر معارف ہوئے۔ کیا اب وہ اس لئے وزیر خارجہ ہیں کہ شاہی خانواد
کے ساتھ منسوب ہیں؟ یا ان کی قابلیت ہی موجودہ وزارت کی مقتضی تھی؟ اگر وہ
کسی اور قبیلے کے فرد ہوتے تو پھر بھی ضرور اسی بلند رتبے کو نائل ہوتے۔ سردار
سلطان احمد خاں وزیر موصوف کی طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو کر ترکیہ میں سفیر ہوئے اور نہایت
نیک نامی سے اپنے وظائف ایفا کرتے رہے۔ اب اگر وزارت خارجہ میں معین ہیں تو
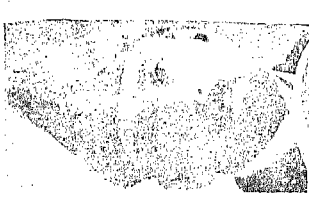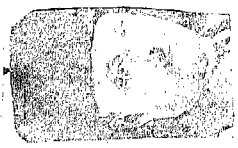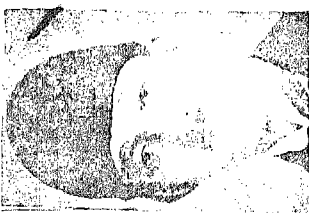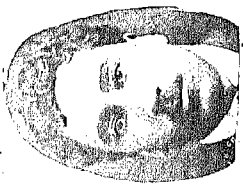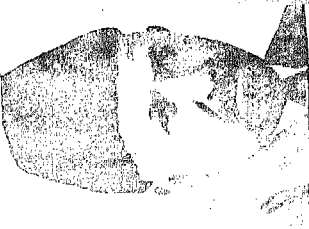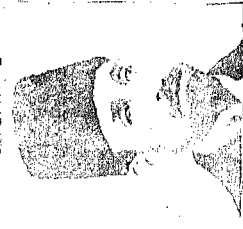
کیا یہ ان کی لیاقت کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس سے برتر منصب کے مستحق ہیں۔

سردار عبدالحسین خاں سفیر روس، سردار محمد داؤد خاں قوماندان مشرقی سردار محمد نعیم خاں سفیر اطالیہ سردار محمد قاسم خاں حاکم اعلےٰ مشرقی سردار غلام فاروق خاں وکیل نائب الحکومۃ قندھار اور سردار محمد عمر خاں وکیل والیٔ کابل اپنی فداکاریوں محنت کشیوں قابلیتوں اور راستبازیوں سے ان مناصب عالیہ کو پہنچے اپنی صداقتوں اور تجربہ کاریوں کی وجہ سے وہ مستحق ہیں اور علی الرغم حاسدوں اور معاندوں کے ملت ان کو پہچانتی اور ان کی مخلصانہ خدمات کی معترف ہے۔

فضل احمد خاں وزیر عدلیہ۔ محمد غوث خاں نائب سالار۔ شیر احمد خاں نائب سالار۔ محمد احسان خاں قوماندان طیارہ۔ محمد عمر خاں رئیس ارکان حرب سید حبیب خاں مستوفی۔ میر عطا محمد خاں رئیس اعیان۔ امین اللہ خاں رئیس اصلاحیہ اور انکے قابل وجرار بھائی اور انکی مانند اور ان سے بڑھکر اکثر ممتاز افسر و حکام مختلف اقوام کے افراد ہیں جو اپنی صادقانہ خدمتوں اور جانفشانیوں کے سبب معزز و محترم ہیں اور بادشاہ اور صدر اعظم کے نزدیک انکے اقربا کے ساتھ علی السویہ منزلت و اکرام رکھتے ہیں اسکو ملت افغان اپنی ذہانت اور تیز فہمی سے خوب جانتی ہے اور اسکا اعتراف ہی جدید بادشاہی کی عادلانہ تشکیل کا بڑا سبب ہوا۔

سابقہ ابواب و فصول کا الفتا

اعلیحضرت شاہ شہید کی معدلت گستری اور مساوات پسندی کا نتیجہ تھا کہ ملت متحدہ نے ان کی ماتمداری میں وہ علائم الم دکھائیں جن کی نظیر صرف آپکی تاجپوشی پر جوش و خروش کے جلوسوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ دونو تہنیت و تعزیت کی جمعیتیں اور شادی و غم کے مظاہرات آپ کے عدل انصاف قوم پروری ملت دوستی اور حق پرستی کے شواہد ہیں۔ ملک کے اطراف و جوانب تمام محاکم و دوائر اور ارکان و اعیان دولت کی ہمدردی کے جواب میں اعلیحضرت محمد ظاہر شاہ نے فرمایا:۔

میرے بھائیو اور عزیز فرزندو!

میری نسبت آپ کے نیک اور مخلصانہ احساسات سے اور میرے غمخوار باپ کی شہادت پُرملالت پرتاثرات سے جو اعلیحضرت شہید کے ساتھ ملت کی عقیدت اور میرے ساتھ غم شرکی ظاہر کرتے ہیں۔ ممنونیت کا اعتراف کرتا ہوں۔ فی الواقع

جس چیز سے مجھے اور ہمارے خاندان کو اس ہولناک واقعے پر زیادہ روحی تسلی ملتی ہے وہ آپ عزیزوں بھائیوں اور عموم ملت کی ہمارے ساتھ ہمدردی اور محبت ہے۔

میرے عزیز بھائیو۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ ہمارے شہید اور بزرگوار باپ مغفرت سے معمور عمر بھر میں افغانستان کی خیر و سعادت کے لئے کوشش کرتے ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ اس خطۂ اسلامیہ کی عظمت و مجد کے حصول میں جان و مال کو قربان کرنا میری آرزو ہے۔ چنانچہ کئی بار مملکت کے خطراتِ حیاتیہ کے مواقع پر آپ نے اپنی ہستی اور زندگی کو معرض ہلاک میں عملاً تقدیم کیا اور اس واسطے سے خدا تعالےٰ نے وطن کو ہمیشہ ہر قسم صدمات سے رہائی و نجات عطا فرمائی۔

چونکہ اعلیحضرت اقدس اپنے افکار و ارادات عالیہ کے مطابق ملت کی خدمتگذاری میں شہید اکبر ہوتے یہ آپ کے مزید رفعت مرتبت کا موجب ہوا۔ اس جہان کی سب موجودات تابع فنا ہیں۔ عاقل و متفکر شخص کے نزدیک عمر کی کمی یا زیادتی میں فرق نہیں ہے۔ اگر مرگ وطن و مملکت کی آسودگی و ترقی کی راہ میں حادث ہو ایسی موت درحقیقت زندگی جاودانی ہے جس میں مرحوم کی خوبیوں اور خدمتوں کا ذکر خیر خلق میں ہمیشہ جاری ہے۔

آپ کے عمدہ جذبات اور مفرط علاقہ مندی پر جس سے آپ نے مجھے بادشاہی

کے لئے برگزیدہ کیا اظہار تشکر کرتا ہوں۔ میں اپنی حیثیت کو آپ ملت کے صحیح خادم اور فداکار کی منزلت سے زیادہ نہیں جانتا اور توفیق الٰہی سے امیدوار ہوں کہ اعلیٰحضرت غازی محمد نادر شاہ شہید افغانستان کے مصلح و خیراندیش بادشاہ کی نصائح کے مطابق آپ اقوام دارالشوریٰ، کابینۂ وزرا، مامورین صادق ملکی و نظامی اور افراد عسکری کے تعاون سے مملکت کے منافع عالیہ کے مقتضیات کے موافق اہم خدمات بجا لاؤں اور آپ ملت کے فکر و عمل کے اتحاد سے اس مملکت کو جو بہر حیثیت مزید اصلاح و ترقی کی محتاج ہے۔ تکامل و تعالی کے بلند درجات پر پہنچاؤں۔ آخر میں رجا کرتا ہوں کہ فضل خداوندی ہمارے شامل حال ہو تا کہ مملکت اور وطن کی خدمات عالیہ کے سرانجام دینے میں کامیابی حاصل کریں۔

اعلیٰحضرت محمد ظاہر شاہ نے اپنے محترم چچا سردار محمد ہاشم خاں کو از سر نو صدر اعظم مقرر فرمایا اور انھوں نے سابقہ وزراہی کی منظوری لے کر بیش از بیش جدیت و سرگرمی سے امور مملکت کو جاری رکھا جیسا کہ اس فرمان مبارک سے ہدایت ہوئی۔

ہماری جدید حکومت کا طرز عمل شرع مطہر کے مقررات اور ترویج دین محمدی کے مطابق اعلیٰحضرت شہید میرے والد مرحوم کے طریق رفتار کے موافق ہے۔ اسی اساس پر ہماری عزیز مملکت اسلامی میں خدا تعالیٰ کی مدد سے سب امور انجام پذیر ہوں گے اور اسی طرح امور خارجہ کی سیاست اعلیٰحضرت شہید کی سلطنت کے معاہدات
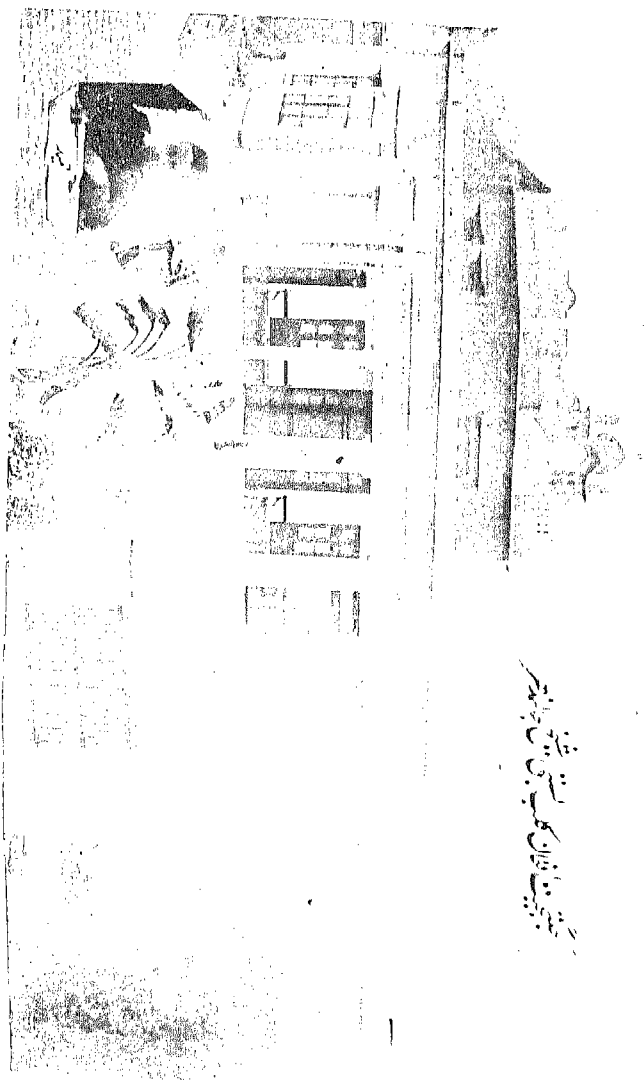
کے مطابق حسب سابق ادامہ کرے گی۔

محمد ظاہر

اعلیٰحضرت غازی محمد نادر شاہ کی شہادت کے چالیسویں دن مسلمانوں کی رسم کے مطابق سلامخانہ میں پھر وزرا ارکان و اعیان مملکت حاضر ہوئے اور شہید سعید کی روح پرفتوح پر فاتحہ پڑھی گئی۔ سردار فیض محمد خاں وزیر خارجہ، مولوی فضل ربی رکن جمعیت العلما، گل احمد خاں رئیس بلدیہ، احمد علی خاں معین وزارت حربیہ، حفیظ اللہ خاں عضو انجمن ادبی، پادشاہ گل خاں ترنگ زائی و حضرت نور المشائخ وغیرہم نے اپنے اپنے دائرے اور حلقے کی طرف سے وکالۃً تقریریں کیں جن میں بادشاہ غازی شہید کی حسنات و احسانات کے ساتھ ان کے برادران ذیشان کی خدمات و عنایات کا بھی اعتراف تھا اور اعلیٰحضرت محمد ظاہر شاہ کی سلطنت کو مرہم مراحم قرار دیا تھا جو ملت کے زخمی دلوں پر رکھی گئی ہے۔ سردار محمد ہاشم خاں صدر اعظم نے ان کے جواب میں ایک عالی نطق فرمائی جس میں بادشاہ مبرور و مغفور پر دعا کے بعد ملت کی قدر دانیوں کا شکریہ ادا کیا اور اعلیٰحضرت محمد ظاہر شاہ سے قبلہ مرحوم کے نقش قدم پر مسلک قائم رکھنے کی توقع کے ساتھ اپنی مزید مساعی اور نیز ملت کی متحدہ کوششوں کے لئے توفیق ایزدی کی تمنا ظاہر کی۔

جالندھر کی بستیوں کے افغانوں نے بھی "جگنجیت افغان کلب" میں جمع ہو کر

چہلم کی رسم پرغم ادا کی جس میں مصنف کتاب ہذا نے تقریباً اس کا خلاصہ ہی بیان کر
دیا۔ اس پر جدید ابواب و فصول کی افزونی بھی ہو سکتی ہے کہ اعلیٰحضرت محمد ظاہر
شاہ خلف رشید کی حیثیت میں کچھ کر کے دکھائیں جن کا یقین ان سے ان کے
اعمام کرام سے اور باقی اکابر و افراد ملت سے ہے ثم جعلناکم خلائف
فی الارض من بعدهم لننظر کیف تعملون ۔

مزید تعزیت و تہنیت موزوں

پہلے ایک نظم درج ہو چکی ہے جو عام اردو خوان قارئین بھی سمجھ سکیں گے مگر بعد میں جرمنی سے افغان سفیر نے جو عزا اشعار لکھے اور جس درد اور عذاب و عذوبت ایم سے کہے اس سے متاثر ہو کر ان کا نقل کرنا بھی مناسب سمجھا گیا تاکہ فارسی دان اصحاب اقلاً یہ تقدیر کر سکیں کہ خاندانِ جلیلِ حکومت کے منسوبین میں سردار عبدالرسول خان جیسے لطیف خیال شاعر اور صالح الافکار خدام موجود ہیں جو نہ صرف اپنی نجابت بلکہ فضیلت کے سبب ہندوستان کی جنرل کونسلیٹ سے جرمنی کی وزارت مختاری پر مامور ہوئے ہیں۔ ان کا کلام بے اختیارانہ انبوہِ اندوہ اور بے ساختہ تبریک و دعائے بیرہا سے بھرا ہے ؎

محشر آہنگ است مینای شکست ایجادِ دل ✤ صاعقہ بار است دور چرخ بر بنیادِ دل

سرو آتش بار آہم بر زمین داغ رست ✤ جست با فوارۂ خوں میزند فریادِ دل

از دہان زخم پرخونِ جگر آید بگوشش ✤ جرّس موز کباب بسملِ ناشادِ دل

(پاره های لخت لخت دل امروز نذر آتش است ÷ رشته بست از قید ضبط او نوحه ما سرکش است)

ریخت داغ عالم افسروز که ؟ این طرح گداز ÷ دل مقطر می چکد از دیده ام امروز باز

آبشار آتش سیال اشک بلبلان ÷ در ایاغ لاله ریزد داغ صهبای حجاز

شعله می لیسد ز لوح دل خط آمال را ÷ سوختن از حد گذشت ای کردگار بی نیاز

(هیکل رحمت شده از دست غداری شهید ÷ دست کفر و غدر و عصیان تا کجا بنگر رسید)

ای دلا زین داغ باید تا قیامت سوختن ÷ در فراق پیکر صدق و دیانت سوختن

مصلح لشکر جوان و حامی افکار پیر ÷ در تمدن سعی کردن بر دیانت سوختن

لنگر عزم متین بود و تدبر آفرین ÷ در غم آن شهسوار با شهامت سوختن

(گلشن آمال ملت باز ماتم خانه شد ÷ آتش داغ جگر جاروب این ویرانه شد)

نوحه اش باید بخط زخم در دلها نوشت ÷ یا بدود آه آسمان پیما نوشت

باید این عنوان بخون داغ چون شد رقم ÷ یا که با دود دماغ مردم دانا نوشت

با دهان زخم دل خواندن به پیشین اهل دل ÷ یا سیاهی سواد تیره روز بها نوشت

(بیرق فخر وطن معکوس گردید ها ÷ خاک بدبختی بود تا چتر تاج ایشیا)

هیکل صدق و دیانت پیکر عزم متین ÷ روح انصاف و مروت نادر روی زمین

شد شهید اکبر از دست خیانت آه آه ÷ بانی قصر تمدن حامی احکام دین

قالب اخلاق حسن و معدن عز و شرف ÷ آورنده بعد چندین قرن عصر راشدین

(دگر جگر از چشم بیرون ریزد این ملت رواست + آنچه رفت از فرق ما آن سایهٔ ذات خداست)

تحفهٔ صدق و صفا را برد نزد کبریا + شد مزین سینه‌اش با "المر" ز نسیم وفا

عسکر آسا او بمیدان صداقت جان بداد + باربار آن انتهایش فضل هست از ابتدا

آن شهید اکبر و پور "محمد اکبر" است + سرخ رو زین انجمن رفت بدرگاه خدا

(صدقهٔ آن روح پاک و سینهٔ بی‌کینه‌اش + روزی ملت شود آن مقصد دیرینه‌اش)

یک قدم بیرون نرفت از سنت خیر البشر + او بقرآن چاره از عصر اول کرد سر

روح وحدت در نهاد ملت افغان دمید + پیر و برنا پیر و با هم گشت چون شیر و شکر

روفت از دلها تنفر را بلطف و مرحمت + باعث توحید افکار پدر شد با پسر

(وا دریغا حسرتا آن صلح کل از دست رفت + تیر خار چشم دشمن ناگهان از دست رفت)

آنکه بخت تیره را از اختر ملت بشست + وز برای انضلا برخاست با عزم درست

ننگ و ناموس وطن را داد از خجالت نجات + بهر تعمیر تمدن او میان بربست چست

آنکه زنجیر اسارت را بقوت پاره کرد + در وطن بنشاند "حریت" نهالی داد نخست

(نخل زحمت‌هایش بار آورد بعد از مردنش + نعمت امن وطن شد حاصل جان کندنش)

حیف ز آغوش وطن آن مرد ملت ساز رفت + از فضای آسمان چون پاک شهباز رفت

بهر تشویق معارف با دل پر آرزو + از ترحم کردهٔ آغوش شفقت باز رفت

این تظلم را که خواهد گفت در محشر جواب + یک فرشته کشته شد یک صاحب اعجاز رفت

(بود اندر زندگی او شاه با تدبیر ما ❊ این زمان بعد وفات او مرشد ست و پیر ما)

حمد لله که ازو ماندست فرزند جوان ❊ هست با عزم متین او بر همان جاده روان

تاج افغان بر سرش تابنده بادا تا ابد ❊ هم بکام او بگردد گردش هفت آسمان

دست بیعت داد زان رو جمله افراد وطن ❊ زانکه داده امتحانها بارها این دودمان

(روح "نادر" در وجود این جوان پاینده است ❊ تا که "ظاهر" زنده باشد "نادر" ما زنده است)

بر سرش تابنده بادا گوهر صدق و صفا ❊ همتش اندر وطن معمار قصر ارتقا

از تزلزل ها مبادش استقامت را گزند ❊ یاورش لطف خدا بادا براه اعتلا

نیر تابنده اندر ملت اسلام باد ❊ "ظاهر" ما را خدایا کن تو فخر ایشیا

(دست و بازویش بکار اعتلا گردنده باد ❊ ظاهرش رخشنده و هم باطنش تابنده باد)

اختر افغان بعصر شش نیر اعظم شود ❊ قصر امید عدویش تا ابد برهم شود

عسکر و ملت بزیر سایه اش منصور باد ❊ شوکت اجلال افغان بیش ازین محکم شود

نور عصر اولین در عصر وی ظاهر شود ❊ ارتقای معنوی با اعتلا مدغم شود

(تا جهان باشد مبادا در ترقیش قصور ❊ روح اسلام و تمدن کرده در "ظاهر" ظهور)

نذر

صدق و صفا کے اقتضا سے اس کتاب کو پیشکش کرتا ہوں اس شخص کے

۱۔ جس نے مومن و مسلمان اور دیگر ادیان و انساب کے منسوبین کے ساتھ دلی الفت اور حسن معاملت کو اپنا شیوہ و شعار بنائے رکھا ہو۔

۲۔ جس نے ہندوستان سے اس لئے مراجعت کی ہو کہ وطن مالوف میں پہنچ کر حتی الوسع اس کی خالصانہ خدمات بجا لائے۔

۳۔ جس نے متعدد بادشاہوں میں اپنی حیثیت کے مطابق بلکہ اس سے بڑھ کر ملت کی خیر خواہی کا دم بھرتے اس کی ترقیات میں کوششیں کی ہوں۔

۴۔ جس نے باوصف ملکدار ہونے کے اکتساب حلال کے معمولی ذریعے کو عار نہ سمجھکر دیانت امانت اور محنت سے کام کیا ہو۔

۵ جس نے دکانداری کرتے متنور اشخاص کی صحبت میں رہ کر عالی ہمت مہاجرین کی معاونت اور راہنمائی میں حصہ لیا ہو۔

۶ جس نے احبا و رفقا کے ساتھ بے انتہا وفاداری کا سلوک کرتے مرگ و مسافرت میں بھی ان کے حقوق ادا کئے ہوں۔

۷ جس نے ماموریت بلدیہ میں جب اس کے ہمسر مالامال ہو رہے تھے رشوت بلکہ تحفے تک کو ہاتھ نہ لگا کر خلق خدا کو خوش کیا ہو۔

۸ جس نے عالم فاضل نہ ہو کر کتبخانہ عمومی، مہذب محافل اور مجالس خیریہ کی عرفانی اور فیض رسانی

چونکہ میری کتابوں پر بعض خود غرض اشخاص نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کچھ بےخبر لوگ افغانستان کے واقعات پر بیجا رائے زنی کرتے رہتے ہیں اسلئے مناسب ہے کہ ان کی اصلاح و تصحیح کے لئے جواب دیا جائے :-

بیجا اور نازیبا حملوں کی مدافعت ضروری سمجھکر مجبوری سے میں نے قلم اٹھایا ہے۔ میں شہید محمد نادر شاہ کی سلطنت کو فتحِ حق سے تعبیر کرتا ہوں اور جب اس کے خلاف مقالات پڑھتا یا سنتا ہوں تو افسوس آتا ہے۔ یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ اعلیٰحضرت ممدوح کے ساتھ میری کچھ آشنائی تھی اور انھوں نے ایک مدت مجھ سے سبق پڑھا اور اگر یہ ذاتی تعلق نہ بھی ہوتا تو بھی جو کچھ میں نے افغانستان میں دیکھا اور جو دکھ سہا تھا اس کے رو سے جدید بادشاہی کے غلبے کو فتح حق سمجھکر اس کی تائید کو عمل ثواب جانتا۔ اس صورت میں بعض کی مخالفت پر لامحالہ مجھے تعجب و تاسف ہوتا ہے کہ کیوں غلط اور بے بنیاد خبروں اور مضمونوں سے کاغذ اور سیاہی کے ضائع کرنے کے علاوہ اپنا اور ناظرین کا قیمتی وقت کھونے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

یہاں یہ واقعہ بھی بتانا مناسب ہے کہ افغانستان کے محلی حالات سے بےخبری کس طرح مضرت کا موجب ہوتی ہے۔ جب بچہ سقا تخت پر متمکن تھا تو پشاور کا راستہ بند ہونے سے اخبارات کابل میں پہنچ نہیں سکتے تھے مگر بچہ سقا کا وزیر خارجہ کسی خفیہ قاصد کے ذریعے کبھی کوئی

اخبار ہندوستان سے طلب کرلیتا۔ ایک پرچے میں بچہ سقا کو منظوم گالیاں دی گئی تھیں کہنے لگا کہ ان کی اطلاع امیر صاحب کو ہو جائے تو انتقام میں کابل کے پانچ سو ہندوستانیوں میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑے۔ اس کی تھوڑی سی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ ایک مہاجر نے سقوی دربار میں عرض کی کہ ہندوستان کے اخباروں میں آپ کے برخلاف مضامین شائع ہوتے ہیں مجھے اجازت دی جائے کہ ان کی تردید کردوں جواب ملا کہ اگر ہندوستان کے لوگ مجھے برا کہتے ہیں تو تم بھی وہیں کے رہنے والے ہو اسلئے تمھیں قید میں ڈالا جاتا ہے۔ سب مہاجروں پر یہی حکم صادر ہو گیا بعض تو بروقت مطلع ہونے سے بھاگ سکے اکثر دورۂ عذاب کے اثنا میں محبوس رہے اور مارے جاتے اگر اعلیحضرت محمد نادر خاں موقع پر فتح پا کر ان کو رہا نہ کرتے۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ بچہ سقا کی مذمت سے اسے تو کوئی نقصان پہنچ نہیں سکتا تھا اور بہت اغلب تھا کہ ہندوستانی تباہ ہوتے مگر سقوی وزیر خارجہ ہندوستان میں کبھی فرار رہ چکا تھا اسلئے اہل ہند کے ساتھ ہمدردی نے اسے اس پرچے کو امیر کے سامنے پیش کرنے سے باز رکھا۔ جن دنوں اخباروں میں بچہ سقا کی بری طرح خبر لی جاتی تھی۔ کابل میں ہندوستانیوں کے لئے بڑے اندیشے کا سامنا تھا۔ بیچارے سہمے سہمے پھرتے تھے کہ اس اخباری ہجو کی اطلاع کے ساتھ ہی سینکڑوں کا خون ہو جائیگا۔

اسی کے مطابق انگریزوں کی نسبت فتنہ اندازی کے خیالات کا اظہار کابل میں اہل ہند کے لئے خدشہ پیدا کرتا تھا۔ سنا جاتا تھا کہ برطانوی سفارت ان کو طیاروں میں بٹھا کر خطرات سے نکالنے کے لئے تیار نہیں ہے جب ان کے بھائی ہندوستان میں ان کے خلاف زہر اگل رہے ہیں

یہ تو ظاہر تھا کہ اگر بعض ہندی بہادر جیسا کہ آمادہ ہوئے تھے امان اللہ خاں کی طرفداری میں قندھار آ پہنچتے تو خود جو حشر ان کا ہوتا بدیہی تھا۔ پہلے کابل میں بچۂ سقا ان کے دوسرے ہموطنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ بیشک مرگ سے ڈرنا مردانگی نہیں مگر دوراندیشی سے یہ موازنہ بھی لازم ہے کہ اپنی مرگ سے دوسرے مسلمان تو ہلاک نہیں ہوتے اور آیا اس میں اسلام کا بھی کچھ فائدہ ہے یا سراسر نقصان ہے۔ یہ بیّن امر ہے کہ ہندوستانی والنٹیر ایک دوسرے ملک میں مفید ثابت نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ ملی تعصب و مقامی خصوصیات حائل ہیں۔ پھر فوجی معرکوں میں افغانوں کے مقابلے میں لڑنا یا اڑنا دشوار ہے۔

اسی طرح ہندوستان کے اخبارات افغانستان کے متعلق موافق یا مخالف تحریروں سے تاریخی تفنن کے علاوہ اس ملک کو فائدہ یا ضرر نہیں پہنچا سکتے جیسا کہ امان اللہ خاں کی حمایت اور بچہ سقا کی عداوت کے لگاتار مضامین سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ ہکذا محمد نادر خاں نے اپنی شجاعتوں اور قربانیوں سے کابل فتح کیا اور ان کے ایثار و استقامت کا اثر ملت پر آنا پڑا کہ بادشاہی کے لیے منتخب ہوئے۔ اس میں ہندوستانیوں کا کوئی دخل نہیں۔

جب محمد نادر خاں جیسے شریف خلیق موثر اور بہادر شخص پر ہندوستان میں وہ تعرضات ہوتے رہے ہیں جن کو افغانستان میں ان کے دشمن بھی نہیں مانتے تو مجھے یقین تھا کہ جو خدا سے نڈر ہیں انسانی شرافت کا لحاظ نہ کریں اور بے تحقیق خبروں سے اپنے جریدوں کے صفحے بھریں وہ مجھے کب چھوڑینگے خصوصاً جب ان سے مختلف رائے اور مغائر مقصد کی کتاب نشر کروں یعنی امان اللہ خاں کے خلاف قلم زنی کی جرأت کروں۔ ایک وقت تھا کہ انہی امان اللہ خاں کی کتاب میں جو میں نے

اشعار لکھے تھے اس پر کسی نے اعتراض کیا تھا اور سخت الفاظ میں عیب گیری کی تھی۔ اور اب انکے بارے میں ایراد ہوتا ہے کہ ان کے سامنے خاقانی انوری اور ظہیری کے قصائد نظر سے گر جاتے ہیں عیب چین اسماء الرجال کے فن میں جولانی دکھاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ تعرض اور تجسس سے بڑے بڑے بزرگ نہ بچ سکے۔ تو پھر مجھ عاجز کی کیا مجال تھی کہ لوگوں کی زبان درازی سے چھوٹ سکتا

ع   لیک نتواں از زبان مردم رست

مگر میرے سوانح حیات پر تذکرہ کرتے ہوئے ذرا انصاف سے کام لینا چاہیے تھا۔ انھوں نے وہ باتیں حذف کر دی ہیں جو میری آزادی اور سچائی پر دلالت کرتی تھیں اسلیے مجبوراً میں خود انھیں درج کرتا ہوں اور جیسا کہ افغانستان میں محقق اور واقف کار اشخاص مجھ پر مکر۔ حیلے۔ تملق اور زمانہ سازی کا الزام نہیں لگا سکتے۔ ہندوستان میں جالندھر اور علی گڑھ کے اصحاب سوائے راستبازی دلیری اور حقگوئی کے اور کوئی گناہ مجھ پر نہیں دھر سکتے ہیں

گر تو قار صدق را نام گنہ مے نہند   +   حاصل ما ہیچ نیست جز گناہ اندوختن

جالندھر کے سکول میں لڑکپن کی بہادری سے نا اپنے پاس پستول رکھتا جس کی اطلاع پر تھانیدار ہماری جماعت میں آگھسا اور مجھے کولوالی اور کچہری میں جانا پڑا۔ یہ دلادرانہ خصلت علیگڑھ کالج میں پرنسپل اور پروفیسروں کے سامنے میری صاف گوئی میں منتج ہوئی۔ چار پانچ سال کے عرصے میں وہاں بلا خوف خطر سفر و حضر میں میدان ورزش اور انجمن الفرض کے دوروں میں اسی خصلت پر میں قائم رہا۔ جب میں کالج کے بورڈنگ ہوس میں سب پر اکٹر اور سکول میں ماسٹر تھا تو سٹرائیک واقع ہوا۔ طلبہ کو بجانب حق سمجھکر میں نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ ۱۹۰۷ء کا حادثہ ہے۔ میں نے انگریزی اردو اور فارسی میں

اسی کے متعلق پمفلٹ لکھے۔ ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس کے پریزیڈنٹ سر علی امام تھے۔ اس میں مجھے طلب کیا گیا۔ سر علی امام نے فرمایا کہ میں نے ایسا راست گو اور دلاور جوان اب تک نہیں دیکھا۔ خیر یہ فیصلہ ہوا کہ پروفیسروں میں سے مسٹر براؤن اور طلبہ کی طرف سے مجھے کالج چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ میرا یہ خط متنی ایک مستقیم حیثیت رکھتا ہے جسے اسی لحاظ سے مخالفوں نے شاید محو کرنا چاہا ہے۔

سوانح عمری میں میرے بزرگوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر حقیقی امور اس بارے میں متروک کئے گئے جالندھر میں افاغنہ لودھیوں کے زمانے سے آباد ہیں۔ بابر کے عہد میں شہر کے محلہ اشنار میں ایک شخص پیدا ہوا جس کے اقربا کانیگرام میں بھی رہتے تھے جو وزیرستان کا بڑا قصبہ ہے۔ اس کا نام بایزید مسکین پیر روشن تھا۔ جس نے اکبر کو غاصب قرار دے کر سرحدات میں افغانی بادشاہی کا اعلان کیا اس کے فرزندوں کے ساتھ بعد میں مغلوں کی لڑائیاں جاری رہیں جن میں زین خاں، ٹوڈرمل اور دیگر بڑے سردار مع بیس ہزار سپاہ کے کام آئے۔ ہمارے آبا و اجداد اقتدار و اختیار شاہنشاہی کے سامنے سر خم کرنے کے عادی ہوتے تو بلا مزاحمت تابع ہو جاتے۔

ہمارے ایک بزرگ کو اورنگ زیب نے اپنے دربار میں مدعو کیا۔ انھوں نے یہ جواب دیا کہ میں عبادت خدا میں مشغول ہوں۔ اس کی بارگاہ کو چھوڑ کر بندے کے دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ اورنگ زیب نے اپنے فرمان میں جو ہمارے پاس موجود ہے۔ خوشنودی سے اس حق گوئی کو مرقوم کیا۔ یہ بزرگ میاں شیخ درویش تھے جن کے نام پر ہماری بڑی بستی آباد ہے۔ ہمارے ایک اور بزرگ شاہ قاسم سلیمانی مغلوں کی قید میں قلعہ چنار گڑھ میں فوت ہوئے مگر اپنے طریقے پر ثابت قدم رہے

ہماری قوم جالندھر میں تجارت پیشہ رہی ہے۔ جس کے قافلے ہندوستان اور وسط ایشیا میں

چکر لگاتے تھے۔ ساتھ ہی ہم میں مذہبی پیشوا بھی تھے اور مغلوں کے دربار میں بعض چند ہزاری مناصب پر بھی مقرر تھے۔ اب ہمارا کام بیشتر زمینداری ہے اور کچھ لوگ سرکاری عہدوں کو بھی اشغال کیے ہوئے ہیں مگر ہم میں ایسی مثال کوئی نہیں جس پر خوشامد کمینگی اور دورنگی عائد ہو سکے خصوصاً مجھے تو جو لوگ پہچانتے ہیں اس سے بہت دور جانتے ہیں فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ

یہ جبلت آبائی وراثت ہے۔ میرے والد مرحوم حکیم احمد داد خاں سیاحت کرتے ہوئے گوالیار پہنچے۔ مہاراجہ نے ملاقات کے دوران میں ان کی قابلیت سے متاثر ہو کر کہا کہ آپ میری ملازمت کر لیں۔ جواب دیا کہ مہمان کے ساتھ یہ بدسلوکی کا ارادہ مناسب نہیں۔ میں آزاد شخص ہوں اور آپ کا مساوی کیونکہ آپ کے ماتحت نہیں ہوں۔ آپ چاہتے ہیں کہ مجھے اپنا نوکر بنا کر اس عزت سے محروم کریں جو اب مجھے حاصل ہے۔ جالندھر کے راجوں کو بھی ان کی ملازمت کی خواہش پر یہی کہا کرتے تھے۔ ایسے باپ کا بیٹا اور ایسے بزرگوں کی اولاد تنزل نہیں کر سکتا کہ حق اور آزادی کو ترک کر کے وہ وضع اختیار کرے جو نکتہ گیروں نے اسکے ساتھ منسوب کی ہے۔

پھر انھوں نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ میں نے انجمن جاں نثاران اسلام کے قیام میں حصہ لیا اور دستور پرستی و جمہوریت پسندی کی وجہ سے ارک میں گیارہ سال اسارت و حبس کی سختیاں جھیلیں۔ اگر میرا اصلی مقصود اقتدار کی پرستش اور مہربانی سلطنت کی عبودیت ہوتا تو امیر حبیب اللہ خاں کو مجموعۂ صفات و حسنات قرار دے کر کیوں رہائی نہ چاہتا جیسا کہ ہمارے بعض احباب مرتد ہو کر رہا ہو گئے تھے؟ تاہم یہ اصلاح طلبی اور صبر و ثبات کا بحیثیت راوی کے کوئی مفید اثر نہ پڑا حالانکہ گیارہ سال کی مصائب و مصائب میں مستقل مزاجی ایک شخص کو حریت کا تمغہ دے کر بزم روایت میں مقام موثوق پر سرفراز

کر سکتی ہے۔

معترض کہتے ہیں کہ امان اللہ خاں نے زندانِ بلا کے دروازے کھلوا دیئے اور جو لوگ حکومت سابق کے خلاف سازش کی علت میں ماخوذ تھے ان کے اعمال پر خطِ عفو کھینچ دیا۔ اگر ہمارے اعمال برے تھے تو ہم خود ان سے تائب ہو کر حکومت گذشتہ ہی کے ذریعے معفو ہو جاتے مگر ہم جاں نثاریِ اسلام سے کیونکر توبہ کرتے ایک اسلامی ملک کی اصلاح سے کیسے دست بردار ہوتے۔ امان اللہ خاں نے ہمیں آزاد کر دیا کیونکہ وہ ہماری مجلس کو مصلحانِ ملت کی جمعیت سمجھتے تھے مگر انھوں نے ہمیں معاف نہیں کیا کیونکہ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا جو معافی کی ضرورت پڑتی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہماری رہائی بھی ان کی مصلحت پر مبنی تھی کیونکہ وہ ملک میں اصلاح خواہی کی شہرت چاہتے تھے۔ اگر حقیقت میں وہ ہمارے ہم خیال ہوتے تو جو لوگ ہمارے قتل و قید کا موجب ہوئے تھے ان کو سزا دیتے۔ وہ بھی بیش از پیش عہدوں پر ممتاز ہوتے رہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ ان گرفتارانِ بلا میں سے جن لوگوں کو لباس ہوش و خرد سے آراستہ پایا انھیں اعلیٰ مناصب دیئے۔ انھی لوگوں میں محمد حسین خاں بھی تھے جنھیں امان اللہ خاں نے از راہ معارف پروری رئیس تدریسات کا منصب عالی بخشا۔ میں تو بشری کمزوری کے سبب بہت خوش ہوا تھا کہ حریفوں نے مجھے ہوش و خرد کا جامہ پہنایا اور ریاست تدریسات پر میرے تقرر کو امان اللہ خاں کی معارف پروری بتایا مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ آگے چل کر یہ خلعت چھین لینگے اور ان القاب سے مجھے خطاب کرینگے جو ہوش و خرد کے سخت منافی ہیں۔

پھر کہتے ہیں کہ میری بہن کو مکتبِ نسوانہ کی رئیسہ کا عہدہ ملا گویا یہ امان اللہ خاں کی عنایت تھی واقعی

امر یہ تھا کہ مکتب مستورات میں معلمات کافی نہیں تھیں۔ بہت کوشش کی گئی مگر ہندوستان سے دستیاب نہ ہوئیں۔ تنخواہ بھی تھوڑی تھی۔ امان اللہ خاں نے مجھے ایک دن واحد دیا کہ تم اپنے رشتہ داروں اور احباب میں سے کسی کو کیوں طلب نہیں کر لیتے۔ چونکہ خدمت ملت کو میں اپنے خاندان کے لئے مقدم سمجھتا تھا اس لئے نہ صرف ایک بلکہ دو بہنوں کو کابل میں بلا لیا۔ جن میں سے ایک تو نائب مدیرہ تھی دوسری معلمہ۔ مدیرہ امان اللہ خاں کی ساس تھی جو کبھی مکتب میں نہیں پڑھی تھی۔ اس لئے گھر میں رہتی اور کبھی مہینے دو مہینے کے بعد میری بہن کے پاس آ بیٹھتی۔ مفت تنخواہ لیتی اور میری بہن سے تنگی۔ ہم سب خاموشی سے خدمت کرتے اور کبھی لالچ کا اظہار ہم سے نہ ہوا۔ اب بریت کی وجہ سے ناچار یہ باتیں لکھنی پڑیں۔

یہ احسان بھی امان اللہ خاں کی طرف سے میری گردن پر بار کرتے ہیں کہ میرے فرزند کو معقول وظیفہ دے کر تعلیم حاصل کرنے کے لئے جرمنی بھیجا۔ میں اپنی کتاب انقلاب افغانستان میں لکھ چکا ہوں کہ ان لڑکوں کا بھیجنا میری اور محمد نادر خاں کی رائے کے برخلاف ہوا تھا۔ ان کا بیٹا فرانس میں اور میرا بیٹا جرمنی میں فوت ہو کر امان اللہ خاں کو اپنی عمر بخش گئے۔ میں رعیت افغان تھا اور جیسا کہ اور رعایا کے لڑکے یورپ گئے۔ میرا بیٹا بھی منجملہ بھیجا گیا۔ کابل میں اعلیٰ تعلیم کا کوئی انتظام ہی نہ تھا کیونکہ جتنے لڑکے اونچی جماعتوں میں پڑھتے وہ سب باہر روانہ کر دئے گئے۔ مجھ پر کوئی خاص الطاف نہیں ہوا تھا۔

میں تھا تو مشیر تعلیمات مگر امان اللہ خاں ہر کام میں مداخلت کرتے اور اہل کار کو کام ہی نہیں کرنے دیتے تھے۔ چھوٹے لڑکے یورپ بھیج دیے گئے حالانکہ ترکی کا تجربہ تھا کہ اس عمر میں باہر

جا کر لیٹے کے دین و وطنیت کے لوازم سے عاری واپس آتے تھے۔ پھر طرفہ یہ کہ جمال پاشا ہی کمسن افغانوں کو خارج میں اعزام کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس پر اور دیگر امور پر احتجاج کیا تو جمال پاشا نے کہا کہ جب تمھارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا تو کیوں استعفا نہیں کر دیتے۔ میں نے جواب دیا چند دفعہ کر چکا ہوں مگر اعلیحضرت منظور نہیں فرماتے۔ اب تم سفارش کر دو۔ محمد نادر خان غازی نے جب مکتب ملی قائم کیا تو اس کے انتظام کے لیے ایک مجلس منعقد کی وزیر معارف کے ساتھ ایک مسئلے پر میری سخت بحث پیش آئی تو میں نے پھر استعفا کا ذکر کیا اور کہا کہ امیر حبیب اللہ خان نے تو میرے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈالی تھیں امان اللہ خان نے بھی جکڑ رکھا ہے ورنہ میں یہاں ایک دقیقہ کیا ایک ثانیہ بھی ٹھیرتا تو سخت بے غیرت ہوتا۔

امان اللہ خان نے حریت و آزادی کا اعلان کیا مگر اسکی تعمیل میں کوتاہی کی یا قصداً تذافل برتا محمد نادر خان نے یہی شعار اختیار کیا جو قول اور قوہ سے فعل و عمل میں آسکے۔ افغانستان میں ایسے نوجوان بہت کم ہیں جو پختہ مغزی اور تجربہ کاری سے اصلاح ملت کے عظیم الشان کام کو سرانجام دے سکیں۔ سردار خوانین ملک ارباب میربائی اور دیگر اعیان ملت جن کو قوم میں رسوخ اور منزلت حاصل ہے وہ ان خیالات سے بالکل دور پڑے ہیں جن کو نوجوان ملک میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ صحیح حریت اور سلیم آزادی یہ ہے کہ پہلے معززا ور مقتدر اشخاص کی تنویر افکار کی جائے۔ اگر ان کو مجلس شوریٰ میں مدعو کر کے بطور مثال یہی مسئلہ پیش کر دیا جائے کہ آیا نئی تعلیم لازم ہے تو زیادہ اکثریت اس کے مخالف ہوگی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک مدبر اور خیر اندیش بادشاہ ایسے امور میں استبداد کو ہاتھ سے نہ دے۔

دوسری طرف جوان بلند پرواز غیر طیارہ رانی کی مہارت کے آسمان میں اڑنا چاہتے ہیں تاکہ ماہر فنون ملک سے بھی اونچے ہو جائیں۔ منہ کے بل گر کر تھوڑا سا لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں حکومت کے خارجی تعلقات پر عیب گیری کرتے ہیں کہ ملک فروشی ہو رہی ہے ملت غلام بن رہی ہے گویا ان لوگوں کو اپنی شرافت و عزت کا کچھ پاس نہیں جنہوں نے بار بار اسی کو صیانت کرنے کے لئے اپنی جانیں خطرات میں ڈالیں۔ عقل کا معیار یہ کیا ان کی فداکاری اور آزادی خواہی کی قاطع برہان نہیں ہے؟ اگر سلطنت ڈاکوؤں کے قبضے میں رہتی تو دنیا کی کونسی دولت افغانستان کو منجملہ دول تسلیم کر سکتی تھی۔ یہی بدنامی اور رسوائی دوام پکڑ کر ملک کو ذلیل اور بدنام کر دیتی۔ اس دھبے کو دھونے کے لئے جس خاندان نے قربانیاں کیں اپنی صحت عافیت اور جان کی مطلق پروا نہ کی آیا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وطن کے وقار و ناموس کی حفاظت میں عقل تدبیر اور جاں نثاری سے کام لیں گے۔ چونکہ خام خیال لوگ اپنی امنگوں کے نشے میں متین اصحاب کی اعتدال پسندی کو گوارا نہیں کرتے اس لئے حکومت کے خلاف زہر اگلنے لگ جاتے ہیں۔

جاپان کی طرف دیکھئے کہ کس طرح اپنے استقلال کو محکم کئے ہوئے بعض دول کے ساتھ مفید اتحاد رکھتے ہوئے صنعت و حرفت میں ترقی کئے جا رہا ہے۔ روس پر نظر ڈالئے کہ اشتراکیت میں کس طرح ڈوبا ہوا جدید اصلاحات میں سرگرمی سے مشغول ہے اور فریق مخالف کے وجود کو روا ہی نہیں رکھتا اس کے روزناموں "پراودا" اور "ازوستیا" وغیرہ میں صرف حکومت ہی کی مرضی کے مطابق مقالات چھپتے ہیں اور یہ حکومت حریت کے پورے درجے کی مدعی ہے۔ جیسے اشخاص کی مجبوریاں ہیں حکومتوں کی بھی پابندیاں ہوا کرتی ہیں [illegible] حسب الامکان بن جاتی ہیں تاکہ اپنے استقلال و آزادی کو مامون

رکھ سکیں۔ مگر یہ ان اصحاب پر منحصر ہے جن کے ہاتھ میں زمام سلطنت ہو جیسا کہ انھی میں سے ایک متجرب وزیر یا جرنیل کو ڈکٹیٹر بنا دیتے ہیں)۔

ایک شخص کی گذشتہ سیرت اس کی آئندہ روش کی متضمن ہوتی ہے۔ نادر خانی خاندان کی دو عہدوں میں دیانت و امانت سے بھری خدمات جن کا سوائے معترض افراد کے ملت افغان کا بچہ بچہ معترف ہے ان کو محترم و مخدوم بنا دیتی ہیں۔ امان اللہ خاں ان کو بلند مناصب سے محروم کر کے یا بیکاری کی حالت میں باہر رکھتے ہیں یا ملک کے اندر بے بس چھوڑ دیتے ہیں۔ خود اپنی معزولی کا فرمان لکھکر کابل سے خفیہ مرخص ہوتے ہیں اور دوبارہ غزنی سے مقرر بنتے ہیں۔ نادر خانی خاندان ہینوں مصیبتیں اٹھاتے قبائل کو ابھارتے شجاعت شہامت اور جانفشانیوں کے بعد ملک کو رہزنوں کے پنجے سے چھڑاتے ہیں۔ ملت ان کو بادشاہی پر منتخب و مقرر کرتی ہے۔ جو لوگ اب تک یہی اعتراض کئے جاتے ہیں کہ تمام ملت کے وکلا جمع نہیں کئے گئے تھے وہ ملک کے حالات سے نہایت بے خبر ہیں۔ فی الواقع محمد نادر خاں کے مساوی افغانستان میں مطلق کوئی شخص ہی موجود نہیں تھا بلکہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے سوا اگر کوئی اور انتخاب کیا جاتا تو ملت کا دسواں حصہ بھی اسے نہ پہچانتا اور نتیجہ ایسی جنگ ہوتی جس میں چھوٹے چھوٹے ملوک الطوائف سر نکالتے۔ رہے امان اللہ خاں سو انھوں نے دو دفعہ بھاگ کر ملت کی پہلی بیزاری کو دہ چند بڑھا دیا۔ کیونکہ ملت افغان اس معاملے میں بڑی سخت گیر ہے۔ ایک ماں اپنے بیٹے کو جو پیٹھ میں زخمی ہو کر گھر لوٹے اندر گھسنے نہیں دیتی ایک عورت اپنے خاوند کو یوں خطاب کرتی ہے ؎

پہ تورتو پک دشتلے شے ٭ د بے ننگی احوال د مراسہ مہ کنہ

سیاہ بندوق سے مارے جاؤ تو بہتر ہے۔ تمھاری بے غیرتی کا حال اسے محبوب نہ آئے۔
یہ تو ہوئی محمد نادر خاں اور امان اللہ خاں کی مقابلیت جس کے رو سے ان کی حیثیت کا اندازہ
ہوسکتا ہے۔ اب اپنی طرف رجوع کرتا ہوں۔ محمد نادر خاں نے جب وہ اول وزیر تھے تو میری
راست گفتاری اور درشت کلامی پر یہ کلمے فرماتے تھے کہ اور لوگوں کو میں نے چند مہینوں کی قید میں
جھکتے دیکھا ہے مگر تم گیارہ برس کے بعد بھی خم نہیں ہوئے بلکہ ویسے ہی سیدھے اور سخت ہو جس کا
سبب یہ ہے کہ حق ٹیڑھا نہیں ہوسکتا۔ اسی حق گوئی کی وجہ سے شاہ امان اللہ خاں نے مجھے اپنی مجالس
سے آہستہ آہستہ پرے کر دیا اور آخر دو دفعہ پستول میری طرف اٹھایا جس سے صرف حق کی حمایت
نے مجھے بچایا۔ ہر چند میں پھونک پھونک کر پاؤں رکھتا مگر اپنی آزاد طبیعت سے مجبور رہتا اور پھر کوئی نہ
کوئی سچی اور صاف بات مزاج شاہانہ کی برافروختگی کا باعث بن جاتی تھی۔ میری مرضی کے موافق تعلیم و تنظیم
جاری نہیں تھی۔ استعفیٰ میں مستعفی ہوتا تو قبول نہ فرماتے۔ اگر اپنے کہنے کو سے کر خود سرانہ چلا جاتا تو پھر
خوف لاحق ہوتا۔ علاوہ بریں سابق سفیر روسی اپنے عائلے کے ساتھ واپس جا رہا تھا غزنی میں مروا دیا
دیا گیا اور اس کی عورت فریاد مچاتی رہ گئی۔ جب قاتل مدعی اور حاکم ایک ہی شخص ہو تو خون کا دعوے
کس سے پوچھو بلکہ دیج

دیت از مردہ مے خواہند بعزو شصت قاتلہا

اگر مجبوریاں ملحوظ نہ رکھی جاتیں تو اس استثنا کے کیا معنی ہو سکتے ہیں إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ
وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ۔ آپ سچ فرماتے ہیں بیشک مجھے اپنے اخبار حبیب الاسلام کا صرف
دبیر مقرر کر دیا مگر میرے لئے یہ تقرر باعث تشویش کا باعث ہوا ہے میں نے سقوی وزیر جنگ اور وزیر

دربار کو کہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو مجھے اس کام سے سبکدوش کریں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے
تمھاری خیر خواہی کو مرعی رکھکر ایک مشغل تمھارے لئے پیدا کیا تھا تاکہ امان اللہ خاں کے طرفدار
سمجھے جاکر کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ اور چونکہ مسافر ہو تمھارے خاندان پر کوئی آفت نہ آئے
اب اگر نئے امیر کو تمھارا انکار معلوم ہوا تو اغلب ہے کہ وہ تمھیں اپنا مخالف جان کر کوئی سخت حکم
صادر کر دیگا۔ اسلئے بہتر ہے کہ قبول کر لو۔ ناچار میں تو مان گیا اور کچھ دن کام کرتا رہا مگر سخت
جانکاہ تکلیف ہوتی تھی کہ ایک ڈاکو کی اطاعت میں مشغول رہوں۔ ایک دو مضمونوں میں اس کی تعریف
لکھی جو بالکل سچی تھی اور امان اللہ خاں کی مذمت کی جو صحیح تھی۔ بچہ سقا کی بہادری تہور اور جان سے
بے پروائی کا ذکر اور امان اللہ خاں کے فرار عزل اور غفلت کو بیان کیا مگر محمد نادر خاں کی بابت
مینے ہرگز کوئی برا کلمہ نہیں لکھا۔ اسی سے اندیشہ کر کے کہ اس کی باری بھی آجائیگی مینے مصمم
ارادہ کرلیا کہ خواہ کوئی مصیبت ہی نازل ہو اس بلا سے نکلنا مناسب ہے۔ میرے اصرار پر
وزرائے مذکورہ بالا نے سقوی دربار میں میرے ہندوستان جانے کا ذکر کر کے رخصت چاہی
میں باہر بیٹھا تھا کیونکہ نہ تو میری رسائی تھی اور نہ میں اس منحوس بلا کی شکل دیکھنا چاہتا تھا
جو تخت افاغنہ پر جلوہ افروز تھی۔ وزیر خارجہ سہما ہوا آیا اور کہنے لگا تمھاری قسمت ہی نرالی ہے۔
امیر حبیب اللہ خاں نے تمھیں گیارہ سال قید میں رکھا۔ شاہ امان اللہ خاں نے تم پر پستول
اٹھایا اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ امیر بھی تمھیں کسی عذاب میں ڈال دیگا۔ کیونکہ سخت غضبناک ہو کر کہنے
لگا کہ مجھے امان اللہ خانی آدمیوں اور ہندوستانیوں سے کوئی توقع نہیں اور نہ ہی مجھے ان کی پروا
ہے۔ اخبار کسی اور کے سپرد کر دو اور اسے کہو کہ جس راستے سے چاہو ہندوستان چلے جاؤ۔ یوں

اس اخبار اور اس کے صاحب سے چھٹکارا ہوا۔

اگر مجھے طمع کے خیال سے افغانستان میں رہنا مطلوب ہوتا تو جو تنخواہ امان اللہ خان مجھے دیتے تھے وہی بچہ سقا دیتا تھا مگر میں نے اس کا ایک پیسہ نہیں لیا اور باوجود خطرے کے میں نے اس سے دوری اختیار کی۔ پھر راہ مخدوش تھے جگہ جگہ لڑائیاں برپا تھیں اور ہر منزل پر جان و مال کا خوف تھا۔ میں نے یہ سب کچھ گوارا کیا مگر ڈاکوؤں کی تائید و حمایت سے کنارہ کشی کی۔ میں نے اسی خوف سے وحشتناک صعوبتیں اٹھانے کا قصد کر لیا۔ جلال آباد کے راستے ان دنوں مستورات کا سفر نہایت خوفناک تھا۔ باوجود اس کے میں مع اپنی ضعیفہ والدہ، ہمشیرہ، اہلیہ اور صغیر فرزند کے خچروں پر سوار ہو کر دن اور رات سختیاں جھیلتا گیارھویں روز سرحد پر پہنچا۔ اب تک اپنے پروردگار کی نعمت کا شکر سے تکرار کرتا ہوں۔

میں افغانستان میں اکیس برس رہ چکا ہوں۔ میرے آبا و اجداد وہیں مدفون ہیں۔ میں افغانی رعیت بھی تھا۔ میرے احباب اور تلامذۂ رشید سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں وہاں موجود ہیں۔ میں افغانستان کی حقانی خدمات بجالانے کا گھر رہ کر بھی اہل ہوں۔ اتنا واضح کر دیتا ہوں کہ خصومتیں اور تہمتیں ہندوستان کے مسلمانوں کے درمیان البتہ فساد اور تفرقہ ڈال سکتی ہیں کہ ایک گروہ شہید نادر خان کو برا بھلا کہے مگر افغانستان میں ان کا نیک یا بد ذرہ بھر بھی نتیجہ نہیں نکل سکتا کیونکہ اول تو وہاں ایسے اخباروں کو پڑھنے ہی نہیں پھر اردو جاننے والے ہی کم ہیں بلکہ جن لوگوں کے ہاتھ میں افغانستان کے تصرف کی کنجی چلی آئی ہے وہ فارسی

بھی نہیں جانتے صرف پشتو ہی ان کی زبان ہے۔ یہ لوگ امان اللہ خاں کو بھی جانتے ہیں اور محمد نادر خاں کے خاندان کو بھی پہچانتے ہیں۔ انھی کے ڈر سے ایک بھاگا اور انھی کی مدد سے دوسرے نے سلطنت حاصل کی۔ ایک آدھ وزیری کا خط اخبار میں شائع کرنے سے یہ استنباط نہیں ہو سکتا کہ ساری قوم اس کی ہم خیال ہے۔ ہر ریوڑ میں کالی بھیڑیں ہوا کرتی ہیں۔ یہ تشہیر کرنے سے کہ امان اللہ خاں آ رہا ہے اور ہندوستان ان کا منتظر ہے حکومت حاضرہ کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے بیانات کی اطلاع تک بھی افغانستان میں نہیں ہوتی۔ یہ محض ہندوستان کے ناظرین اخبار کا تضیع اوقات ہے۔

میں نے اپنی کتاب "انقلاب افغانستان" میں کافی دلائل بیان کر دی ہیں کہ امان اللہ خاں کے متعلق پہلی اور موجودہ تحریر میں تناقض کیوں واقع ہوا ہے۔ میں نے آپ کا مقابلہ بہت بڑے اشخاص کے ساتھ کیا اور اب بھی قائل ہوں کہ وہ بہت عظیم شخص تھے جیسے نپولین بونا پارٹ کر آیا یہ کارسیکائی باشندہ صرف عظمتوں ہی کا مالک تھا جن کے سبب یورپ کا رب النوع بن گیا یا اس میں کوتاہیاں بھی تھیں جن کی وجہ سے شکست کھا کر ذلیل ہو کے سینٹ ہلینا کا مجاور ہو بیٹھا۔ ایک وقت اہل فرانس اسے تنگ نظر سمجھتے تھے کیونکہ وہ صرف اپنے جزیرے کارسیکا ہی کی بہبودی و آزادی کا خواہاں تھا۔ پھر دنیا کے لوگ اسے غاصب و ظالم کہنے لگے جب وہ فرانسیسی سکہ غرب و شرق میں جمانا چاہتا تھا۔ مصر کی راہ میں نیلسن کے جہازی بیڑے سے رو تاب ہوا اور انگریز ادیب رنگیں بیانیاں کرتے ہیں کہ اگر مٹ بھیڑ ہو جاتی تو یورپ ایک شیطان کے وجود سے

پاک ہو جاتا اور بقول لارڈ روزبری وہ عصائے یا ہو تھا جو لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے پر مقرر تھا۔

اسی لارڈ نیلسن کو جب وہ میز کے نیچے چھپ کر اپنی رفیقہ کے بچے کے ساتھ کھیلتا کودتا تو اسے بڑا اور چھوٹا آدمی بتاتی تھی۔ ڈیوک آف ویلنگٹن نپولین کو ہزیمت دیتا ہے، اور سکندر کی طرح پیٹ پھاڑ کر جان دیتا ہے۔ شریعت اسلامی نے اس لقمے کو جو اشتہا سے زیادہ تناول کیا جائے حرام قرار دیا ہے۔ جو شخص جہان کو فتح کریں اور فاتح جہاں کو شکست دیں۔ بیشک بڑے کبیر اشخاص ہیں۔ لیکن جب بچوں اور حیوانوں کی طرح طماع و اکال بن کر مریں تو ان کا یہ آخری فعل مذموم ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے

آدمی زادہ طرفہ معجون ست

از فرشتہ سرشتہ و ز حیواں

امان اللہ خاں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ان کے ابتدائی حالات کا آخری زمانے سے موازنہ ہو سکتا کیونکہ برسوں میں ایک شخص کی عادات و نمیات میں بہت فرق آسکتا ہے۔ اسکے علاوہ ایک آدمی بعض خصائل کو پوشیدہ رکھتا ہے جو سالوں کے بعد ظاہر ہوتی ہیں تو اس عرصے میں خواہ مخواہ دنیا کو دھوکا ہوتا ہے۔ ایک کنواری اپنے محلے اور شہر میں پاکدامنی میں مشہور ہے۔ مساکین کی مدد کرتی اور اپنے گھر بار میں محنت و خدمت سے رہ کر نیک نام ہے۔ دفعتاً ایک بچہ جنتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم نو مہینے میں اس کی عفت کی تعریف جس نے کی غلط کیا اگرچہ یہ غلطی متعمد نہیں تھی۔ مدد مساکین کی توصیف کبھی درست تھی۔ اگرچہ بعد میں منکشف ہوا ہو کہ اس کے پردے میں زناکاری ہو رہی تھی وہ مرد جو اس حرامی لڑکے کا باپ ہے تحمل کر کے پرہیزگار ہی مشہور رہ سکتی کہ وہ بچہ بالغ ہو کر اس کے ساتھ

شاہت پیدا کر کے گمان غالب پھیلا دے کہ وہی زانی تھا۔ اس مرد و زن کو جو لوگ پہلے نیک
سل و پارسا کہتے تھے اگر بعد میں مکار و بدفعل کہیں تو کاذب و مفتری کا لقب نہیں پا سکتے۔

ایک شخص رات کو چوری کرتا ہے جس کی خبر کسی کو نہیں۔ دن کو محتاجوں کے ہاں جا کر انکو روپیہ اور تسلی
دیتا ہے جسکی اطلاع سبھی کو ہے۔ یہی تحریر میں آجاتا ہے۔ جب چور پکڑا جاتا ہے تو محرر اس واقع کو بھی قلمبند کر دیتا
ہے تو کیا یہ دو نو تحریروں میں تناقض و تضاد ہوا یا ایک نے دوسرے کی اصلاح و تتمیم کر دی؟ آسٹریا
کے ایک رئیس بلدیہ کے ہاں سے چوری کا مال برآمد ہوا تو اس نے اقرار کیا کہ کئی برسوں سے اس کا
یہی مشیانہ پیشہ رہا ہے۔

قندھار میں جب انگریزوں کی حکومت تھی تو چند گورے ایک باغ میں جا گھسے۔ افغانوں نے
ان کے ساتھ قبیح سلوک کیا۔ انھوں نے جا کر اپنے کرنیل کے پاس شکایت کی جو بدلہ لینے کے لئے
بہت سے سپاہی لے کر آیا۔ افغانوں نے ان کی آہٹ سنکر نماز کی نیت باندھ دی۔ کرنیل نے
کہا یہ لوگ تو اچھے معلوم ہوتے ہیں جو خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ کسی نے اسے مطلع کیا کہ یہ کام بھی
کرتے ہیں وہ کام بھی کرتے ہیں۔ جب امر واقعی یہ ہو تو میں کیوں معرض اعتراض میں آیا؟ ایک شخص
اچھا بھی ہے برا بھی ہے۔ میں نے ایک کتاب میں اسکے یہ کام اور دوسری میں اسکے وہ کام لکھدئے۔

میں نے امان اللہ خاں کا حال لکھتے ہوئے اصحاب کرامؓ کے بارے میں ارشاد خداوندی
بیان کیا تھا وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ
سَيِّئًا۔ دوسرے ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ ان کے اچھے کام اور دوسری
برائیاں ملی جلی ہیں۔ میں عاجز بھی معترف ہوں کہ دوسروں کے الزامات سے بڑھکر گنہگار ہوں۔ جب

میں نے "افغان بادشاہ" کی کتاب لکھی تو اپنے مقصرانہ اقدام کو تسلیم کیا مگر ساتھ ہی معذرت بھی تیار تھی جو "انقلاب افغانستان" میں واضح کر چکا ہوں۔ "افغان بادشاہ" کی تصنیف کے بعد میں ہمیشہ یہ تمنا اور دعا کرتا تھا کہ مجھے وہ موقع بھی ملے جب اس کا دوسرا پہلو بھی دکھا سکوں ورنہ تصویر کا ایک رخ رہ جائیگا۔ میں اسے تقصیر سمجھتا تھا ورنہ جو کچھ "افغان بادشاہ" میں لکھا ہے صحیح ہے اور اسکے بعد جو کچھ "انقلاب افغانستان" میں لکھا ہے، وہ بھی صحیح ہے۔

اگر کوئی گھر میں بیٹھکر پستول کا نشانہ بننے کو ایک معمولی سا خطر گمان کرے اور کابل کی قید کا ہندوستان کے جیل سے اندازہ لگانے تو تعجب نہیں ؎

تو اے کبوتر بام حرم چہ مے دانی

طپیدن دل مرغان رشتہ بر پارا

اگر امان اللہ خاں کی بانہ تھامی نجاتی تو میرے ہلاک ہونے کے سوا وحشی سپاہی ہمارے گھر میں گھسکر لوٹ مار مچاتے اور مستورات بیکسی کی حالت میں ہندوستان پہنچتیں۔ اگر میں محبوس ہوجاتا تو میرے گھر میں چھ سات سپاہی متعین ہوجاتے۔ کابل میں پولٹیکل قیدیوں کی دعائیں اور اے بی۔سی کی تخفیفیں نہیں ہیں۔ یہ تو خطرات تھے جن میں مبتلا ہونے کا مجھے اندیشہ تھا۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ اگر میں امان اللہ خاں کے عیب آشکارا کر دیتا تو علاوہ جان کھونے کے اور گھرانے کو مصائب میں پھنسانے کے کتاب کو ہرگز شائع نکر سکتا۔

میں انقلاب افغانستان میں بیان کر چکا ہوں کہ میری صاف گوئی کے سبب مجھے اپنے سے پرسے رکھنے تھے۔ مستوفی مرزا محتب خاں کو اسی لئے فرمان کے رو سے موقوف کیا کیونکہ قانوناً اسکی

موقوفی ممکن نہیں تھی اور اسکا جرم یہی تھا کہ سچی بات منہ پر کہدیتا۔ یہ روش اتنی وسیع ہوگئی کہ سب وزرا حق کہنے سے رم کرنے لگے۔ وزیر داخلہ جو وزیر حربیہ بھی تھا کابل کے نواح میں رہتا چوروں کے ڈر سے شہر میں گھر تلاش کرتا تھا۔ کسی نے کہا آپ نے گاؤں کے دھاڑیوں کی دست اندازی کا ذکر اعلیحضرت کے پاس کیا ہے تو جواب دیا کہ وہ ان خبروں کو برا مانتے تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ اسے خفا کردوں ؎

بلبلا مژدۂ بہار بیار

خبر بد بہ بوم شوم گذار

بزرجمہر نے نوشیرواں جیسے عادل کے سامنے سچ کہنے سے اجتناب کیا جسے سعدی نے تائید کے ساتھ بیان فرمایا ؎

خلافِ رائے سلطاں رائے جستن

بخون خویش باید دست شستن

میکالے نے فریڈرک کبیر کی بابت لکھا ہے کہ اپنے مصاحبوں کو مطائبے کا حکم دیتا پھر جب کوئی اس پر اقدام کرتا تو اسے گستاخ کہہ کر مورد عتاب بناتا اور جب کوئی خوف کھا کر کلام کی جرأت ہی نہ کرتا تو اسے کتے کی طرح دم دبانے والا ڈرپوک گردانتا۔ یہ جرمن بادشاہ بہت بڑا آدمی تھا جیسا امان اللہ خاں اور مجھے مثالوں اور تجربوں سے یقین تھا کہ جب مجھے کہہ دیا کہ ان کی خوبیوں کی طرح ان کی بدیاں بھی تحریر کروں مگر پھر نہ تو میری خیر تھی نہ کتاب ہی اشاعت پا سکتی۔

"افغان بادشاہ" کی اشاعت اسلئے لازم تھی کہ دنیا امان اللہ خاں کی ان خوبیوں کو جانے جو ان کی ترقی کا باعث ہوئیں اور "انقلاب افغانستان" کی اشاعت اس لئے لازم ہوئی کہ دنیا امان اللہ خاں کی ان برائیوں کو جانے جو ان کے تنزل کا باعث ہوئیں۔

مجھے اپنی اٹھارہ کتابوں کے تجربے سے جو امان اللہ خاں کے لئے تالیف کی تھیں۔ یقین تھا کہ ان کی طرح جو فارسی میں تھیں۔ یہ کتاب بطریق اولی ان کے مطالعے میں نہیں آئیگی کیونکہ کتاب "افغان بادشاہ" اردو میں تھی جس سے آپ کو کم واقفیت کے علاوہ نفرت بھی تھی۔ اس سے یہ الزام ساقط ہو جاتا ہے کہ میں نے یہ کتاب امان اللہ خاں کو خوش کرنے کے لئے نشر کی تھی۔

بعض نے مجھ پر اعلیحضرت امان اللہ خاں کے احسانات گنوائے ہیں اور یہ بھی جتلایا ہے کہ مجھے معلم کی حیثیت سے اٹھا کر رئیس تدریسات بنا دیا گویا اور ممالک میں لوگ بغیر کمتر درجے کے ملازم ہونے کے شروع ہی میں وزیر تعلیمات مقرر ہو جاتے ہیں۔ افغانستان میں مجھ پر دو شخص مافوق تھے ایک وزیر دوسرا اس کا معین۔ کسی نے کارٹون بنایا تھا کہ گھوڑے کی اگاڑی وزیر کے ہاتھ میں ہے اور پچھاڑی معین کے پاس۔ اعلیحضرت اسے چابک مار رہے ہیں۔ لامحالہ اپنی جگہ پر کھڑا کود رہا ہے اور آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ وزیر اور معین میرے ہی شاگرد ہوتے اور اگرچہ ان کو برسوں اور تعلیم دے سکتا تھا میرے سب کاموں میں مزاحمت کرتے اور خود امان اللہ خاں ان سے بڑھکر دخل در معقولات دیتے حالانکہ وہ کسی مکتب کے تعلیمیافتہ بھی نہیں تھے۔ میں نے بارہا معروض کیا کہ مجھے منصب کی خواہش نہیں ہے مگر اتنا ضرور چاہتا ہوں کہ جو

تعلیم و تنظیم کے مسلم امور ہیں ان میں کوئی خلل نہ ڈالے مگر یہ التماس کبھی منظور نہ ہوئی اور میری تمام مساعی بے سود جاتی رہیں۔ معترض مجھ پر عنایت سمجھتا ہے کہ میں رئیس تدریسیات تھا۔ اور میں اسے شکایت جانتا ہوں کہ میں وزیر نہیں تھا یا مجھے عرفانی معاملات میں معقول اختیارات حاصل نہیں تھے۔

میں آقائے ولی نعمت کے نمک پرح کا قائل نہیں ہوں۔ حکومت احرار میں اس کی گنجائش نہیں۔ ایک شخص محنت کرتا ہے اور تنخواہ پاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو جب ایک اعرابی نے کہا کہ اگر سیدھے راستے سے بھٹک گئے تو تلوار سے تمھیں ٹھیک کردوں گا۔ تو اس نے بڑی بے ادبی کی کہ آقائے ولی نعمت کو ڈانٹا اور اس وظیفے کے نمک مرچ کا پاس نہ کیا جو انھوں نے ہر ایک عرب کے لئے متعین کر رکھا تھا۔

ہاں بادشاہ یا صدر جمہوریا آمر یا حاکم مطاع ہیں اور ہر مسلمان کو ان کی اطاعت کرنی چاہئے۔ سو میں نے امان اللہ خاں کی اطاعت میں دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا بلکہ ان کی ستائش اور سچی خوبیاں بیان کرنے میں تفاوق حاصل کیا تھا۔ جب وہ خود بادشاہی سے دست بردار ہوگئے جب میں نے خود ان کا سرخ دستخط آپ کی معزولی کے کاغذ پہ جلی حروف میں لکھا پڑھا تو ان کی متابعت ان کے اپنے فرمان کے رد سے ختم ہوگئی۔ میں سبکدوش ہوگیا اور سب ملت افغان خاطرجمعی سے دین اور عرف کے اعتبار سے مجاز ہوئی کہ کسی اور کو متبوع بنالیں۔ امان اللہ خاں نے جلدی پشیمان ہوکر قندھار میں دوبارہ بادشاہی کا اعلان کیا مگر غزنی سے بھاگ کر نہ صرف اپنی ابدی بدنامی کا سامان فراہم کیا بلکہ ملت افغان کو بتائید و تکرار اختیار دیا کہ وہ جسے چاہیں اپنا بادشاہ مان لیں۔

اگرامان اللہ خاں ہزارہ جات میں چلے جاتے یا سرحدات میں رہکر پھر حملہ آور ہوتے تو ممکن تھا ملت ڈاکوؤں کے مقابلے میں آپ کی طرفدار ہو کر از سرنو آپ کی بادشاہی کو مان لیتی مگر اس میں احسان جو کٹھن مشقتوں خطرات آفات اور سخت مصیبتوں کا سامنا تھا جسے محمد نادرخاں نے یورپ کی عافیت پر ترجیح دی اور جسے امان اللہ خاں نے اسی یورپ کی عافیت کے مقابلے میں گوارا نہ کیا ع

بقدر الکد تکتسب المعالی

محمد نادرخاں کو بلند رتبہ نصیب ہوا جو ان کے مخالفین کے علی الرغم ان کا حق تھا اور امان اللہ خاں کو ذلت ملی جو باوجود انکے مویدین کے انکی جائز سزا تھی۔

امان اللہ خاں جب بھے اور اپنے سچے خدام کو بیوفائی سے چھوڑ کر مفرور ہو گئے تو ہم مختار تھے کہ ان کی عقیدت سے نکلکر ایسے وفادار دلاور اور صالح مسلمان بادشاہ کی اطاعت کا دامن پکڑیں جسکی وفا شجاعت اور تقویٰ پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہو چنانچہ ملت افغان نے سوائے اعلیحضرت محمد نادرخاں کے اور کسی کو ایسا شخص نہ پایا۔

معاند میرے حق میں امان اللہ خاں کو فیاض کہتا ہے اور محسن بتاتا ہے۔ اور میں معاملہ برعکس ثابت کرتا ہوں۔ میں صرف ملت افغان کی خدمت کرتا تھا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ پر میرا عمل تھا۔ میں امان اللہ خاں سے اجر نہیں مانگتا تھا۔ خدا کے لیۓ کام کرتا تھا۔ اگر مجھے حرص ہوتی یا افغانستان سے سوا اور جگہ خدمت کرنا چاہتا تو اپنے ہم جماعتوں اور رشتہ داروں کی طرح۔ مجھے بھی دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ مل سکتی تھی مگر میں نے کابل کے ماہانہ تین سو روپے

پر قناعت کی جو پندرہ دن میں ختم ہو جاتے تھے اور باقی مہینے کا خرچ ہندوستان سے منگاتا یا خود کوئی ترجمہ یا تالیف کی مزدوری کرتا۔ قید کی حالت میں میرے بیس ہزار روپے صرف ہوئے اور امان اللہ خاں نے مجھے دس ہزار کی بھی جائداد نہ بخشی تو ان حالات کے اندر آیا میرا فیض افغانستان میں جاری تھا یا برعکس؟ وہ تھوڑی تنخواہ جو گورنمنٹ کے بعد مجھے دی جاتی کیونکہ کبھی ساری کبھی کچھ حصہ مختلف چندوں میں وضع کر لیا جاتا تھا۔ میں محتاج طلبہ کی امداد میں بھی صرف کرتا تھا۔ یتیم لڑکے اکثر ہمارے ہاں رہکر تعلیم پاتے تھے۔

دشمنوں نے استہزا سے بیان کیا ہے کہ جمال پاشا کے سامنے افغانی امور میں بھی میری کوئی اہمیت نہیں ہو سکتی حالانکہ افغانستان کے مقامی حالات ایسے پیچیدہ ہیں کہ ان کو مرعی رکھنے کے بغیر ترک کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ جرنیل کاظم پاشا افسر ارکان حرب مع اپنے عملے کے عجلت برتتے قندھار کے راستے کابل میں پہنچے تاکہ اسکو ڈاکوؤں کے محاصرے سے نکالیں مگر آتے ہی خود بھی محصور ہو گئے اور بچہ سقا کی اجازت سے اپنا سامنہ لے کر واپس چلے گئے۔ امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں سپہ سالار محمد نادر خاں نے کاظم بے ترکی سفیر سے فوج کو نئی قواعد سکھلانی چاہی مگر اس کے ایک دفعہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے ساری سپاہ اسے گالیاں دینے لگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ افغانی وضع مستحسن ہے۔ بعض پاجامے میں ہاتھ ڈال کر کھڑے استنجا کرتے ہیں مگر وہ اپنے رواجوں پر شرارت سے قائم ہیں۔ جمال پاشا اور ان کے ہمراہی ترکی افسر نماز نہ پڑھتے اور سپاہیوں کے لئے بھی جب دن بھر یا چند گھنٹے عسکری کام ہوتا تو نماز کے لئے کوئی اہتمام نہ ہوتا۔ میں نے صرف یہ تجویز پیش کی کہ قرآن مجید

یات کے بموجب احتیاط اور اسلحہ پکڑے ہوئے لڑائی میں بھی نماز لازم ہے اسلئے موجودہ زمانے
کی مقتضیات کو مدنظر رکھتے ہوئے افغانوں کو ذکر الٰہی کا طریقہ بتانا ضرور ہے تاکہ وہ عقیدتمند مسلمان
ہو کر لڑ سکیں اور اس دینی تعلیم سے ملت افغان مطمئن ہو۔ مجھے جمال پاشا سے کوئی عداوت نہیں
تھی مگر جب اس نے نماز کے متعلق یہ جواب دیا کہ تیرہ سو سال پہلے کی باتیں بیسویں صدی میں جاری
کرنا چاہتے ہو تو البتہ مجھے مایوسی ہوئی۔

مولوی اللہ نواز خاں کے متعلق یہ الزام دئے جاتے ہیں کہ امان اللہ خاں نے اسے آدمی بنایا
اب اسی کی بے ادبی کرتا ہے۔ بجائے انسانیت کے القاب کے "اللہ نواز ابن الوقت" کی دشنام دی
جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ نواز خاں ملتان کا ایک رئیس زادہ ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے
تک تعلیم پائی۔ یورپ کی بڑی لڑائی میں افغانستان چلا گیا مع اور نوجوانوں کے جو اکثر واپس لوٹ آئے
مگر وہ ثابت قدمی سے ہجرت پر قائم رہا۔ امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں نظر بندی کی تکلیفیں اٹھائیں
شاہ امان اللہ خاں کی نئی سلطنت میں نہایت مہلک مقامات طے کئے اور بڑی جاں نثاری دکھائی
اسکی قدر دانی بادشاہ نے نہیں بلکہ وزیر حربیہ محمد نادر خاں نے کی جنہوں نے اسے جلال آباد میں مدیر
مقرر کیا۔ اس نے پچیس نئے مکتب کھولے۔ کابل میں مدیر معارف ہو کر آیا تو والی نے بلاوجہ موقوف
کر دیا۔ البتہ بادشاہ کا ایما تھا کیونکہ نادر خانی آدمی اور ہندوستانی ہونا بھی ایک جرم تھا۔ اب مجبوراً
اللہ نواز خاں کو جرمن کمپنی کی ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ یہ آدمیت تھی جو امان اللہ خاں نے اللہ نواز خاں
کو سکھائی اور یہ نمک تھا جو انھوں نے جرمنوں کے ذریعے کھلایا۔ ابن الوقتی یہ کہ بچہ سقا کے زمانے
میں بھاگ کر اللہ نواز خاں سیدھا اپنے گھر نہیں گیا جہاں ہر طرح کی آسائش اس کے لئے مہیا تھی بلکہ اپنے

دیرینہ محسن اور ملی مربی کے پاس جا پہنچا جسے اس تنہائی کے عالم میں سچے دوستوں اور مخلص خادمانِ اسلامی کی سخت ضرورت تھی۔ اللہ نواز خاں نے قبائل میں سربکف پھر کر جمعیت فراہم کی اور بڑی جانفشانی کے بعد کابل پر فاتحانہ حملہ کیا۔ وزیر دربار مقرر ہونے پر چین نہیں لیا بلکہ سمت شمالی کی دوسری بغاوت فرو کرنے اور غزنی کی جانب شورش کو مٹانے میں بلیغ مساعی ابراز کیں۔ یہ پہلا ہندوستانی ہے جو افغانستان میں وزیر مقرر ہوتا ہے اور اعلیحضرت محمد نادر خاں پہلے افغان بادشاہ ہیں جو ایک ہندوستانی کو وزیر مقرر کرتے ہیں۔ انکے مقابلے میں امان اللہ خاں کا گیت گائے جاتا جواب ایک عام آدمی ہیں خود بادشاہی کو خیرباد کہہ چکے ہیں اور لاکھوں پاؤنڈ اپنی بے غیرت آسودگی کے لئے لے بھاگے ہیں سوائے ہٹ دھرمی اور مغرضانہ مقاصد کے اور کس مطلب پر مبنی ہو سکتا ہے؟

ان کے طرفدار کہتے ہیں کہ اگر لاکھوں پاؤنڈ کے مالک ہوں تو ان کو ہوٹل بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ یورپ اور امریکہ کے کروڑپتی پھر کیوں تجارت کئے جاتے ہیں۔ امان اللہ تو اپنی بادشاہی کی شان میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ پغمان میں ہوٹل فرح تعمیر کروائی۔ تھیٹر اور سینما کی شرکت بنائی جس میں آپ چھیاسٹھ ہزار روپے کے حصے کا وکیل میں تھا۔ مجھے اس زحمت کے لئے کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی اور امان اللہ خاں کو ہزاروں روپیہ کا نفع ہوتا تھا۔ پھر میں ممنون اور امان اللہ خان محسن؟ انصاف درکار ہے

محمد نادر خاں نے باوجود اپنے عزیزوں سے جو قلعے میں بچہ سقہ کے ساتھ تھے گولہ باری جاری رکھی کیونکہ افغانستان کی ڈاکوؤں کے پنجے سے نجات اسی پر منحصر تھی۔ انھوں نے اپنی اپنے اقربا قربانی کو ملک کی خلاصی کے لئے اختیار کیا۔ اسی ایک عظیم الشان عمل کو ملت افغان کب فراموش کر سکتی۔ امان اللہ خاں اپنے عزیزوں کو دے کر بھاگ جاتے ہیں اور ملت کو مصیبت میں ڈالکر خود عافیت

جا بستے ہیں۔ محمد نادر خاں اپنے عزیزوں کی ہلاکت کی پرواہ نہیں کرتے تاکہ ملت کو آفات سے نکالیں کیسا بیّن موازنہ ہے جسے افغان نظرانداز نہیں کرسکتے۔

اعلیحضرت محمد نادر خاں اور انکے اقربا ہمیشہ مہاجران ہند کے ساتھ حسن معاملت فرماتے رہے ہیں۔ مسافرت میں ان کے ساتھ مواسات و مدارات صرف ان کا دوران کے خاندان کا شیوہ تھا۔ اسی لئے ہندی جوان بچہ سقا کے دوران میں سب غازی محمد نادر خاں کی خدمت میں جا حاضر ہوئے اور دیرینہ حقوق کا پاس کیا۔ اس خاص ارتباط کے سبب جو موجودہ شاہی خاندان کو اہل ہند کے ساتھ ہے اگر مخالفین اپنی دست درازی کی عنان تھام لیں تو سب کے لئے مفید ہوگا۔ فصل کی بجائے وصل کی ضرورت ہے۔

میرا اعتقاد ہے اور یہی میری کتابوں کا مقصد ہے کہ حق ظاہر اور غالب ہوکر رہتا ہے۔ ویحق اللہ الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون (خدا تعالیٰ حق کو حق کر دکھاتا ہے اگرچہ مجرم برا مانیں) +

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ
فصل پنجم ۔ جمہوری انتخاب شاہی اور برادران ذیشان ۔	۳۴۵
فصل ششم ۔ مختلف اقوام کے خدام وحکام ۔	۳۵۵
فصل ہفتم ۔ سابقہ ابواب وفصول کا ابقا ۔	۳۶۲
فصل ہشتم ۔ مزید تعزیت وتہنیت موزوں ۔	۳۶۷
نذر ۔	۳۷۱
تنقید تقریظ ۔	۳۷۳

فہرست تصاویر

مصنف

ملنے کا پتہ

سید حمید خاں - بستی نو - جالندھر